علموا اولادکم محبۃ
اولاد کو سکھاؤ
محبت حضور کی
مترجم
ڈاکٹر محمد مبارز ملک

عَلِّمُوْا أَوْلَادَكُمْ مَحَبَّةَ رَسُوْلِ اللّٰہ

کا

اردو ترجمہ

اولاد کو سکھاؤ محبت حضورؐ کی

تصنیف

ڈاکٹر محمد عبدہ یمانی

ترجمہ

ڈاکٹر محمد مبارز ملک

استاذ جامعہ پنجاب لاہور

تقریظ

ڈاکٹر ابراہیم محمد ابراہیم

استاذ جامعہ ازہر مصر

الإهداء

* السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته
* نشهد أنك قد بلغت الرسالة ... وأديت الأمانة ... ونصحت الأمة ... وجاهدت في سبيل الله حتى أتاك اليقين

محمد عبده يماني

"اے نبی آپ پر اللہ کی رحمتیں اور سلام ہو۔ اے پیارے آقا آپ نے رسالت کے تمام فرائض کما حقہ نبھائے۔ امانت کی ذمہ داری کا حق ادا کردیا امت کو کامل تعلیم سے نوازا اور راہ خدا میں وصال تک جد وجہد فرمائی۔"

نذرانہ

میں اس ترجمہ کو اپنے آقا و مولا حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں ہدیۃً پیش کرتا ہوں۔

محمد مبارز ملک

فہرست

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرضِ مترجم

کیا ہی خوب ہے اس کتاب کا عنوان اور کیا کہنے ڈاکٹر محمد عبدہٗ یمانی کے حسنِ انتخاب کے جن کا موضوعِ سخن ہی اشاعتِ حُبِ رسول بنا جو ورثۂ اسلاف ہے، صحابہ کرام کا سرمایۂ حیات تھا۔ جس کے لیے ان کا جینا اور مرنا تھا، جس کی انہوں نے اپنے خون سے آبیاری کی۔ جس کی خاطر اپنے تن من دھن کی بازی لگادی اور جس پر اپنا سب کچھ نچھاور کر دیا۔ اسی کی راہ میں کھو گئے۔ اسی کو اپنا توشۂ آخرت بنایا۔ اسی کے صدقے قیصر و کسریٰ کی شان و شوکت اُن کے فقر کے آگے ماند پڑ گئی اور اسی کے صدقے ہی "رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ" کا لقب پایا۔

یہ ورثۂ محبت آج ہمارے ہاتھوں میں ایک امانت ہے اور اسی کا بیج اپنی اولاد کے دلوں میں بونا ہے جس کی ڈاکٹر محمد عبدہٗ یمانی تعلیم دے رہے ہیں۔ اگر ہم یہ کر گزریں تو یقیناً ہماری اولاد کے دل سیرتِ طیبہ کے ساتھ وابستہ ہو جائیں گے۔ عظمتِ رسولؐ کے سارے کے سارے پہلو اُن کی آنکھوں کے سامنے اُجاگر ہو جائیں گے۔ اپنے آئینہ دل میں جمالِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا عکس دیکھ لیں گے۔ کمالِ خَلق اور خُلق اُن کے دلوں کو موہ لے گا اور اسی شمعِ محبت کو وہ اپنے ہاتھوں میں تھام کر کفر و ضلال کی ظلمتوں کا سینہ چیرتے ہوئے اپنی زندگی کی کٹھن راہوں کو طے کریں گے۔ ان کی منزل ان سے قریب تر ہوتی جائے گی۔ رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی

ان کے لیے مثالِ اعلیٰ اور اسوۂ حسنہ بن کر ابھرے گی۔ ان کے عشق و محبت میں ان کے سینہ سوزاں و بریاں ہوں گے اور جب عشق و محبت اپنی انتہا کو پہنچے گا تو کمال ایمان کی دولت سے وہ اپنا دامن بھر لیں گے۔ اور بلاشبہ نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس فرمان کے مصداق بن جائیں گے۔

لا یؤمن اُحدکم حتی یکون اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما

پھر وہ اسلام کے حقیقی سرچشموں سے سیراب ہوں گے اور بالآخر یہ صدق و محبت آپ کے اتباع کامل کی صورت میں ان کے وجودوں سے عیاں ہوگا۔ بلاشبہ ڈاکٹر محمد عبدہٗ یمانی کا یہ پیغام ساری امتِ مسلمہ بلکہ تا ابد الآباد اُن کی آنے والی نسلوں پر بھی بہت بڑا احسان ہے۔ جس کی تشہیر و اشاعت کرتے رہنا اس امت کا فرضِ اولین ہے۔ اسی فرض کو پورا کرنے کے لیے میں نے اس قیمتی سرمایہ کو قارئینِ اردو کی سہولت کے لیے اردو زبان میں منتقل کرنے کی ٹھان لی۔ توفیقِ الٰہی ہمیشہ میری ہم رکاب رہی اور مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری کے زیرِ سرپرستی میرا یہ کٹھن کام پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ میں اس کے لیے ان کا بے حد ممنون ہوں۔ میں استاد ابراہیم محمد ابراہیم مصری کا بھی از حد شکر گذار ہوں جنہوں نے اس سلسلے میں میری ہر مشکل حل کرنے میں اپنا دستِ تعاون دراز کیا۔ پھر لائقِ صد تحسین ہیں مفتی محمد خان قادری صاحب جنہوں نے اس کتاب کی طباعت و اشاعت کا سارا کام اپنے ذمے لے لیا۔ اور ان کی نگرانی میں ہی یہ سارا کام بفضلہٖ تعالیٰ مکمل ہوا۔ ان دنوں ڈاکٹر صاحب کی کتاب "علموا اولادکم محبۃ ال بیت النبی" کا ترجمہ کر رہا ہوں۔ قارئین سے دعا کی التماس ہے۔

محمد مبارز ملک

۱۷ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ (۲۸ فروری ۱۹۹۴ء)

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْفٰسِقِيْنَ.

اے حبیب فرما دیجئے اگر تمہارے باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں، خاوند، خاندان، کمائے ہوئے مال، وہ کاروبار جن کے نقصان کا تم اندیشہ کرتے ہو اور تمہارے پسندیدہ مکانات، تمہیں اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر انتظار کرو کہ اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ فاسق قوم کو کامیاب نہیں فرماتا۔

اس آیت میں واضح کر دیا گیا ہے کہ جس قوم کے دل میں ہر شی سے بڑھ کر تین محبتیں ــــ محبتِ الٰہی، محبتِ رسول اور محبتِ جہاد ــــ ہوں گی دنیا و آخرت میں وہی کامیاب و سرخرو ہوگی۔ اور اگر دیگر اشیاء کی محبت غالب آگئی تو پھر ذلت و رسوائی اس قوم کا مقدر بن جائے گی۔ اسی لیے حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو متعدد ارشادات کے ذریعے اس محبت کا درس دیا۔

ایک مقام پر تمام اہم فطری رشتے گنوا کر فرمایا:

لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من مالہ و ولدہ و نفسہ والناس اجمعین۔

تم میں سے کوئی اس وقت تک ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک میری ذات اس کے لیے اپنے مال، اولاد، اپنی جان اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو۔

(البخاری، کتاب الایمان باب حب رسول اللہ)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیارے صحابی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے پوچھا تمہیں مجھ سے کتنی محبت ہے؟ انہوں نے نہایت غور و فکر کے بعد عرض کیا:

لانت یارسول اللہ احب الی من کل شیٔ الا نفسی۔

یارسول اللہ آپ مجھے اپنی جان کے علاوہ ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔

اس پر آپ نے فرمایا:

لا والذی نفسی بیدہ حتی اکون احب الیک من نفسک

ہرگز نہیں مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جب تک میں تمہیں، تمہاری جان سے بھی محبوب نہ ہو جاؤں (تم ایمان میں کامل نہیں ہو سکو گے)

عرض کیا یارسول اللہ!

الان احب الی من نفسی۔

اب تو آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز و محبوب ہو گئے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الآن یا عمر

اے عمر اب تیرا ایمان کامل ہوا۔

(البخاری، باب کیف کانت یمین النبی)

سب سے زیادہ محبت انسان کو اپنی ذات سے ہوتی ہے مگر مذکورہ فرمان میں

واضح کردیا کہ اگر کامل ایمان چاہتے ہو تو اللہ اور اس کے رسول سے اپنی ذات سے بھی بڑھ کر محبت کرو۔

ایک اہم ضابطہ

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو یہ ضابطہ دیا ہے کہ جو شخص جس سے محبت کرے گا اس کو اس کی رفاقت نصیب رہے گی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا:

وما اعددت لھا۔ تو نے قیامت کے لیے کیا تیاری کر رکھی ہے؟

عرض کیا:

ما اعددت لھا من کثیر صلوٰۃ ولا صوم ولا صدقۃ ولکن احب اللہ ورسولہ۔ میں نے روز قیامت کے لیے اتنی زیادہ نمازوں، روزوں اور صدقات کے ساتھ تیاری نہیں کی لیکن اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں۔

آپ نے فرمایا:

انت مع من احببت۔ تو اپنے محبوب کے ساتھ ہی ہوگا۔

(البخاری، باب علامۃ الحب فی اللہ)

اس مبارک اور اہم ضابطہ پر صحابہ جس قدر خوش ہوئے اس کا بیان حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی سنئے۔ فرماتے ہیں اسلام لانے کے بعد

فما فرحنا بشئ فرحنا لقول آج تک ہم کبھی اتنے خوش نہیں ہوئے

النبی صلی علیہ وسلم انت مع من احببت۔

جتنے آج آپ کا یہ فرمان سن کر ہوئے کہ محبت کرنیوالے کو محبوب کی رفاقت نصیب رہے گی۔

اور پھر اس خوشی میں وہ جھوم اٹھے اور کہنے لگے:

انا احب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وابابکر و عمر وارجوان اکون بحبی ایاھم وان لم اعمل بمثل اعمالھم

اگرچہ میں ان پاکیزہ ہستیوں جیسے عمل نہیں کرسکا مگر حضور علیہ السلام ابوبکر و عمر کے ساتھ محبت ضرور رکھتا ہوں امیدوار ہوں کہ اسی محبت کی بناء پر ان کی رفاقت نصیب ہوگی۔

محبتِ رسول کی مرکزی حیثیت

چونکہ مسلمان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی محبت سب سے بڑھ کر عظیم اور قیمتی متاع و سرمایہ ہے اس لیے مذکورہ ضابطہ کے ساتھ ساتھ امت کو یہ تعلیم دی اگر چاہتے ہو کہ تم اور تمہاری اولاد شیطانی حملوں سے محفوظ رہے اور دنیا و آخرت کی زندگی بہتر ہو تو اولاد کی تربیت کرتے وقت اسے جو ضابطہ زندگی دو اس میں مرکزی حیثیت جس چیز کو حاصل ہونی چاہیئے وہ "محبت رسول" ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ادبوا اولادکم علی ثلاث خصال حب نبیکم و حب اہل بیتہ و قراءۃ القرآن۔

اپنی اولاد کو تین چیزیں سکھاؤ! اپنے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت، اہل بیت سے محبت اور قرآن کا پڑھنا۔

اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے امام عبدالرؤف المناوی لکھتے ہیں:

ولهذا واجب لان محبته تبعث على امتثال ما جاء به۔ (فیض القدیر ۱ : ۲۲۵)	محبت رسول کی تعلیم بچوں کو دینا اہم فریضہ ہے۔ کیونکہ محبت ہی ہے جو آپ کی شریعت مبارکہ پر عمل کی بنیاد فراہم کرتی ہے۔

جب تک مسلمانوں نے اولاد کی تربیت اس نہج پر کی کامیابی نے ان کے قدم چومے اور جب سے یہ رشتہ محبت کمزور ہوا امت زوال کا شکار ہوگئی۔

ان کے جو غلام تھے خلق کے پیشوا رہے
ان سے پھرے جہاں بھر آئی کمی وقار میں

مسلم مفکرین نے اسباب زوالِ امت کا کھوج لگایا تو انہیں بھی یہ سبب سرِ فہرست نظر آیا۔ اس لیے انہوں نے اس بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم لانے کے لیے حتی المقدور کوشش کی۔ ان میں ایک نام ڈاکٹر محمد عبدہٗ یمانی (سابق وزیر اطلاعات سعودیہ) کا ہے۔ جنہوں نے اس موضوع پر لکھنا اپنی زندگی کا مشن بنا رکھا ہے، جس پر ان کی یہ بلند پایہ تصانیف شاہدِ عادل ہیں:

- علموا اولادکم محبة رسول الله۔
  (اپنی اولاد کو رسول اللہ سے محبت کی تعلیم دو)
- بابی انت وامی یارسول الله۔
  (یارسول اللہ میرے والدین آپ پر قربان ہوں)
- تأدبوا مع رسول الله۔ (رسول اللہ کا ادب سیکھو)
- هکذا اصام رسول الله۔ (رسول اللہ نے کیسے روزہ رکھا؟)
- هکذا حج رسول الله۔ (رسول اللہ نے حج کیسے ادا کیا؟)
- علموا اولادکم محبة آل بيت النبی
  (اپنی اولاد کو اہلِ بیت نبی سے محبت کی تعلیم دو)

● علموا اولادكم محبة صحابة رسول الله ۔
(اپنی اولاد کو اصحابِ رسول سے محبت کی تعلیم دو)

زیرِ نظر کتاب (علموا اولادکم محبة رسول الله) کا اجمالی تعارف

یوں تو ان کی ہر کتاب اپنے موضوع پر عظیم کاوش ہے مگر یہ کتاب اپنے مضامین کے اعتبار سے تمام کتب میں سرِ فہرست ہے ۔ اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ جو اہلِ محبت عربی سے ناواقف ہیں انہوں نے بھی اسے اپنے پاس محفوظ رکھا ہے ۔

انتسابِ کتاب

ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب کا انتساب' بطورِ ہدیہ ' حضور علیہ السلام کی خدمت اقدس میں کیا ان کے الفاظ پڑھتے ہی انسان جھوم جاتا ہے :

* السّلام عليك أيها النبيُّ ورحمة الله وبركاته :
* نشهد أنك قد بلّغتَ الرسالة . . . وأديتَ الأمانة . . . ونصحتَ الأمة . . . وجاهدتَ في سبيل الله حتى أتاك اليقين .

"اے نبی آپ پر اللہ کی رحمتیں اور سلام ہو ۔ اے پیارے آقا آپ نے رسالت کے تمام فرائض کاملاً نبھائے ۔ ادائیگی ذمہ داری کا حق ادا کر دیا ۔ امت کو کامل تعلیم سے نوازا ۔ اور راہِ خدا میں وصال تک جد وجہد فرمائی ۔"

افتتاحیہ کلمات

افتتاحی کلمات مع ترجمہ ملاحظہ ہوں :-

علموا اولادکم ان النبی محمدا صلی اللہ علیہ وسلم صفوۃ المصطفین واول النبیین و خاتم المرسلین۔

(اولاد کو تعلیم دو کہ ہمارے آقا سب سے اعلیٰ، پہلے اور آخری نبی ہیں)

علموھم انہ صلی اللہ علیہ وسلم دعوۃ ابراھیم و بشارات موسی و عیسی و امام النبیین

(ان کو بتاؤ کہ آپ حضرت ابراہیم کی دعا اور حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام کی بشارات ہیں اور آپ سید الانبیاء ہیں)

علموھم ان اللہ اقسم بحیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم دون احد من الانبیاء و ان اللہ فضلہ فی الخطاب علی جمیع الانبیاء والمرسلین

(ان کو یہ بھی بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء میں سے صرف آپ کی زندگی کی قسم اٹھائی ہے اور آپ کو تمام مرسلین سے خطاب کے لحاظ سے فضیلت دی)

اغرسوا فی قلوبہم محبتہ صلی اللہ علیہ وسلم و محبۃ آل بیتہ الطاہرین الطیبین و ذکروھم بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم من احبنی فقد احب اللہ و من اطاعنی فقد اطاع اللہ۔

(ان کے دلوں میں حضور کی محبت، آپ کی آل کی محبت کا پودا کاشت کرو اور انہیں آپ کا یہ فرمان یاد دلاتے رہو "جس نے میرے ساتھ محبت کی اس نے اللہ سے محبت کی اور جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی)

قولوا لہم ان المؤمن لا یصدق	(ان کے سامنے یہ بات بھی رکھو کہ
ولا یذوق حلاوۃ الایمان	مومن اس وقت تک اپنے ایمان کی
حتی یکون اللہ ورسولہ	مٹھاس نہیں پا سکتا جب تک اللہ
احب الیہ مما سواھما۔	اور اس کا رسول ماسوا سے زیادہ محبوب
(علموا اولادکم ۱۱، ۱۲)	نہ ہو جائیں)

کتاب کا اردو ترجمہ

کتاب کی انفرادیت اور افادیت و اہمیت کے پیشِ نظر ضرورت اس بات کی تھی کہ اس کا اردو ترجمہ کیا جائے اور عالمِ عرب میں ہونے والی اس منفرد اور بے نظیر کاوش کا فیض اہلِ برصغیر تک پہنچایا جائے۔ رب العزت نے اس ضرورت کی تکمیل کی سعادت ڈاکٹر محمد مبارز ملک کو عطا کی۔ موصوف پنجاب یونیورسٹی میں شعبہ عربی کے استاذ ہیں، قدیم و جدید عربی کے ماہر ہیں۔ یاد رہے کہ یہ ان کی ابتدائی کوشش ہے۔

ہمدردِ اہلسنت مولانا الحاج لطیف احمد چشتی مدظلہٗ

اہلِ محبت کی ان علمی کاوشوں کو عوام تک پہنچانے میں سب سے بڑھکر جس شخصیت نے تعاون کیا وہ ہمدردِ اہلِ سنت مولانا الحاج لطیف احمد چشتی ہیں۔ اس سے پہلے ان تین کتب کے تراجم بھی موصوف ہی کی کوشش سے شائع ہوئے:

۱۔ شفاء الفؤاد بزیارۃ خیر العباد از شیخ محمد علوی مالکی کا ترجمہ "درِ رسول کی حاضری"۔

۲۔ الذخائر المحمدیہ از شیخ محمد علوی مالکی کا ترجمہ "ذخائرِ محمدیہ"۔

٣۔ بابی انت وامی یا رسول اللہ از ڈاکٹر محمد عبدہ یمانی کا ترجمہ

"کروں تیرے نام پہ جاں فدا"

جب یہ کتاب "کروں تیرے نام پہ جاں فدا" چشتی صاحب کے عزیز الحاج عبدالمجید کٹاریہ چیئرمین تاجران فیصل آباد کے تعاون سے شائع ہوئی تو احقر نے اس کی تقدیم میں یہ اطلاع دی کہ ڈاکٹر محمد عبدہ یمانی کی ایک اور کتاب "علموا اولادکم محبۃ رسول اللہ" کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے اور کسی صاحب محبت و ثروت کا منتظر ہے۔ محترم چشتی صاحب نے جب یہ پڑھا تو حسب سابق اس کی طباعت کے لیے بھی کوشاں ہوئے۔ اس کا قرعہ سعادت انہی کے ایک عزیز الحاج محمد جمیل چشتی کے حصے آیا۔ کاش دیگر افراد اہل سنت کو بھی اس بات کا احساس ہو اور اس اہم کام کو اپنی ذمہ داری سمجھیں ———— !

اہلِ محبت کے لئے عظیم خوشخبری

چند دن پیشتر اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے اویس وقت خواجہ گوہر الدین رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ جلیندر شریف ضلع گجرات کی عظیم لائبریری سے مصر کے مشہور ادیب اور مصنف شیخ احمد بن محمد المقری المتوفی ۱۰۴۱ھ کی ۴۱۹ صفحات پر مشتمل تصنیف "فتح المتعال فی مدح النعال" دستیاب ہوئی ہے۔ اس کا ترجمہ "فضائل نعلین رسول" کے نام سے احقر اور علامہ محمد عباس رضوی گوجرانوالہ کر رہے ہے۔ اس موضوع پر اتنی ضخیم اور بلند پایہ کتاب نہیں لکھی گئی

ہم خواجہ گوہر الدین رحمہ اللہ کے پوتے خواجہ محمد یوسف گوہر اور محترم قاری محمد شاہد جمیل پکا گڑھا سیالکوٹ کے شکر گزار ہیں جنہوں نے اتنی عظیم کتاب فراہم کی۔ قابل داد ہیں محترم الحاج محمد طفیل مدنی بھٹی صاحب جنہوں نے اطلاع پاتے ہیں اس کی طباعت کا

انتظام کر دیا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے وہ ہم سب کو اپنے پیارے حبیب کے وسیلہ سے دنیا و آخرت میں نعلینِ رسول کے مبارک سایہ میں رکھے۔ آمین بجاہ سید المرسلین!

محمد خان قادری

عالمی دعوتِ اسلامیہ

جامع رضائیہ شادمان، لاہور!

١٦ رمضان المبارک ١٤١٤ھ

٢٧ فروری ١٩٩٤ء بروز اتوار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر ابراہیم محمد ابراہیم جامعہ الازہر مصر

تقریظ

جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم باوجود ایک انسان ہونے کے دیگر لوگوں کی طرح ایک عام انسان نہیں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت میں ایک خاص قسم کی کشش پائی جاتی تھی جو دوست دشمن سب کو اپنی طرف کھینچ لیتی تھی۔ مشرکین بھی اسی طرح آپکی فضیلت کے قائل تھے جیسے مومنین۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ وہ سارے کے سارے آپ کو آپ کی بعثت سے پہلے الصادق الامین کہہ کر پکارتے تھے؟

بے شک جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آخری دین لے کر آئے اور دنیا اور آخرت کی زندگیوں کے لیے ہمارے واسطے ایک صحیح راستہ متعین فرمایا۔ انسانیت کو کفر و شرک کے گھٹاٹوپ اندھیروں سے چمکنے والے نور ایمان کی طرف، بندوں کے ظلم سے رب الارباب کے عدل کی طرف اور مخلوق کی عبادت سے ایک خالق واحد کی عبادت کی طرف نکالا۔

ہمیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ترقی پذیر اور عظیم تہذیب و تمدن والی امت بنادیا۔ بلاشبہ تہذیب اسلامی اوراق تاریخ میں ہمیشہ ایک عظیم تہذیب رہی جس نے ہمارے سروں کو اونچا کر دیا ہماری گردنیں بلند رکھیں اور ایک وقت ہم نے سارے عالم پر حکومت کی۔ اگرچہ اس کے بعد ہم نے بہت کچھ کھو دیا۔ مگر یہ تھوڑے سے وقت کے لیے ہے۔ انشاء اللہ اس کے بعد یہ خشکی چھٹ جائے گی اور از سر نو

مسلمانوں کا ستارہ اسی طرح چمکے گا جس طرح پہلے چمکتا تھا۔

جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انسانیت کو امن و امان اور سکون و طمانیت سے ہمکنار کیا اور اپنے پیروکاروں کے دلوں میں مادہ، روح، خاک و نور اور دین و دنیا کے درمیان صحیح توازن قائم کرنے کا شعور اجاگر کیا۔ مگر شومئی قسمت سے اب یہ توازن ہم کھو بیٹھے ہیں۔ نتیجتاً مادیت، ظلمت اور دنیا داری کا پلڑا بھاری ہوگیا۔

جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس ہدایت اور نور مبین لے کر آئے۔ لہٰذا جناب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ایمان کا ایک ایسا حصّہ ہے جو اس سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ اسی لیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

۱۔ لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ من نفسہ و ولدہ والناس اجمعین۔

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اس کی اپنی جان، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہوں"۔

۲۔ ثلاث من کن فیہ وجد حلاوۃ الایمان فی قلبہ: ان یکون اللہ و رسولہ احب الیہ مما سواھا۔

"جس میں تین چیزیں پائی جائیں اس نے گویا ایمان کی مٹھاس چکھ لی۔ اور اپنے دل میں اسے محسوس کرلیا۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ان کے ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں۔

بے شک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت مؤمنین کے دلوں پر چھاچکی ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں طوفان بپا ہوگیا ہے اور جب یہ غلبۂ محبت اور اس کی طوفانی کیفیت اپنے عروج پر تھی تو اس وقت مسلمانوں نے ساری دنیا پر حکومت کی اور جب سے یہ محبت مدھم پڑگئی اور سکڑ گئی تو ہم نے

ہر چیز کو کھو دیا۔ دشمنوں اور دوستوں کی نظروں میں ہماری ہیبت ختم ہو گئی۔
اور جس دن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ہم سچے اور مخلص ثابت ہوں گے تو اس وقت یہ مجد و شرافت دوبارہ ہمیں مل جائے گی۔ اور دنیا ذلیل ہو کر ہمارے قدموں میں آگرے گی۔

یہ کیسے ہوگا؟ اور ہم اسے کیسے پا سکتے ہیں!

اس کے بارے میں ہم محمد عبدہ کی اس بیش قیمت کتاب "علموا اولادکم محبۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" میں پڑھتے ہیں اور جس کا ترجمہ محمد مبارز ملک نے اُردو قارئین کیلئے اُردو زبان میں کیا ہے۔ اس عمل عظیم میں زبردست کوشش کرنے پر اللہ تعالیٰ انہیں بہتر جزا دے، اب اُردو دانوں پر بھی اس کے موتی نچھاور ہو رہے ہیں اور سبھی ان سے اپنا دامن بھر رہے ہیں۔

میرا یقین ہے کہ اس ترجمہ کا جمال اور اس کی حُسن و خُوبی مترجم کی جناب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سچی محبت کی آئینہ دار ہے۔ مترجم مذکور کے ساتھ مجھے بھی اس ترجمہ کو پڑھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ میں نے اُن کے علم، نیز سرور کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے اُن کی آباد روح سے بہت حد تک استفادہ کیا ہے۔

میں اللہ تعالیٰ کے حضور دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ہر پڑھنے والے کے لیے نفع مند بنائے۔ ہماری خطاؤں کو معاف فرمائے اور روزِ قیامت ہماری نیکیوں کے پلڑے میں اسے مترجم صورت میں رکھ دے۔ آمین!

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

ابراہیم محمد ابراہیم

كلية اللغات والترجمة

جامعة الأزهر الشريف مصر

۸ اگست ۱۹۹۳ء

اِرشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

أَدِّبُوا أَوْلَادَكُمْ عَلَىٰ ثَلَاثِ خِصَالٍ

حُبِّ نَبِيِّكُمْ وَ حُبِّ أَهْلِ بَيْتِهِ وَ

قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ

الحدیث

ترجمہ : اپنی اولاد کو تین چیزیں سکھاؤ، اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت، اہل بیت علیہم السلام کی محبت اور قرآن کا پڑھنا: (الجامع الصغیر ۱/۱۴)

الدكتور محمد عبده يماني

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اپنی اولاد کو سکھاؤ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام منتخب شخصیات میں سے برگزیدہ ہیں۔ تمام نبیوں میں سے پہلے نبی اور تمام رسولوں میں سے آخری رسول ہیں۔

انہیں سکھاؤ کہ آپ اعلان نبوت سے پہلے الصادق الامین تھے اور اس کے بعد ایک ایسی رحمت ہیں جو سارے جہانوں کو بطور ہدیہ عطا کی گئی ہے۔

انہیں بتاؤ کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا' حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی خوشخبری اور تمام انبیاء کے امام ہیں۔

انہیں سکھایئے کہ آپ رسالت پر ایمان لانے والی وہ سب سے بہتر شخصیت ہیں جس نے امانت ادا کرنے کا حق ادا کر دیا' امت کی خیر خواہی کی اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا۔ حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا۔

انہیں سکھایئے کہ آپ مومنین کی جانوں کی نسبت بھی ان سے زیادہ قرب رکھتے ہیں اور آپ وہ نبی ہیں کہ جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام سے عہد لیا۔ انہیں اس سے روشناس کرایئے کہ آپ ایسے انسان ہیں جن کی طرف وحی آتی تھی اور آپ ہر اس شخص کے لیے کامل نمونہ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کی امید رکھتا ہو اور اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کرنے والا ہو۔ انہیں سکھایئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زندگی کی قسم کھائی ہے حالانکہ دیگر انبیاء علیہم السلام میں سے کسی کی زندگی کی قسم نہیں کھائی۔ نیز خطاب کے لحاظ سے آپ کو تمام انبیاء و مرسلین پر فضیلت بخشی ہے۔ (یعنی باقی انبیاء کا نام لے کر انہیں پکارا مگر آپ کو یا ایھا النبی' یا ایھا الرسول جیسے خطابات سے نوازا)۔

ان کے دلوں میں آپ کی محبت اور آپ کے طیب و طاہر اہل بیت کی محبت کا بیج بو دو اور ان کو آپ کا یہ ارشاد مبارک یاد کراؤ کہ "جس نے مجھ سے محبت کی اس نے اللہ تعالیٰ سے محبت کی اور جس نے میری اطاعت کی اس نے فی الحقیقت اللہ

تعالیٰ کی اطاعت کی۔ انہیں بتاؤ کہ ایک مومن اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا اور نہ ہی ایمان کی حلاوت پا سکتا ہے جب تک اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اسے ان کے ماسوا سے زیادہ پیارے نہ ہو جائیں۔

یہ جو کتابچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (اللہ تعالیٰ آپ پر، آپ کی اولاد اور آپ کے اصحاب سب پر بے شمار درود نازل فرمائے) کی سیرت طیبہ کے متعلق ہے مجھے میں نے ابتداء میں الگ الگ مقالات کی شکل میں شائع کیا تھا، پھر ان تمام کو کتابی صورت میں جمع کیا تاکہ حفاظ و طلباء اس مختصر، جامع اور اعلیٰ و اشرف سیرت کے بیان میں ہمارا بھی ایک حقیر سا حصہ ہو جائے۔ امید ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے پڑھنے والوں کو نفع دے گا۔

ہمارا بنیادی مقصد یہ تھا کہ تمام والدین اور گھر والوں کو اس بات کی طرف متوجہ کروں کہ وہ نئی مسلمان نسل کا سیرت مصطفی علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ تعلق جوڑیں، تاکہ یہ سیرت مبارکہ ان کے لیے ایک ایسی مشعل راہ ہو جو ان کا راستہ ان کے سامنے واضح کر دے، ایک ایسا دستور حیات بن جائے جس پر وہ اپنی منازل حیات اور اس کے مشکل راستوں کو طے کرتے ہوئے چلیں، اور جس قدر اس کی طرف راہ پائیں اپنے تمام اعمال و اقوال میں اس کی پابندی کریں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالاتفاق انسانیت کے لیے نمونہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" اور رسول کریم اور نبی عظیم کے حکم "علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی عضوا علیھا بالنواجذ" کے مطابق آپ اس امت کے لیے ہمیشہ ہمیشہ ایک اعلیٰ اور عمدہ نمونہ ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس زمین اور اس کے رہنے والوں کو ختم کر دے۔

لہٰذا ہمارے فرائض میں سے ہے کہ ہم اپنی اولاد کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، ان کی پاکیزہ آل کی محبت اور آپ کے صحابہ

اور مخلص صحابہ کی محبت کا درس دیں۔ اے اللہ ہمیں آپ کی محبت عطا فرما اور ہمیں ان کی محبت اور ان محبت کرنے والوں کی محبت سے نواز اور ہمیں نبی کریم کی محبت میں ہمیشہ رکھ' تاکہ ہم آپ کی شفاعت سے بہرہ ور ہوں اور آپ کے مقدس اور مبارک ہاتھوں سے آپ کے حوض سے سیراب ہوں۔ اے رب العالمین ہمیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم زیارت کا شرف حاصل ہو تو آپ ہم سے راضی ہوں۔

ارباب عقل و دانش کی جو یہ رائے ہے کہ ہمیں نوجوانوں کو بیدار کرنے' ان کی توجہ اسلام کی عظمت اور مسلم امت کی تاریخ کی طرف دلانے اور ان کے اندر اخلاقی اقدار کو رائج کرنے کے لئے بڑے بڑے تاریخی واقعات سے استفادہ کرنا چاہیئے تو یہ سارا کچھ ان کی آنکھوں کے سامنے ان کی عظمتوں کا نقشہ کھینچ کر ہونا چاہیے اور لوگوں کی یہ رائے بھی ہے کہ نوجوانوں کو تہذیب یافتہ بنانے' ان کے احساسات و جذبات کو بلند کرنے اور ان کے سامنے بلند پایہ نمونہ پیش کرنے کے لیے سیرت محمد علی صاحبہا السلام کا مطالعہ کرایا جائے۔ آپ کے مناقب' صفات' اخلاق اور مختلف طرز ہائے عمل کو سمجھ اور اس اعتبار سے کہ آپ مخلوق کے سردار اور اخلاقیات میں صاحب عظمت و کمال ہیں اس لئے آپ کی حیات شریفہ کا بیان نہایت ہی غنیمت ہے۔ ان دنوں ایک بہت ہی عزت و عظمت والی گھڑی ہمارے سروں پر سایہ فگن ہے شاید ایک عظیم و عظیم تاریخ کا تصور ذہن میں خیال کیا جاتا ہے۔ یہ گھڑی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کی یاد ہے۔ بلند پایہ اسلامی عظمت جس کی عمارت نبی کریم نے کھڑی کی' یہ اس کی صبح طلوع ہے۔

یہ ربیع الاول کا وہ مہینہ ہے جو خنداں اور تاباں اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ ہم پر جلوہ فگن ہوا ہے' جو اپنی پاکیزہ ترین مشک کے ساتھ ہمارے جسم و جان اور اپنی محبوب ترین خوشبو کے ساتھ آفاق عالم کو مہکا دیتا ہے اور دنیا کے ہر ہر گوشے کے مسلمان جو خنداں و فرحاں اس کے استقبال میں مگن ہیں' سعادت مندی سے اپنا دامن مالامال کر رہے ہیں اور اسے پوری توجہ اور بڑے اہتمام سے منا رہے ہیں۔

ٹھہر ٹھہر کر، جھوم جھوم کر اپنی مٹھاس بھری آوازوں میں تلاوت کلام پاک میں مشغول ہیں۔ سیرت طیبہ کا تذکرہ کر رہے ہیں اور شخصیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے گوناگوں پہلوؤں کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں اور اس سوچ و بچار میں ہیں کہ کیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو شرک کی تاریکیوں اور بت پرستی کی ظلمتوں سے نکالا اور کیسے انھیں عزت و کرامت سے ہمکنار کیا اور یہ ذکر کر رہے ہیں کہ کیسے آپ کی تشریف آوری کے سبب خوشی کی وجہ سے آسمان و زمین کا چہرہ دمک اٹھا اور اس کا خلق نے کس اہتمام سے استقبال کیا۔ چنانچہ اسی کی ترجمانی کرتے ہوئے شوقی "الهمزیۃ النبویۃ" میں کہتے ہیں:

ولد الهدی فالکائنات ضیاء و فم الزمان تبسم و ثناء

و الروح و الملأ الملائک حوله للدین و الدنیا بها بشراء

و العرش یزهو و الحظیرة تزدهی و المنتهی و السدرة العصماء

"مجسمہ ہدایت کی ولادت ہوئی اور کائنات روشن ہو گئی، زمانے کا دہن سراپا مسکراہٹ اور مدح سرا بن گیا۔ جبرائیل علیہ السلام اور معزز فرشتے آپ کے اردگرد ہیں اور آپ کی تشریف آوری پر وہ دین و دنیا کو خوشخبری سنا رہے ہیں۔ عرش مہک اٹھا اور اس کی رنگت نکھر آئی۔ مقام منتہی اور سدرہ سب اترا رہے ہیں"

یہ گھڑی سعادتوں سے لبریز ہے جس سے نور چھلک رہا ہے اور یہ موزوں وقت ہے کہ جس میں ہم سیرت پاک کا مطالعہ کریں۔ اس کے واقعات کو سمجھیں اور جن اسباق اور پند و موعظت پر یہ مشتمل ہیں ان کو یاد کریں۔ ہمارا یہ عمل ان قوی تر اسباب سے ہے جو ہماری اولاد کو عظمت رسول اور صدق و ایمان کے ساتھ منور اور جلیل اعمال اور عظیم قربانیوں کے ساتھ روشن اور حزین زندگی کی بیش بہا دولت کا شعور دلاتے ہیں اور ان کے دلوں کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، آپ کی تعظیم و توقیر کے ساتھ معمور کرتے ہیں اور یہی عمل اپنی جگہ ان قوی ترین

اسباب میں سے ایک ہے جو انہیں شریعت کے ساتھ محبت پر آمادہ کرتے ہیں۔ نتیجۃً وہ تعظیم کرنے لگ جاتے ہیں اور اس کے موافق عمل کرنے پر پوری توجہ دیتے ہیں۔

کاش ہم ہر سال اس گھڑی کو غنیمت جانیں اور اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو جمع کر کے ان کے ہمراہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کریں اور آپ کے عمدہ اور بلند پایہ اخلاق' آپ کی کامل اور اکمل عادات و خصائل اور جن صفات اور خوبیوں سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا ہے اور جو درجات و کمالات عطا کر کے اور احسانات کر کے آپ کو تمام انبیاء علیہ السلام سے ممتاز فرمایا ہے ان سے انہیں روشناس کروائیں اور یہ بھی بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو کیسے آپ کا خلق بنایا ہے؟ اور اس میں اپنے اس فرمان کے ساتھ کس طرح آپ کی تعریف فرمائی ہے۔ "وانک لعلی خلق عظیم (بلاشبہ آپ خلق عظیم کے مالک ہیں)

یہ کوئی ضروری نہیں کہ ربیع الاول میں محافل کا انعقاد آپ کے یوم پیدائش کو ہی کیا جائے بلکہ ماہ ربیع الاول کے کوئی سے دن یا سال کے کسی دن کو مخصوص کر لیا جائے جس کا نام "سیرت نبویہ کا دن" رکھ لیا جائے اور یہ محض اس لیے کہ ہماری اولاد کا سیرت نبویہ کے ساتھ ایک گونہ تعلق پیدا ہو جائے اور انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی اس تاریخ سے روشناس کرایا جائے کہ جس دن آپ نے اپنی والدہ ماجدہ کے بطن میں قرار پایا اس دن سے لے کر والدہ کے جنم دینے کے دن تک' اس دن جس دن آپ اپنے ہاتھ ٹیکتے ہوئے سجدہ کرنے والوں کی طرح زمین پر جلوہ افروز ہوئے اور آپ کے اردگرد سارا گھر بقعہ نور بن گیا اور حسن و جمال نے آپ کو ڈھانپ لیا۔ ان حالات کے بارے میں بتایا جائے کہ جب آپ قبیلہ بنی سعد کے بیابان میں دودھ پیتے بچے تھے' جہاں آپ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا جب کہ آپ نے والدین سے جدائی اور ان سے محرومی کی سختی جھیلی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابتدائے جوانی سے ہی دامن اور پاک باز تھے' نہ تو بتوں کو سجدہ کرتے اور نہ ہی لہو و لعب کی مجلسوں میں شامل ہوتے۔ پھر قریش کا اعلیٰ اخلاقی خوبیوں میں آپ کے منفرد و یکتا ہونے کا اقرار

اور ان کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو الصادق الامین کہہ کر پکارنا اور جب آپ حضرت خدیجہ کا سامان تجارت لے کر گھر سے روانہ ہوئے تو جو واقعات آپ کو پیش آئے اور وہ معجزات جو میسرۃ اور دیگر لوگوں نے راستے میں آتے جاتے دیکھے اور بازار میں تاجروں کے ساتھ آپ کے تجارتی معاملات کی کیفیت، پھر قریش کی عورتوں کی سردار حضرت خدیجہ سے آپ کی شادی، وہ خدیجہ جنھوں نے آپ کو پسند کیا اور آپ کو سرداران مکہ پر ترجیح دی

پھر آپ کا ایک ایسے ماحول میں بیٹیاں جننا جو ماحول بیٹیوں سے نفرت رکھتا تھا اور ان کو زندہ درگور کر دیتا تھا اور یہ کہ کیسے آپ نے چاروں صاحبزادیوں کی ولادت پر ویسی ہی مہربانی، توجہ اور فراخ دلی اور خوشی کا اظہار کیا، جس توجہ اور خوش دلی کا اظہار اپنے چاروں صاحبزادوں، قاسم، عبداللہ، طاہر اور طیب کی پیدائش پر کیا۔ مذکورہ بالا سارے حقائق نے قریش اور ان کی اس بت پرستی پر جو سرکشی، گمراہی اور شرک میں رچی بسی تھی اثر کیا۔ پھر اس کے بعد جو کچھ کعبہ شریف کی دوبارہ تعمیر کے وقت حجر اسود کو بیت اللہ میں اپنی جگہ نصب کرتے وقت ہوا اس مسئلہ میں قریش قبائل کے درمیان اختلاف پیدا ہوا، پھر قبائل کا یہ معاملہ اس نوبت تک پہنچا کہ انہوں نے اپنی تلواریں میان سے نکال لیں اور ایک دوسرے کو قتل کرنے پر تیار ہو گئے۔ انہیں اس تنازعہ سے نجات الصادق الامین کی حکمت، حسن مشاورت اور اصابت رائے کے صدقے ملی۔

ضروری ہے کہ ہماری اولاد انوار و عظمت سے منور زندگی کے اس پہلو کو پہچانے۔ یہ وہی پہلو ہے جو آپ کے اعلان نبوت سے پہلے جاہلیت کے دور میں تھا اور جو بعد از بعثت آپ کی زندگی کے دوسرے پہلوؤں کے مطالعہ کے لیے تمہید کی حیثیت رکھتا ہے۔ ابتداء آپ کی گوشہ نشینی، تقویٰ اور غار حرا میں عبادت گزاری سے ہونی چاہیے۔ اس وقت آپ کا، آپ کی زوجہ کا، آپ کی اولاد کا اور آپ کے گھر والوں کا کیا حال تھا؟ پھر اولاد کو اس وقت کی بھی پہچان کروائی جائے جس وقت آپ مبعوث کیے گئے کہ کس طرح جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر آپ کے پاس آئے

اور آپ سے کہا "اقرأ" پھر وہ یہی کلمے دہراتے ہوئے آپ سے کہتے ہیں "اقرأ باسم ربک الذی خلق" (پڑھیئے اپنے اس رب کے نام سے جس نے آپ کو پیدا کیا)

چنانچہ ہماری اولاد اس لئے از خود یہ نتیجہ اخذ کرلے گی کہ ان کا دین دین علم و معرفت ہے اور منصب رسالت کی کلمہ اقرأ کے ساتھ ابتداء کا مطلب علم کو دین کے ساتھ جوڑنا اور اس حقیقت کی وضاحت کرنا ہے کہ علم اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی معرفت کی بنیاد ہے اور بلاشبہ یہی معرفت تمام معرفتوں کی اصل ہے اور یہی ایمان کو تقویت دیتی ہے اور اسے دلوں میں راسخ بناتی ہے اور یہی وہ معرفت ہے جس کے صدقے مسلمان زندگی کے مختلف میدانوں میں کارہائے نمایاں سرانجام دیتے ہیں اور ضروری ہے کہ ہماری اولاد یہ پہچان لے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام میں مختار و ممتاز ہیں اور تمام رسولوں میں سے آخری رسول ہیں۔ چاہیئے کہ ہماری اولاد قرآنی آیات' احادیث شریف اور جو کچھ محدثین اور راویان نے آپ سے نقل کیا ہے' اس کو بغور سنیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا:

انہ کان نورا بین یدی اللہ تعالی قبل ان یخلق ادم بالفی عام یسبح ذلک النور و تسبح الملا نکتہ بتسبحہ

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار برس پہلے خدا تعالیٰ کے حضور نور کی حیثیت سے موجود تھے اور وہ نور اللہ تعالیٰ تسبیح کرتا تھا اور اس کی تسبیح کے ساتھ ساتھ فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے تھے"۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو اس نور کو ان کی پشت میں رکھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آدم علیہ السلام کی پشت میں زمین پر اتارا۔ اس کے بعد مجھے حضرت نوح علیہ السلام کی

پشت میں منتقل کر دیا۔ بعد ازاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پشت میں۔ چنانچہ اس طرح مجھے باعزت صلبوں اور پاک رحموں میں منتقل کرتے رہے۔ جہاں تک کہ مجھے ایسے ماں باپ نے جنا جو کبھی زنا پر جمع نہیں ہوئے تھے۔ امام مسلم نے روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے کنانہ کو چن لیا اور کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے مجھے منتخب فرمایا۔

اور ہماری اولاد کو یہ بھی جاننا چاہیے کہ کل سیر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو سخاوت، بزرگی، حسن خلق، شجاعت میں سبقت لے جانے میں ممتاز تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اعمال کی حقیقت اور خاص نسب کی بنیاد پر بہترین لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔

تاکہ ہماری اولاد کے دلوں میں آپ کا بلند نسب ہونا، اصل کے لحاظ سے معزز و مکرم ہونا اور خاندان کے لحاظ سے اعلیٰ مرتبت ہونا راسخ ہو جائے۔ آپ کا ارشاد "فلم ازل خیارا من خیار" (میں بہتر سے بہتر خاندان میں رہا ہوں) حق اور سچ ہے۔

چنانچہ ہماری اولاد کو چاہیے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کے نام یاد کریں، آپ کا شجرہ نسب اس طرح ہے:

"محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک ابن النضر بن کنانہ ابن خزیمہ ابن مدرکہ ابن الیاس ابن مضر ابن معد ابن عدنان اولاد اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام"

اور آپ کی والدہ ماجدہ بنی زہرہ کی ایک معزز خاتون آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر ہیں۔ اس حیثیت سے آپ کو وہ بلند پایہ اور کریم الاصل نسب ملا جو آپ سے پہلے یا آپ کے

بعد کسی کے حصہ میں نہیں آیا۔

ابو سلمیٰ نے حضرت ابو ہریرہ سے یوں روایت کی ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے لیے نبوت کب ثابت ہوئی۔ فرمایا اس وقت جب آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اور نبیوں میں سے آخری نبی ہوں اور اس وقت سے نبی لکھا گیا ہوں جب ابھی حضرت آدم علیہ السلام اپنی مٹی میں تھے اور ان کا خمیر بھی نہیں بنا تھا اور میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں اور حضرت عیسیٰ بن مریم کی بشارت ہوں۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

"آپ کی نبوت پہل کر گئی اور حضرت آدم ابھی مٹی تھے آپ کو تمام لوگوں پر بلندی حاصل ہے پاک ہے وہ ذات جس نے ایسی فضیلتوں کے ساتھ آپ کو نوازا جس کا اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا)

جب ہماری اولاد یہ سوال کرے کہ آپ کب سے سچائی اور امانت کے ساتھ مشہور ہوئے تو ہم ان کو جواب دیں گے کہ جب سے آپ نے شباب میں قدم رکھا آپ الصادق الامین مشہور ہوئے اور ہمیشہ ایسے ہی رہے۔ حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا اور ایسے ہی آپ امانت داری اور پاکیزگی میں بھی جانے پہچانے تھے۔ ان کے لیے اتنا پہچان لینا کافی ہے کہ قریش سارے کے سارے آپ کی صداقت امانت اور پاکیزگی پر متفق تھے اور قریش نے ہی آپ کا لقب الصادق الامین رکھا تھا۔

ہماری اولاد کے لیے یہ جاننا بھی لازمی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حقیقی اور عملی طور پر ایک ایسی رحمت ہیں جو سارے جہانوں کو بطور تحفہ ملی ہے اور اس کے ثبوت کے لیے انہیں درج ذیل آیات سنائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ سے یوں فرماتا ہے:

وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین

"ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر"

اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ کی قوم سے یوں خطاب فرماتا ہے: "بے شک تمہارے پاس تم میں سے وہ رسول تشریف لائے جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں گزرتا ہے تمہاری بھلائی کے بے حد چاہنے والے ہیں۔ مسلمانوں پر کمال مہربان پھر اگر وہ منہ پھریں تو تم فرمادو کہ مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے۔ اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں، میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ بڑے عرش کا مالک ہے" اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ میں سے ایک نام "نبی الرحمۃ" اور "رسول الرحمۃ" بھی ہے۔

اور آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کامل ہدیہ اور سراپا رحمت ہیں۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **انما انا رحمۃ مھداۃ** (میں ہی بطور ہدیہ دی گئی سراپا رحمت ہوں) شیخ ابوزہرہ اپنی کتاب "خاتم النبیین" میں لکھتے ہیں کہ آپؐ کی رحمت عامہ ساری مخلوق کے لیے تھی۔ چنانچہ جب بعض صحابہ کرام نے آپ سے عرض کیا: "یارسول اللہ! آپ نے بہت زیادہ رحمت کا ذکر فرمایا اور ہم بھی اپنی بیویوں اور اولاد پر رحم کرتے ہیں" تو آپ نے فرمایا: "میں صرف اسی قدر نہیں چاہتا بلکہ میں تو ساری مخلوقات کے ساتھ رحمت کا برتاؤ چاہتا ہوں" یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اپنے بیٹوں کے سامنے واضح کریں کہ آپ بیمار دلوں کا کس طرح رحمت کے ساتھ علاج فرماتے تھے اور جو ان میں سے بھگوڑے ہوتے ان کے ساتھ کیسے شفقت و الفت کا برتاؤ فرماتے۔ اس کی تائید میں ہم چند واقعات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

رحمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی چند جھلکیاں

ایک اعرابی بارگاہ رسالت میں مانگنے آیا۔ آپ نے اس کا دامن مراد بھر دیا اور پھر اس سے پوچھا کہ کیا میں نے تیرے ساتھ بھلائی کی ہے؟ اعرابی نے جواب دیا آپ نے اچھا معاملہ نہیں کیا۔ اس وقت جو مسلمان وہاں موجود تھے، اس کی یہ بات سن کر غضبناک ہو گئے اور بدو کی طرف بڑھے مگر آپؐ نے انہیں رک جانے کا حکم دیا۔ اس

کے بعد آپ اٹھے' اپنے کاشانۂ مبارک میں داخل ہوئے۔ بدو کو بلا بھیجا اور پہلے کی نسبت اسے زیادہ مال عطا کیا۔ پھر اس سے پوچھا کیا میں نے تیرے ساتھ بھلائی کی ہے؟ بولا ہاں' بے شک۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے اہل و عیال اور خاندان والوں کی طرف سے اچھا بدلہ دے تو آپ نے اعرابی سے فرمایا تو نے جو کہا ہے سو کہا ہے مگر میرے صحابہ کے دلوں میں اس بارے میں غلش پائی جاتی ہے اگر تو چاہے تو ان کے سامنے بھی وہی کچھ کہہ دے جو میرے سامنے اب کہہ رہا ہے تاکہ تیرے خلاف جو ان کے دلوں میں ہے اس کا ازالہ ہو جائے۔ بدو نے عرض کیا' سرکار! میں ایسا کرنے کے لیے تیار ہوں۔ جب دوسرے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے اور صحابہ سے فرمایا اس بدو نے جو کہا سو کہا مگر ہم نے اسے زیادہ مال دیا ہے۔ اب وہ راضی ہو چکا ہے۔ چنانچہ بدو نے وہی کلمات صحابہ کرام کے سامنے دہرا دیے جو حضور علیہ السلام کے سامنے کہے تھے۔ اس پر جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اور اس آدمی کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کی ایک اونٹنی ہو اور وہ اس سے بھاگ گئی ہو۔ لوگوں نے اس کو پکڑنے کے لیے اس کا پیچھا کیا مگر اس سے وہ اور بدک گئی۔ اس منظر کو دیکھ کر اونٹنی کے مالک نے کہا لوگو مجھے اور میری اونٹنی کو چھوڑ دو میں تمہاری بہ نسبت اس سے زیادہ نرمی کرنے والا ہوں اور اس کو زیادہ جانتا ہوں۔ چنانچہ وہ اس کی طرف متوجہ ہوا اور اونچی جگہ سے اسے پکڑنے اور اپنی طرف لوٹانے کی کوشش کی۔ وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو گیا۔ اونٹنی اس کے پاس آ گئی' اس نے اسے بٹھا لیا اور کجاوا کس کر سوار ہو گیا۔ فرمایا اگر میں تمہیں اجازت دے دیتا کہ جو کچھ اس نے مجھ سے کہا ہے اس بناء پر تم اسے قتل کر دیتے تو وہ جہنم میں چلا جاتا۔ ("الشفاء" جلد ا' ص ۷۲)

اسی طرح ایک لڑکی کا واقعہ ہے جو آپ کو اس حال میں ملی کہ رو رہی تھی۔ رونے کا سبب یہ تھا کہ اس کے مالک نے اسے آٹا خریدنے کے لیے جو پیسے دیے تھے وہ انہیں گم کر بیٹھی تھی۔ آپ نے آٹا خریدنے کے لیے اسے پیسے بھی دیے اور اس

کے ساتھ اس کے مالک کے پاس گئے اور بڑی نرمی اور مہربانی کے ساتھ اس سے گفتگو فرمائی جس سے متاثر ہو کر اس نے لڑکی سے نرم رویہ اختیار کیا اور اسے معاف کر دیا۔ اسی قبیل سے چھوٹوں کے ساتھ آپ کا طرز عمل اور ان پر رحمت و شفقت کے واقعات ہیں۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں ہم یہ بھی مشاہدہ کرتے ہیں کہ کیسے آپ کے نواسوں میں سے ایک نواسا جلدی سے آپ کی پشت مبارک پر سوار ہو جاتا ہے جب کہ آپ سجدہ کی حالت میں ہوتے ہیں۔ آپؐ اپنے سجدہ کو لمبا کر لیتے ہیں مگر ان کو پریشان نہیں کرتے۔ اس وقت آپ کی کیا کیفیت ہوتی تھی جب کہ آپ نماز پڑھ رہے ہوتے تھے اور کسی بچے کے رونے کی آواز آپ کے کانوں میں آتی تو آپ اپنی نماز کو مختصر کرتے ہوئے اس آواز کی طرف چل پڑتے تھے تاکہ اس بچے کے پاس بھی کوئی نہ کوئی ضرور ہونا چاہیے جو اس کے رونے کے عالم میں اس پر رحم کرنے والا ہو۔

ایک دفعہ ایک شخص یہ کہتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جہاد کی خواہش رکھتا ہوں مگر اس کی طاقت نہیں ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تیرے والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟ عرض کرتا ہے ہاں یا رسول اللہ۔ فرمایا:

فقابل اللہ فی برّھما فاذا فعلت ذالک فانت حاجٌ و معتمر و مجاہد و فی روایۃ اخری قال: "ففیھما فجاھد"

(تو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کر اس حال میں کہ تو والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا ہو پس اگر تو ایسا کرے گا تو گویا تو حج کرنے والا، عمرہ کرنے والا اور جہاد کرنے والا ہو گا)

دوسری روایت میں ہے ان دونوں میں ہی جہاد کر یعنی ان کی خدمت کر۔ آپ کی رحمت بڑھتی چلی جاتی ہے، یہاں تک کہ حیوانوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتی تھی۔ آپ کے نزدیک حیوان بھی مہربانی اور شفقت کے مستحق ہیں بلکہ اس لحاظ سے تو

وہ رحمت و شفقت کے بہت زیادہ محتاج ہیں کہ وہ نہ تو شکایت کر سکتے ہیں اور نہ ہی ان کی طرف سے دکھ درد کا اظہار ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن جعفر سے مروی ہے کہ ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے۔ وہاں ایک اونٹ موجود تھا جونہی اس نے آپ کو دیکھا تو بڑی درد بھری آواز نکالی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ جناب رسول اکرم علیہ التحیۃ والثناء اس کے پاس تشریف لائے۔ اس کی گردن پر ہاتھ پھیرا تو وہ خاموش ہو گیا۔ آپ نے اس کے مالک کو بلا کر فرمایا کیا تو اس جانور کے بارے میں خدا سے نہیں ڈرتا جس کو اللہ تعالیٰ نے تیری ملکیت میں دیا ہے اس نے مجھ سے شکایت کی ہے تو اسے بھوکا رکھتا ہے مگر ہمیشہ کام میں لگائے رکھتا ہے۔

یہ سارے واقعات اگر ہمارے بچوں کے حافظہ میں محفوظ رہ جائیں تو یقیناً ان کے دلوں میں رحمت و محبت کے جذبات پیدا کریں گے اور ان کا شمار ان رحم کرنے والوں میں سے ہو گا جن پر رحمٰن رحم کرتا ہے اور ایسے ہی ان کے دلوں میں نبی رحمت کی محبت بھی اجاگر کر دیں گے اور وہ آپ کی پیروی کریں گے اور آپ کے خصائص' خوبیوں اور کمالات سے واقفیت ہی ہماری اولاد میں محبت رسول میں اضافے کا باعث بنے گی اور اس طرح ہمارے بچے سیرت طیبہ کو مضبوطی سے تھام لیں گے۔

خصائص مصطفوی کا بیان

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں آپ کے ذکر کو اس طرح بلند کیا ہے کہ کوئی بھی خطیب' کوئی شہادت دینے والا اور کوئی پیغامبر ایسا نہیں مگر وہ اس کلمہ "اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ" کا ورد کرتا ہے اس سے بڑھ کر اور کون سی عزت افزائی اور تعظیم ہو سکتی ہے؟

قاضی عیاضؒ نے "شفا" میں فرمایا ہے کہ آپ کے خصائص اور آپ پر انعامات خداوندی میں سے جو کچھ ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کا نام لے کر یوں پکارا: یا آدمؑ، یا نوحؑ، یا ابراہیمؑ، یا موسیٰؑ، یا داؤدؑ، یا عیسیٰؑ، یا زکریاؑ، یا یحییٰؑ مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو درج ذیل خطابات سے نوازا: یا ایہا النبی، یا ایہا الرسول، یا ایہا المزمل، یا ایہا المدثر

عظیم محدث ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سوائے آپ کے کسی کی زندگی کی قسم نہیں کھائی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ ساری مخلوق سے بڑھ کر معزز و مکرم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

(الحجر:۷۲) لعمرک ؛ و معناہ و بقائک یا محمد و قیل و عیشک و قیل و حیاتک

(اے محبوب تیری عمر کی قسم یعنی اے محمد تیری بقاء کی قسم بعض نے کہا کہ تیرے زندگی بسر کرنے اور تیری حیات کی قسم)

حضرت عبداللہ بن عباس کا قول ہے:

ما خلق اللہ تبارک و تعالیٰ و ما ذرأ و ما برأ نفسا أکرم علیہ من سیدنا محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم

(اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام سے زیادہ مکرم اور عزت والا کسی جان کو پیدا نہیں فرمایا)

میثاق اللہ تعالیٰ کا آپ کے لیے تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے عہد و پیمان لینا آپ کی تعظیم کے پیش نظر تھا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتے ہیں:

و اذ أخذ اللہ میثاق النبیین لما اٰتیتکم من کتاب و حکمۃ ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ و لتنصرنہ قال ءاقررتم و أخذتم علی ذلکم اصری قالوا أقررنا قال فاشھدوا و أنا معکم من الشھدین فمن تولی بعد ذلک فاولئک ھم الفاسقون ○

(اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تمہیں کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا کیا تم نے اقرار کیا اور اس میں میرا بھاری ذمہ لیا سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں تو اس کے بعد جو اس عہد سے منہ پھیرے گا تو وہی بے حکم لوگ ہیں)

اس طرح حدیث میں ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئیں ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں ایک ماہ کے فاصلے سے رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی۔ ساری روئے زمین میرے لیے مسجد بنا دی گئی' میرے امتی پر جہاں بھی نماز کا وقت آ جائے وہ وہیں نماز ادا کرے میرے لیے غنیمتیں حلال کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں تھیں ہر نبی کسی خاص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور مجھے تمام انسانیت کی طرف مبعوث کیا گیا ہے اور مجھے حق شفاعت عطا کیا گیا ہے۔ (اس حدیث پر "بخاری" و "مسلم" کا اتفاق ہے۔ "شرح الکرمانی علی صحیح البخاری" ج ۴' ص ۷' "ام" تفسیر العیرات")

بعض راویوں نے ذکر کیا ہے کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھے جامع کلمات عطا کیے گئے ہیں نبوت و رسالت مجھ پر ختم کر دی گئی ہے اور میں تمام نبیوں میں سے آخری نبی ہوں"۔ قرآن حکیم میں ہے:

ما کان محمد ابا احد من رجالکم و لکن رسول اللہ و خاتم النبین و کان اللہ بکل شی علیما

(حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے اور اللہ تعالیٰ

سب کچھ جانتا ہے)

محدثین نے بیان کیا ہے کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"میری امت تمام امتوں سے بہتر بنائی گئی جو لوگوں کے لیے بھیجی گئی ہے"۔

ہو سکتا ہے کہ ہماری اولاد حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے اس ارشاد (انا دعوۃ ابراہیم و بشارۃ عیسی) (الطبقات ابن سعد" ۱ ؛ ۹۶) کا معنی پوچھیں تو "محفل سیرت کے دن" جس شخص نے ان سے گفتگو کرنے کا ذمہ لیا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ ان کے سامنے اس فرمان کی خوب وضاحت کرے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ انہیں سنائے اور قرآن حکیم کی یہ آیت بھی ان پر تلاوت کرے:

ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلو علیھم ایاتک و یعلمھم الکتاب و الحکمۃ و یزکیھم انک انت العزیز الحکیم (البقرۃ: ۱۲۹)

(اے ہمارے پروردگار اور بھیج ان میں ایک رسول جو انہی میں سے ہو کر ان پر تیری آیات تلاوت کرے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور انہیں خوب ستھرا فرما دے' بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے)

اس آیت کی تشریح اس روایت سے ہوتی ہے جس کو ابن جریر نے حضرت ابوالعالیۃ سے روایت کیا ہے:

"قیل لہ قد استجیب لک وھو کائن اخر الزمان"

"جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی تو ان سے فرمایا گیا تمہاری دعا قبول ہوئی اور وہ آخری زمانے میں تشریف لائیں گے"۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی نبوت کی ابتدا کیسے ہوئی تو فرمایا "میں ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں اور عیسی بن مریم علیہ السلام کی بشارت" (الطبقات ابن سعد" ۱ ؛ ۹۶)

ابن سعد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم ہوا کہ حضرت ہاجرہ کو شام سے کسی اور

طرف لے جائیں تو آپ کو براق پر سوار کیا گیا' آپ جب بھی کسی خوبصورت' نرم اور ہموار زمین سے گزرتے تو فرماتے اے جبرائیل! کیا میں اتروں تو جبرائیل جواب دیتے نہیں۔ حتیٰ کہ آپ مکہ پہنچے تو جبرائیل نے کہا:

انزل ھنا یا ابراہیم قال حیث لا ضرع و لا زرع قال نعم ھنا یخرج النبی الذی من ذریتہ ابنک الذی تتم بہ الکلمتہ العلیاء (طبقات ابن سعد ۱' ۴۷)

(اے ابراہیم یہاں اتریئے' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ایسی جگہ جہاں نہ کوئی مویشی ہے نہ کھیتی تو جبرائیل نے کہا ہاں' یہاں سے ہی وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر ہوں گے جو آپ کے بیٹے کی اولاد سے ہیں انہی کے ذریعے سے دین اسلام کی تکمیل ہوگی۔

محمد بن کعب القرظی روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت ہاجرہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر نکلیں تو ایک ملنے والا ان سے ملا اور اس نے کہا اے ہاجرہ تیرا یہ بیٹا بہت سے قبائل کا باپ ہوگا اور اس کی قوم اور نسل سے حرم کے رہنے والے ہی ہوں گے۔

ممکن ہے کہ نوجوان یہ بھی سوال کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں کے امام کیسے ہیں؟ تو ان سے معراج کی شب آپ کے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کے سفر اور وہاں بیت المقدس میں انبیاء کی امامت کروانے کا سارا واقعہ بیان کیجئے۔ بچوں کو اس حقیقت سے بھی آگاہ ہونا چاہیے کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہ بہترین ہستی ہیں جنہوں نے ایمان و امانت کا حق ادا کر دیا۔ امت کی خیر خواہی کی اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں مسلسل جہاد کیا۔ حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ یہ کیسے ہوا؟ انہیں یہ بتایئے وہ تمہاری طرف پوری توجہ دیں گے۔ تم ان سے عظیم اور رفیع القدر رسول اور عظیم الشان نبی کی بلند پایہ جدوجہد کا واقعہ بیان کرو اور ان کو یہ سارے جلیل القدر واقعات سننے کا موقع فراہم کرو۔

اس طرح وہ حضور علیہ السلام کی ان مشکلات اور تکالیف سے آگاہ ہوں گے جو آپ کو اس وقت پیش آئیں جب آپ اپنی دعوت کو ایک ایسی قوم میں پھیلا رہے تھے جن کے دلوں کو جہالت نے زنگ آلود کر دیا تھا۔ بت پرستی ان کی عقلوں پر غالب آ چکی تھی۔ جس کی بنا پر وہ بصیرت و بصارت دونوں سے محروم ہو چکے تھے۔ انہیں بتایئے کہ آپ نے اپنی دعوت کا آغاز کلمہ پاک اور اچھے وعظ کے ساتھ فرمایا اور بڑے احسن طریقے سے اپنی قوم کے ساتھ مناظرہ کیا۔

آپ نہ تو سخت گیر تھے، نہ سنگدل اور نہ ہی سرکش و متکبر بلکہ آپ میں تو مہربانی، نرمی، بردباری، صبر، تواضع، خودداری اور مردانگی کے اوصاف پائے جاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو سیدھے راستے پر لگانے کے لیے تمام ممکنہ وسائل استعمال کیے۔ تلوار صرف اس وقت اٹھائی جب آپ کو اور آپ کے پیروکاروں کو جلائے عذاب کیا گیا اور قریش کے بڑے بڑے سرداروں اور مشرکین کے ہاتھوں آپ اور آپ کے ساتھیوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے گئے۔ جنہوں نے ان کے مالوں کو لوٹا تھا، ان کے جسموں کو جلائے عذاب کیا تھا، عزتوں کو حلال ٹھہرایا تھا، عورتوں اور بچوں کو قتل کیا تھا، اور آخرکار انہیں حبشہ کی طرف ہجرت کرنے اور اپنے اہل وعیال اور اپنے وطنوں کو چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ بعد ازاں مدینہ کی طرف ہجرت ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جنگ کرنے کی اجازت دی جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں:

اُذِنَ للذین یُقاتلون بانّہم ظُلموا و اَنّ اللّٰہ علی نصرھم لَقدیر

(پروانگی عطا ہوئی انہیں جس سے کافر لڑتے ہیں اس بناء پر کہ ان پر ظلم ہوا اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قادر ہے)

جنگ کی یہ اجازت اس کے بعد ملی جب کہ قریش اپنی گمراہی میں حد درجہ کو پہنچ گئے اور اپنی مسلمان اور اسلام دشمنی اور کفر میں بہت دور چلے گئے تو آپ صلی اللہ

علیہ وسلم اپنے دین کو لے کر مکہ معظمہ سے یثرب کی طرف مہاجر فی سبیل اللہ کی حیثیت سے نکلے۔ یہ وہ یثرب ہے جو آپ کے وجود مسعود کی برکت سے مدینہ منورہ کہلانے لگا۔ وہاں جب گمراہ یہودیوں نے آپ سے دھوکا کیا اور اپنے عہدوں میں خیانت کی تو آپ نے بت پرستی کے قلعوں کو مسمار کر دیا' تلوار کے ساتھ ان کی سرزنش کی اور مدینہ منورہ کو ان سے پاک کر دیا۔ بعد ازاں وہاں ایک عظیم سلطنت کی بنیاد رکھی اور اسے ساری روئے زمین پر دین حق کو پھیلانے کا مرکز بنا دیا اور آپ دین اسلام کی اشاعت کے لیے زندگی کے آخری لمحے تک جہاد فرماتے رہے۔ حتیٰ کہ جب آپ کے وصال کا وقت آیا تو اس وقت بھی آپ بلاد روم کی طرف بھیجے جانے والے لشکر اسامہ کو تیار فرما رہے تھے۔

ہماری اولاد کے لیے اس حقیقت سے بھی آگاہی ضروری ہے کہ آپ مسلمانوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں اور اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے درج ذیل ارشاد میں بیان فرمایا ہے:

النبی اولی بالمومنین من انفسھم

(یہ نبی مومنوں کی جانوں سے بھی ان کے زیادہ قریب ہیں)

اور ہمارے بیٹوں کے لیے مذکورہ بالا آیات کے معانی کا جاننا بہت ضروری ہے اور انہیں پوری وضاحت کے ساتھ بتائیے کہ آپ انسانیت کی بھلائی کے لیے کس قدر حریص تھے اور انہیں دنیا و آخرت کے عذاب سے بچانے اور ان کی خیر خواہی کے لیے کتنی قربانی دینے والے تھے۔ انہیں یہ حدیث پڑھ کر سنائیے جس میں آپ کی قوم کے ساتھ آپ کے مبارک طرز عمل کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ ارشاد فرمایا: "میری اور تمہاری مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ جلائی ہو اور جگنوؤں اور پتنگوں نے اس میں گرنا شروع کر دیا ہو اور وہ انہیں آگ سے دور کر رہا ہو اور میں تمہیں آگ سے بچانے کے لیے تمہارے کمربند پکڑے ہوئے ہوں درآنحالیکہ تم میرے ہاتھوں سے نکل کر اس میں گرنے کی کوشش کرتے ہو"۔ ان کے سامنے وہ

تصویر پیش کیجئے جو اس کی مکمل ترجمانی کرتی ہو تاکہ نوعمر بچوں اور بچیوں کے ذہنوں میں گھر کر جائے۔ بے شک یہ ان کے لیے حفاظت و نجات کا ذریعہ ہے۔ انہیں سے اگر کوئی فساد کے گڑھے کے قریب پہنچ جائے یا ایسے گناہ کا ارادہ کرے جس پر عذاب خداوندی کا سزاوار ٹھہرے تو یہ تصویر کشی ان کے لیے مضبوط قلعے کا کام دے گی۔ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کے دلوں میں جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی پاک باز آل کی محبت کا بیج بوئیے اور انہیں آپ کا یہ قول مبارک پڑھ کر سنائیے:

من احبنی فقد احب اللہ و من اطاعنی فقد اطاع اللہ

(جس نے مجھ سے محبت کی اس نے درحقیقت اللہ سے محبت کی اور جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی)

اور انہیں اس طرف متوجہ کیجئے کہ آج جس پاکیزہ عقیدہ اور شریعت کاملہ عادلہ سے انسانیت مستفید ہو رہی ہے اس میں انسان کی امن و سلامتی کا راز مضمر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا باعث ہے اور نیز اس کا سہرا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے سر ہے۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی محبت

اسلام نے آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت لوگوں پر فرض کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد سے اسے واجب فرمایا ہے:

قل ان کان آباؤکم و أبناؤکم و إخوانکم و أزواجکم و عشیرتکم و اموال ن اقترفتموھا و تجارۃٌ تخشون کسادھا و مساکن ترضونھا أحبَّ الیکم من اللہ رسولہ و جھاد فی سبیلہ فتربصوحتی یاتی اللہ بامرہ واللہ لا یھدی القوم الفسقین

(تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور کنبہ اور کمائی کے مال اور وہ سامان تجارت جس کے نقصان کا

تمہیں اندیشہ رہتا ہے اور تمہارے پسندیدہ مکانات اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ پیارے ہوں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیجے اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا)

اور دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

فاتبعونی یحببکم اللہ

(تم میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائے گا)

پہلی آیت کی تفسیر میں قاضی عیاض لکھتے ہیں یہ آیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنے اوپر فرض کر لینے اور لازم پکڑنے نیز آپ کے عظیم مرتبہ اور آپ کو اس محبت کا حق دار سمجھنے پر رغبت دلانے اور راہنمائی کرنے کے لیے کافی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں اپنے اس قول سے اس شخص پر سختی کی ہے اور اسے دھمکی دی ہے جسے اپنے مال، اہل و عیال اور اولاد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ پیارے ہوں پھر آیت کے اختتام پر انہیں فاسق قرار دیا اور انہیں بتایا کہ وہ ایسے گمراہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ ہدایت عطا نہیں فرمائے گا۔

قاضی عیاض آگے تحریر فرماتے ہیں:

فلا یصدق ایمان المومن و لا یذوق حلاوتہ و یجد بین جوانحہ روعتہ حتی یکون اللہ و رسولہ ﷺ احب الیہ مما سواھما

("کتاب الشفاء" ج ۲، ص ۲۵)

(پس کسی مومن کا ایمان اس وقت تک سچا نہیں ہو سکتا اور نہ ہی وہ ایمان کی مٹھاس چکھ سکتا ہے اور نہ ہی اپنے پہلوؤں میں اس کی ہیبت کو محسوس کر پاتا ہے جب تک اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب نہ ہو جائیں)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا (جس شخص میں تین باتیں پائی جاتی ہیں اس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا۔

پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسے سب سے زیادہ محبوب ہوں' دوسری یہ کہ اگر وہ کسی سے محبت کرے تو وہ صرف اللہ کی رضا کے لیے ہو۔ تیسری یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسے ایک مرتبہ کفر سے نکالا ہے' اب وہ دوبارہ کفر کی طرف لوٹ جانے کو ایسے ناپسند کرے جیسے کوئی شخص یہ ناپسند کرتا ہے کہ اسے آگ میں دھکیل دیا جائے۔ ("ریاض الصالحین" ص ۱۸۱)

فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں:

ما کان احد احب الیّ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و لا اجلّ فی عینی و ما کنت اطیق ان املأ عینی منہ اجلالاً لہ حتی لو قیل لی صفہ ما استطعت أن أصفہ (مسلم نے اس حدیث کو روایت کیا ہے)

(کوئی شخص بھی مجھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ پیارا نہیں تھا اور نہ ہی میری نظروں میں کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ بڑا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقار کے باعث میں اس بات کی طاقت نہیں رکھتا تھا کہ میں آنکھیں بھر کر آپ کو دیکھ سکوں۔ یہاں تک کہ اگر مجھے کہا جائے کہ ذرا آپ کی صفات تو بیان کیجئے تو میں کماحقہ بیان نہیں کر سکتا)

مسلمانوں کی حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے والہانہ محبت کے سلسلہ میں زید ابن الدثنہ کا واقعہ باقی تمام قصوں میں سے خوبصورت ترین سمجھا جاتا ہے۔ امام بیہقی نے حضرت عروہ سے روایت کیا کہ جب اہل مکہ نے زید بن الدثنہ کو قتل کے ارادہ سے حرم کعبہ سے نکالا (آپ جنگ رجیع میں گرفتار ہوئے تھے) تو ابو سفیان بن حرب نے (جو اس وقت تک مشرک تھا) آپ سے یوں کہا: "اے زید میں تجھے اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ کیا تو اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اس وقت تیری بجائے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس موجود ہوتے اور ہم (معاذ اللہ) ان کو قتل

کر دیتے اور تو اپنی گھر والوں میں خوشیاں منا رہا ہوتا" زید بولے بخدا مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم اب جس جگہ قیام پذیر ہیں وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھے اور میں صحیح سالم اذیتوں سے بچ کر اپنے گھر والوں میں لوٹ جاؤں۔ یہ سن کر ابو سفیان نے کہا "میں نے لوگوں میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں دیکھا جو کسی سے اتنی محبت رکھتا ہو جتنی محبت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کو آپ کے ساتھ ہے"۔

اسی قبیل سے حضرت عبداللہ بن زید کا واقعہ ہے جن کے پاس ان کے بیٹے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر لے کر آئے وہ گڑگڑاتے ہوئے چلا اٹھے:

اللھم اذھب بصری حتی لا اری بعد حبیبی محمد اُحداً فاستجاب اللہ لہ دعوتہ و کف بصرہ ("المواہب" ج ۶ ص ۲۹۲)

(اے اللہ میری بینائی اچک لے تاکہ میں اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نہ دیکھ سکوں اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور بینائی جاتی رہی)

محبت مصطفوی کی حکمت

اسلام نے مسلمانوں پر آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت فرض کی ہے تو اس میں ایک عظیم حکمت کارفرما ہے۔ محبت کا معنی ہے فرمانبرداری اور اطاعت کرنا۔ مسلمان کا حضور علیہ السلام کی اطاعت کرنا اسے ہمیشہ صراط مستقیم پر چلانے کا ضامن ہے اور یہ محبت شریعت و سنت کو ہی ایک سچے مسلمان کا راستہ قرار دیتی ہے جس پر وہ چلتا ہے اور اسے ہمیشہ چلنا ہے اور اس کو ایک ایسے رنگ میں رنگ دیتی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے محبوب کے نقش پا کی تلاش میں رہتا ہے اور اپنے محبوب کی احسن طریقے سے پیروی کرتا ہے اور اس پیروی کے ذریعے وہ بہترین نمونہ زندگی

حاصل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اس بارے میں ارشاد ہے:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللہ و الیوم الاخر و ذکر اللہ کثیرا

(بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے اس کے لیے کہ اللہ اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرے)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "جس شخص نے اعمال کی بنیاد پر کسی قوم سے محبت کی' قیامت کے دن اس کو ان کے ساتھ اٹھایا جائے گا"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی فرمان ہے:

من احب سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنۃ۔

"جس شخص نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس شخص نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا"۔

درجہ اور مرتبہ کے لحاظ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت' قرآن کریم کے بعد آتی ہے اور حدیث و سنت' قرآن کریم کی آیات کی تفسیر' ان کے احکام کے بیان اور ان کے مقاصد کی وضاحت کے لیے وجود میں آئی۔ قرآن کریم کی بعض آیات مجمل صورت میں نازل ہوئیں' بعض عام ہیں' کچھ مطلق ہیں اور یہ احادیث شریفہ ہی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی منشا اور مراد سے لوگوں کو آگاہ کیا اور اس کی تعریف و تحدید کی۔

چنانچہ اس حقیقت کو واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم

(النحل: ۴۴)

"اے محبوب! ہم نے تمہاری طرف یہ ذکر اتارا تاکہ تم لوگوں
سے بیان کر دو جو ان کی طرف اترا"۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے نماز و زکوٰۃ کا اجمالاً حکم دیا ہے۔ اسی طرح کچھ حدود جو زانی، چور، شرابی وغیرہ کے ساتھ مخصوص ہیں، ان کا اجمالی طور پر ذکر کیا ہے اور یہ سنت رسولؐ ہی ہے جس نے نماز کے معانی کی شرح، اس کے اوقات اور کیفیات کی وضاحت کی ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کی تفصیل اپنے اندر لی ہے اور یہ سنت ہی ہے جس نے ان اسلامی حدود کی شرح کی ہے، جو مذکورہ بالا جرائم کے لیے خاص ہیں۔ اللہ جل جلالہ ہمیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع، آپ کے حکموں کی تعمیل اور ان کی عدم مخالفت کا حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا۔

"اور جو کچھ تمہیں رسولؐ عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع
فرمائیں باز رہو"۔

نیز فرماتے ہیں:

وما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ
أمرا ان یکون لھم الخیرۃ من أمرھم۔

"اور نہ کسی مسلمان مرد نہ کسی مسلمان عورت کو پہنچتا ہے کہ
جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ جو کچھ حکم فرما دیں تو انہیں کچھ
اپنے معاملے کا اختیار رہے"۔

اپنی اولاد کو بتائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بشر تھے لیکن ایسے بشر جن کی طرف وحی کی جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حفاظت کے زیر سایہ آپ کی پرورش کی اور اپنی نگہداشت، مہربانی اور رحمت کے ساتھ آپؐ کا احاطہ کر لیا اور آپؐ کی ذات میں بلند اخلاق اور دیگر اعلیٰ درجے کی خصلتیں جمع کر دیں۔

فتح مکہ کے موقع پر اسلام لانے والے لوگوں میں سے ایک آدمی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور کھڑا ہوا۔ آپ کی ہیبت سے کانپنے لگ گیا اور اپنی جگہ سٹ گیا۔ وہ اپنی جگہ سے نہ آگے ہوتا اور نہ پیچھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: "کیوں گھبراتے ہو۔ میں قریش کی اس عورت کا بیٹا ہوں جو مکہ میں گوشت کے سوکھے ٹکڑے کھایا کرتی تھیں"۔

ایک دن ایک بداخلاق اور بدمزاج آدمی آپ کی خدمت میں آیا۔ وہ آپؐ سے اس سے پہلے کبھی نہیں ملا تھا مگر آپ کا سنا ضرور تھا اور یہ بھی سنا تھا کہ آپؐ قریش کے معبودوں کو برا کہتے ہیں۔ چنانچہ اس نے اپنی تلوار اٹھائی اور قسم کھائی کہ آج وہ ضرور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا حساب چکا دے گا۔ وہ جب پہنچا تو بڑے غصے اور انتقامی انداز میں بات شروع کی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے سکون و خاموشی کے ساتھ اس کی باتیں سنتے رہے اور مسکراتے رہے۔ یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ آپؐ نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھا۔ بس چند ہی لمحے گزرے تھے کہ اس کا رویہ بدل گیا اور دل ہی دل میں وہ بہت شرمسار ہوا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں اور قدموں پر گر پڑا اور معذرت کرتے ہوئے انہیں بوسے دینے لگ گیا۔ وہ کہہ رہا تھا: "اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بخدا جب میں آپ کی طرف آیا تو روئے زمین پر آپؐ سے زیادہ میرا کوئی دشمن نہیں تھا اور اب میں آپ کے ہاں سے جا رہا ہوں تو روئے زمین پر آپؐ سے زیادہ میرا کوئی محبوب نہیں"۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پروقار اور پرسکون انداز میں مسکراہٹ' آپ کی رواداری اور صبر نے اس شخص کے غیظ و غضب اور ناراضگی میں ایک انقلاب برپا کر دیا اور اس کو انتہائی غصہ سے انتہائی محبت تک پہنچا دیا۔

قریش کے بڑے بڑے جابر اور سرکش سرداروں کے ساتھ آپ کو اس طرح کے کئی واقعات پیش آئے اور یہ کافی ہے کہ ہم اپنی اولاد سے آپؐ کا وہ طرزِ عمل بیان

کریں جو آپؐ نے ان لوگوں کے ساتھ اختیار کیا' جنہوں نے مکہ مکرمہ میں آپؐ کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں' آپؐ کے ساتھ لڑائیاں کیں' آپؐ کو شہید کرنے کی سازشیں کیں' آپؐ کے صحابہ کے ساتھ وہ بری کارستانیاں کیں کہ جن کے ذکر سے جسم لرزہ براندام ہو جاتا ہے۔ اسی لیے ان میں سے ہر ایک کو یہی توقع اور یہی ڈر تھا کہ فتح مکہ کی فتح مبین کے دن آپؐ ان سے بدترین انتقام لیں گے۔ مگر اس کے برعکس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ایسا کوئی معاملہ نہ کیا۔ صحن کعبہ میں خطبہ کے بعد آپؐ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "بتاؤ تمہاری کیا رائے اور تمہارا کیا اندازہ ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا کرنے والا ہوں"۔ ان سب کے منہ سے بیک آواز یہ کلمات نکلے۔ "بھلائی' کیونکہ آپؐ معزز بھائی ہیں اور معزز بھائی کے بیٹے ہیں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس کے جواب میں فرمایا۔ "جاؤ تم سب آزاد ہو"۔ اس حسن سلوک کا یہ اثر ہوا کہ ان کی اکثریت مشرف بہ اسلام ہو گئی۔ بعض حضرات نے قبول اسلام میں کچھ تاخیر کی۔ ان میں صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل بھی شامل تھے۔ ان دونوں نے "خندمۃ" میں آپؐ سے برسرپیکار ہونے کی کوشش کی۔ آپ نے ان سے مقابلہ کرنے کے لیے حضرت خالدؓ بن ولید کو بھیجا۔ انہوں نے بری طرح سے ہزیمت اٹھائی اور بھاگ جانے کا ارادہ کیا۔ مگر عکرمہ کی بیوی جو اسلام لا چکی تھیں' انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے لیے امان طلب کی۔ آپؐ نے اس کی بیوی کی درخواست منظور کرتے ہوئے اسے پروانہ امان عطا کر دیا۔ صفوان بھاگ کر جدہ چلا گیا۔ عمیر بن وھب نے عرض کی۔ "اے اللہ کے نبیؐ صفوان بن امیہ اپنی قوم کا سردار ہے اور وہ سمندر میں کود پڑنے کے لیے بھاگ نکلا ہے"۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "وہ امن میں ہے"۔ عمیر نے عرض کی۔ "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی نشانی عطا فرمایئے جسے دیکھ کر اسے اپنے مامون و محفوظ ہونے کا یقین ہو جائے"۔ اس پر آپؐ نے اس کو وہ عمامہ عطا کر دیا جو آپؐ نے فتح مکہ کے دن باندھا ہوا تھا۔ چنانچہ

عمامہ مبارک لے کر عمیر جدہ روانہ ہو گئے۔ وہاں صفوان کو جا لیا۔ جب وہ وہاں پہنچے تو وہ سمندر میں کود جانے کا ارادہ کر رہے تھے۔ مگر عمیر نے ان کی جان بچا لی اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ مبارک کے زیر سایہ عمیر کے ہمراہ مکے واپس آئے۔ مسلمانوں میں سے کسی نے بھی ان سے مزاحمت نہ کی۔ صفوان نے جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو ماہ کی مہلت طلب کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چار ماہ کی مہلت دے دی مگر اس مدت معینہ کے ختم ہونے سے پہلے وہ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

صحابہ کرام، عکرمہ کو ابوجہل کا بیٹا کہہ کر پکارتے تھے۔ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ لوگ ان کے جذبات کے احترام کے طور پر اور ان کے اسلام کے پیش نظر ان کے باپ کی خلاف اسلام کارگزاریوں کا ذکر کرنے سے گریز کریں۔

یہ ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے رسولؐ اپنے خلق عظیم، اپنی اعلیٰ و ارفع انکساری، نرمی، مہربانی، اپنی عزت اور اپنی امت کے لیے محبت کے لباس میں، وہ محبت جس نے دلوں کو آپؐ اور آپؐ کے دین کی محبت کے ساتھ بھر دیا اور آپ کے بدترین دشمنوں کو بھی آپ کے اخلاص پر مر مٹنے اور اسلام کی راہ میں اپنی جان، اولاد اور مال کی قربانی دینے پر آمادہ کیا تھا۔

یہ سارا کچھ اپنی اولاد کو سکھاؤ۔ اس معطر اور پاکیزہ سیرت کے لیے اوقات مقرر کرو، جن میں ہم اس سیرت والے کا ذکر کر کے سعادت مندی سے ہمکنار ہوں اور اپنے بلند و ارفع مفاخر کے احساس و شعور کو تازہ کریں۔ وہ مفاخر و مناقب جو چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ سے زندہ و تابندہ ہیں اور سارے جہانوں کے لیے منارۂ نور اور ذریعہ رشد و ہدایت ہیں اور رہیں گے۔ اللہ ہمارے دلوں میں ایمان اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو راسخ بنا دے۔
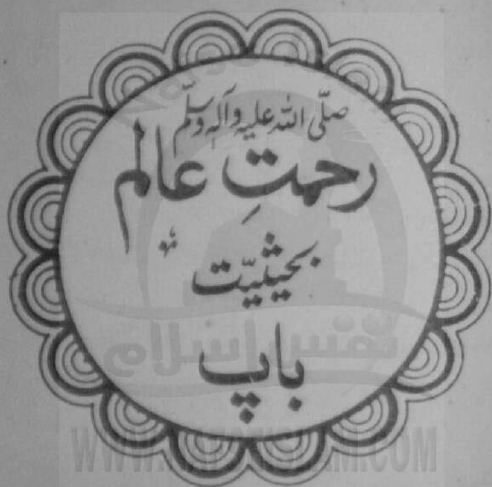
صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
رحمتِ عالم
بحیثیت
باپ

ام ایمن بڑی تیز رفتاری کے ساتھ جلدی جلدی بازار سے گزر رہی تھیں اور جب سلیمہ الزاہدیہ سے ان کی مڈبھیڑ ہوئی تو ان کے چہرے پر خوشی چھائی ہوئی تھی۔ سلیمہ بولیں: "اے برکہ تم کس مصیبت میں گرفتار ہو اور تم اس طرح کیوں بھاگ رہی ہو؟"

جواب دیا: "میں الصادق الامین کی طرف خوشخبری لے کر جا رہی ہوں"۔

"بھلا کون سی خوشخبری؟"

"سیدہ طاہرہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ہاں چوتھی بیٹی ہوئی ہے"۔

سلیمہ نے مبہوت ہوتے ہوئے ٹکٹکی باندھ کر انہیں دیکھا اور کہا "کیا تو آپؐ کو چوتھی بیٹی کی خوشخبری دے گی"۔ اتنے میں سلیمہ ان کے قریب ہو گئیں اور ان سے سرگوشی کرتے ہوئے کہا "اے برکہ مجھے سچ بتا یہ کون سی چیز اور کس چیز کی خوشخبری۔ تمہارے آقا بیٹی کی ولادت کی خبر کیسے وصول کریں گے"۔ برکۃ ہنس پڑی اور اس نے کہا:

"اے سلیمہ تیرے اس سوال نے مجھے اس دن کی طرف لوٹا دیا ہے جس دن سیدہ طاہرۃ نے اپنی پہلی بیٹی زینب کو جنم دیا تھا اور مجھے حکم دیا کہ الصادق الامین کو جا کر اطلاع دو۔ میں ڈرتی ہوئی گئی۔ میں توقع رکھتی تھی کہ مجھے اس بچی کے ساتھ ہی کسی گڑھے میں دفن کر دیا جائے گا لیکن وہاں پہنچ کر عجیب معاملہ پایا"۔

سلیمہ نے پوچھا "برکہ کیا ہوا"۔ بتایا "جیسے ہی آپؐ نے بچی کی ولادت کا سنا تو

آپ کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ فی الفور بچی کے پاس گئے' اسے گود میں اٹھایا' چوما' اس کی والدہ کو مبارک کہی' جانور ذبح کر کے بچی کی ولادت کی خوشی منائی۔ یہ میں نے نیا زمانہ اور ماحول دیکھا"۔ برکۃ نے یہ کہا اور پھر نئے سرے سے دوڑنے لگی۔

سلیمہ نے دل جمعی سے یہ ساری گفتگو سنی کیونکہ اس کی تین بچیاں زندہ درگور ہو چکی تھیں۔ اور وہ ایسے ماحول میں رہ رہی تھی جس میں اکثر باپ بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے پر فریفتہ تھے۔ ان کی قبریں ہی ان کے نزدیک بہترین سسرالی رشتے تھے اور ان میں سے جو اپنی بیٹی کو زندہ درگور نہیں کرتا تھا' اس پر ذلت و رسوائی مسلط رہتی۔

"عورت اپنے خاوند کے گھر جا رہی ہوتی تو وہ اگر اس عورت کے خاوند کے رشتہ داروں میں سے ہوتا تو اسے دعا دیتے ہوئے کہتا' خدا کرے تجھ پر جننا آسان ہو اور تو مذکر جنے۔ خدا کرے مونث نہ جنے اور اللہ تعالیٰ تیرے بطن سے انسانوں کی ایک بڑی تعداد میں طاقتور اور بہادر لوگ پیدا کرے۔ اور اگر وہ اس کے خاوند کا رشتہ دار نہ ہوتا تو اس سے کہتا' خدا کرے تجھ پر جننا آسان نہ ہو اور تو مذکر نہ جنے کیونکہ تو تو بے شک دور والوں کو قریب کرنے والی ہوگی"۔ (کتاب المحبر لابن حبیب' ص 310)

سلیمہ نے الصادق الامین کے اس رویہ کو بہت عظیم سمجھا اور یہ تمنا کی کہ کاش سارے باپ مع ان کے اپنے خاوند کے وہی کچھ کرتے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ اپنی سوچ بچار کے وقت وہ یہ نہیں سمجھ پائی تھی کہ بے شک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ رحمت ہیں جو دنیا اور دنیا والوں کی طرف بطور ہدیہ بھیجی گئی ہے۔ اگر یہ فیصلہ فرما دیا جاتا کہ غیب کے پردے اس کی آنکھوں سے اٹھا لیے جائیں' تو یقیناً وہ الصادق الامین کی حقیقت کو پا لیتی کہ واقعی آپؐ ہی اس دین حق کے

ساتھ رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں' جس دین نے زندہ درگور کرنے کو حرام ٹھہرایا ہے اور عورت کو عزت بخشی ہے اور اس بات کی تاکید کی ہے کہ اس کا اور مرد کا ایک ہی منبع و مصدر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یا ایھا الناس اتقو ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالا" کثیرا" ونساء۔

"اے لوگو اپنے رب سے ڈرو' جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں میں سے بہت مرد اور عورتیں پھیلا دیے"۔

آپ ایک ایسا کامل اور جامع قانون لائے جو سوسائٹی میں عورت کی پوزیشن کو مستحکم اور منظم بناتا ہے اور بحیثیت بیٹی' بیوی اور ماں کے اس کے لیے باعث عزت زندگی کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹیوں کی ولادت کے بارے میں ایک ایسے انسان' باپ کا سا طرز عمل تھا جو ان میں سے ہر ایک کو بڑی خوشی اور مسکراتے و چمکتے چہرے کے ساتھ گلے لگاتا ہے اور ان کی پیدائش کے وقت اس کے چہرے کے خدوخال سے خوشی ٹپک رہی ہوتی ہے اور یہ اس لیے کہ آپؐ ان لوگوں کے لیے جن کے دل سخت ہو چکے ہیں اور رحمت سے خالی ہیں' نمونہ بنیں۔ چنانچہ قرآن کریم اسی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے یوں گویا ہے۔

"جب انہیں بیٹی کی ولادت کی اطلاع دی جاتی تو ان کے چہرے سیاہ ہو جاتے"۔

جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے کیوں نہ ہوتے جبکہ اللہ تعالیٰ آپ کے بارے میں یوں فرماتے ہیں:

"وما ارسلنک الا رحمتہ للعالمین"۔

پہلی بیوی سے اولاد

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پہلی بیوی حضرت خدیجہ بنت خویلد کے بطن سے چار بیٹیاں عطا کی گئیں اور وہ زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہن تھیں۔ یہ چار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہداشت، محبت، مہربانی و شفقت اور جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا کی توجہ کے تحت عزت و اکرام اور شرافت و پاکیزگی کی فضا میں پلی بڑھیں۔ حضرت زینب کی شادی ان کی خالہ کے بیٹے ابو العاص بن الربیع اور رقیہ و ام کلثوم کی شادیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابولہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے ہوئیں۔ اب گھر میں صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی رہ گئیں اور ان کی عمر ابھی شادی کے لیے موزوں عمر سے کم تھی۔

جب جناب سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور حضرت خدیجہ اسلام لائیں تو ان کے بعد یہ چاروں بیٹیاں بھی اسلام لے آئیں اور جناب سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم کو نافذ کرنے اور لوگوں کو اسلام کی طرف بلانے میں کوشاں ہوئے تو قریش نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا اور جس قدر ممکن تھا آپؐ کے ساتھ مکرو فریب کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ چنانچہ اسی غرض سے ایک دن ان کے عمائدین اور قائدین جمع ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں آپس میں مشورہ کیا۔ ان میں سے ایک کہنے لگا" "تم نے ان کے غم دور کر دیے ہیں۔ حضرت زینبؓ ابوالعاص کے پہلو میں زندگی گزار رہی ہیں، رقیہؓ اور ام کلثومؓ عتبہ اور عتیبہ کی پناہ میں ہیں، تم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کو طلاق دے دو، تاکہ (معاذ اللہ) وہ ان کے غم میں مصروف ہو کر ہم سے اور اس نئے دین سے جو آپؐ ہم پر تھوپنا چاہتے ہیں، باز آجائیں"۔

اب تینوں افراد نے سوچ بچار کی کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی بیوی سے بہت

محبت کرتا تھا اور انکی مثل ہرگز نہیں پا سکتا تھا اور ان کو چھوڑ کر دیگر عورتوں سے شادی کرنے کے بارے سوچ تک بھی نہیں سکتا تھا۔ لیکن عتبہ اور حیبہ کی ماں ابولہب کی کافرہ اور متکبرہ بیوی' ام جمیل نے یہ پختہ ارادہ کر لیا کہ قریش کا حکم ہر حال میں نافذ ہو کر رہے گا۔ چنانچہ اس نے اپنے بیٹوں سے کہا' "میں تمہیں ہرگز منہ نہ لگاؤں گی' اگر تم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کو طلاق نہ دی"۔ چنانچہ دونوں بیٹوں نے اپنی ماں کا کہنا مان لیا اور اس کی ناپاک خواہش کو عملی جامہ پہنا دیا۔ نتیجۃً حضرت رقیہؓ اور ام کلثومؓ اپنے والد ماجد کے دولت کدہ میں واپس تشریف لے آئیں۔ مگر وہ اس گھرانہ میں زیادہ دیر نہ ٹھہریں۔ حضرت رقیہؓ کی شادی ایک عظیم اور ذی شرف شخصیت سے ہو گئی' جس کا شمار ان آٹھ صحابہؓ میں تھا جن کو جنت کی خوشخبری دی گئی اور وہ شخصیت حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی تھی۔ بعد ازاں آپ حضرت رقیہؓ کو اپنے ہمراہ لے کر راہی ملک حبشہ ہوئے۔ اس حیثیت سے یہ دونوں میاں بیوی اسلام میں سب سے پہلے مہاجر ہیں۔ پھر آپؓ نے ان کو لے کر مدینہ منورہ ہجرت کی۔ چنانچہ وہاں جس دن جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح کی خوشخبری دینے والا خوشخبری لے کر مدینہ منورہ پہنچا' اسی دن آپ بیمار ہوئیں اور مدینہ منورہ ہی میں وفات پائی۔ ان کی وفات سے حضرت عثمانؓ اور جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو سسرالی رشتہ تھا' اس کے ختم ہو جانے کی وجہ سے وہ بہت غمزدہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو اس حال میں دیکھا تو ان سے اس کا سبب پوچھا۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو مصیبت مجھ پر آئی ہے' کیا کسی اور پر بھی کبھی ایسی آئی ہے؟ جناب کی جو لخت جگر میرے عقد میں تھیں وہ مجھ سے چھن گئیں' اس سے میری کمر ٹوٹ گئی ہے اور وہ خصوصی رشتہ جو میرے اور آپؐ کے درمیان تھا' منقطع ہو گیا ہے"۔ تو

فخطب النبی صلی اللہ علیہ وسلم خاطرہ وزوجہ من اختہا ام کلثوم فبقیت معہ الی ان توفیت فی السنۃ

التاسعة للهجرة اى بعد بنائه بها بست سنوات

(ذوالنورین عثمان بن عفان للعقاد' ص 88 - 89)

"جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دلاسا دے کر مطمئن کر دیا اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت ام کلثوم سے ان کی شادی کر دی۔ وہ اپنی وفات تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں رہیں۔ شادی کے تقریباً چھ سال بعد سن نو ہجری میں ان کی وفات ہوئی"۔

ذوالنورین کہنے کی وجہ

منقول ہے کہ آپؓ کا لقب ذوالنورین اس لیے پڑ گیا تھا کہ آپ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیوں رقیہؓ اور ام کلثومؓ سے شادی کی تھی۔ آپ کے علاوہ کسی اور کے بارے میں یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ اس نے کسی نبی علیہ السلام کی دو بیٹیوں سے یکے بعد دیگرے شادی کی ہو۔ اس بارے ایک روایت یہ بھی ہے کہ ان کا یہ نام اس لیے رکھا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا تھا:

فیه نور اهل السماء و مصباح اهل الارض۔

"ان کی ذات میں آسمان والوں کیلئے نور اور زمین کے باسیوں کے لیے چراغ راہ موجود ہے"۔

یہ بھی مشہور ہے کہ آپ ہر رات میں ایک قرآن پاک ختم کیا کرتے تھے۔ قرآن نور ہے اور رات کا قیام بھی نور ہے۔

جہاں تک ابوالعاص کا تعلق ہے تو ان سے قریش نے مطالبہ کیا کہ وہ اپنی بیوی

کو طلاق دے دیں۔ قریش کی جس عورت سے وہ چاہیں گے ہم ان کی شادی کر دیں گے۔ مگر انہوں نے دو ٹوک الفاظ میں کہا کہ "ہرگز نہیں' بخدا میں اپنی بیوی کو قطعاً نہیں چھوڑوں گا اور مجھے یہ بالکل پسند نہیں کہ میری اس بیوی کے علاوہ قریش کی کوئی اور عورت میری بیوی بنے"۔ (سیرۃ ابن ہشام' ج 2' ص 292) ("سیرت ابن ھشام" 2" 219)

حالات جلدی پلٹا کھاتے گئے۔ ابو طالب کی وفات ہو گئی اور چند دنوں بعد ہماری والدہ ماجدہ سیدہ خدیجہ بھی راہی ملک عدم ہو گئیں۔ پھر ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی اور مع اپنے اصحاب کے مدینہ منورہ میں اقامت گزیں ہوئے۔ اس کے بعد معرکہ بدر پیش آیا۔ جس میں قریش کے بڑے بڑے بہادر اور سردار قتل ہو گئے اور ان کے مردوں میں سے بہت سارے قید ہوئے۔ ان قید ہونے والوں میں ابو العاص بھی شامل تھا۔ ابو العاص کے گھر والے اس کا فدیہ ادا کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ فدیہ کی قیمت اس وقت چار ہزار درہم تھی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے یہ مناسب خیال کیا کہ وہ ان کے فدیہ میں اپنا سب سے پیارا اور سب سے قیمتی مال فدیہ میں دیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنا وہ ہار اپنے والد گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا جو ان کی والدہ ماجدہ کا تھا اور ابو العاص سے شادی کے وقت آپ نے اپنی بیٹی کو بطور تحفہ دیا تھا۔ ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ اس ہار کو دیکھتے ہی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سخت رقت طاری ہو گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے میرے صحابیو' اگر تم برا نہ مانو تو زینبؓ کے قیدی کو رہا کر دو اور ان کا مال ان کو لوٹا دو"۔ صحابہ کرامؓ نے بدل و جان اس پر لبیک کہا اور تعمیل حکم کرتے ہوئے حضرت زینب کا مال ان کو واپس کر دیا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو العاص سے یہ عہد لیا کہ وہ حضرت زینب کو مدینہ منورہ آنے کی اجازت دیں' یا طلاق دیں۔ اس نے آپؐ سے وعدہ کیا

کہ وہ کوشش کرے گا اور بھلائی ہی کرے گا۔ مکہ پہنچ کر اس نے اپنے بھائی کنانہ کو انہیں مدینہ منورہ لے جانے کا حکم دیا۔ وہ دن دیہاڑے ان کو لے کر نکل پڑا۔ حضرت زینب ہودج میں سوار تھیں۔ اس قافلہ کی ھبار بن الاسود اور دوسرے لوگوں سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ ھبار نے حضرت زینب کو اپنے نیزے سے ڈرایا۔ آپ اس وقت حاملہ تھیں' اونٹ سے گر پڑیں' حمل ساقط ہوگیا۔ اس پر کنانہ نے اونٹ بٹھا دیا اور غصہ میں چلاتے ہوئے بولا: "بخدا جو آدمی بھی میرے قریب آئے گا میں اس کے جسم میں اپنا تیر پیوست کر دوں گا"۔ لوگوں نے شور مچایا۔ ابو سفیان آئے اور انہوں نے دن دیہاڑے حضرت زینب کو لے کر نکلنے پر کنانہ کی سرزنش کی اور اس سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ حضرت زینب کو لے کر مکہ لوٹ جائے اور انتظار کرے حتیٰ کہ رات آ جائے' لوگ پرسکون ہو جائیں پھر ان کو لے کر روانہ ہو۔ جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سارے واقعہ کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہوگئے اور ھبار اور اس کے ساتھی کو زندہ جلا دینے کا حکم صادر فرمایا۔ صبح ہوئی تو فرمایا کہ "میں نے تمہیں ان کے جلانے کا حکم دیا تھا مگر میں نے خیال کیا کہ آگ کے ساتھ عذاب خدا تعالیٰ ہی دے سکتا ہے۔ مگر بہرحال اگر تم ان کو پکڑنے میں کامیاب ہو جاؤ تو انہیں قتل کر دو"۔ ("سیرت ابن اسحاق" ج 2' ص 223)

چنانچہ جب وہ لشکر' جس کے امیر زید بن حارثہ تھے اور اس میں ستر آدمی شامل تھے' کا آمنا سامنا ابوالعاص سے ہوا' تو انہوں نے وہ سامان تجارت جو وہ شام سے مکہ لا رہے تھے ان سے چھین لیا۔ بعد ازاں ابوالعاص نے حضرت زینبؓ کے پاس جا کر ان سے پناہ طلب کی۔ حضرت زینبؓ گھر سے مسجد نبوی کی طرف چل دیں۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں تکبیر کہہ رہے تھے۔ دیگر مقتدی بھی تکبیر پڑھ رہے تھے۔ حضرت زینب نے بہ آواز بلند کہا۔ "اے لوگو! میں نے ابوالعاص بن الربیع کو پناہ دے دی ہے"۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا' تو فرمایا: "اے لوگو کیا جو کچھ میں نے سنا ہے تم نے بھی سن لیا ہے"۔ عرض کی "ہاں' یارسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان مبارک ہے! مجھے اس کے متعلق کچھ معلوم نہ تھا۔ حتیٰ کہ میں نے سنا جو سنا۔ بے شک مسلمانوں میں سے ان کا ایک ادنیٰ آدمی بھی پناہ دے سکتا ہے"۔ پھر آپ چل دیئے اور اپنی بیٹی کے پاس تشریف لے گئے۔ فرمایا: "اے بیٹی! اس کی اچھی طرح دیکھ بھال کیجو مگر اسے اپنی قربت اختیار نہ کرنے دو کیونکہ تم اس پر حرام ہو گئی ہو"۔ (السیرۃ ج 2 ص 222)

مسلمانوں نے ابو العاص کا مال تجارت اسے واپس کر دیا۔ وہ مکہ لوٹ گیا۔ مال ان کے اصل مالکوں کے حوالے کر کے ان سے کہا:

انا اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله والله ما منعني من الاسلام عنده محمد صلى الله عليه وسلم الا تخوفي ان تظنوا اني انما اردت اكل اموالكم فلما اداها الله اليكم وفرغت منها اسلمت.

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ واللہ! مجھے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں اسلام قبول کرنے سے سوائے میرے اس خوف کے اور کسی چیز نے نہیں روکا کہ تم میرے ساتھ طرح طرح کے گمان کرو گے اور یہ سوچو گے کہ شاید میں نے تمہارے مال کھانے کا ارادہ کر لیا ہے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے وہ مال میں نے تمہارے حوالے کر دیا اور اس سے عہدہ برآ ہو گیا تو اب اسلام قبول کر لیا"۔

پھر مکہ سے نکلے، مدینہ کی راہ لی۔ حتیٰ کہ مدینہ منورہ پہنچ گئے اور جناب رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعریف فرمائی اور حضرت زینبؓ نے ان کے ساتھ رہنا سہنا شروع کیا۔ مگر بمقتضائے الٰہی اس واقعہ کے ایک سال بعد سیدہ زینب کا انتقال ہوگیا۔ انہوں نے اپنے پیچھے ایک لڑکی امامہ اور ایک لڑکا علی چھوڑے۔ وہ ان دونوں سے راحت و تسلی پاتے تھے۔ منقول ہے کہ امامہ بعینہٖ اپنی والدہ حضرت زینب کی ننھی منی تصویر تھیں اور بلا ریب جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں وہ کچھ پاتے تھے جو حضرت زینبؓ پر آپ کے غم کو ہلکا کرنے والا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مانوس ہوتے تھے اور اپنی بے پایاں محبت، لطف و کرم اور شفقت سے انہیں نوازتے تھے۔

بخاری و مسلم میں یوں وارد ہے:

انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یحملھا علی عاتقہ ویصلی بھا فاذا سجد وضعھا حتی یقضی صلاتہ ثم یعود فیحملھا۔

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم امامہ کو اپنے کندھے مبارک پر سوار کر لیتے اور اسی حالت میں نماز ادا فرماتے۔ جب سجدہ میں جاتے تو انہیں اتار کر نیچے بٹھا لیتے۔ یہاں تک کہ ایک رکعت پوری کر لیتے۔ پھر جب دوسری رکعت کی طرف لوٹتے تو انہیں پھر اٹھا لیتے"۔

مقام سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا

جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی بیٹی حضرت فاطمہ الزھرۃ رضی اللہ عنہا کا تعلق ہے۔ ان کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں۔

ما رایت قط افضل من فاطمۃ غیر ابیھا۔

"میں نے سوائے ان کے باپ کے ہرگز ہرگز کوئی ان سے افضل نہیں دیکھا"۔
حضرت عبداللہ بن عباس جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درج ذیل حدیث روایت کرتے ہیں۔ "جنت کی تمام عورتوں سے افضل حضرت خدیجہؓ ہیں، ان کے بعد حضرت فاطمہؓ پھر مریمؑ پھر آسیہ"۔ حضرت ابو سعید خدری سے مرفوعاً مروی ہے کہ فاطمہؓ تمام جنتی خواتین کی سربراہ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ سے فرمایا، اللہ تیری رضا پر راضی اور تیرے غضب پر ناراض ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ نبی اکرم جب کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تو اپنی بیٹی فاطمہ کو بوسہ دیتے اور پیار کرتے۔

سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک دفعہ حضرت فاطمہؓ آئیں۔ یوں لگتا تھا کہ گویا ان کی چال جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چال ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ کر فرمایا، میری بیٹی خوش آمدید۔ پھر انہیں اپنی دائیں جانب بٹھایا اور ان سے سرگوشیاں کیں، وہ رو پڑیں۔ پھر کوئی بات آہستہ سے کہی تو ہنس پڑیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، میں نے دل میں کہا: میں نے آج کے دن بہ نسبت غم کے خوشی کے قریب جتنا انہیں دیکھا، ایسا اس سے پہلے کبھی بھی نہیں دیکھا تھا۔ چنانچہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جو کچھ فرمایا تھا، میں نے اس کے بارے میں استفسار کیا۔ تو فرمانے لگیں میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو افشا کرنے والی نہیں ہوں۔ جب جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو میں نے دوبارہ ان سے پوچھا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا کہ جبریل علیہ السلام سال میں ایک دفعہ میرے ساتھ قرآن کریم کا دور کیا کرتے تھے۔ اس سال انہوں نے دو دفعہ کیا ہے، مجھے یوں لگتا ہے کہ میرے وصال کا وقت قریب آن پہنچا ہے اور میرے اہل بیت میں سے آپ سب سے پہلے مجھ سے ملنے والی ہوں

گی' اور میں تیرا کیا ہی اچھا پیش رو ہوں' تو میں رو پڑی۔ اس پر آپؐ نے فرمایا' کیا تو اس سے راضی نہیں کہ تو تمام جہان کی عورتوں کی سردار ہو' تو میں ہنس پڑی۔

حضرت زہرا کی ولادت ہو چکی تھی۔ اس وقت قریش' کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے۔ بیت اللہ شریف میں حجر اسود اپنی اصلی جگہ میں رکھنے کے سلسلے میں مختلف قبائل کے مابین جو اختلاف پیدا ہوا' اسے ختم کرنے کے لیے قریش نے ان کے والد کو ثالث بنایا۔ وہ اس وقت بھی موجود تھیں جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وانذر عشیرتک الاقربین۔

"اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے"۔

تو جناب رسول اللہؐ اپنی قوم کو یوں پکارنے لگے:

"اے عبد مناف کی اولاد اللہ تعالیٰ کے ہاں اگر تم اس کی نافرمانی کرو' تو میں تمہارے کچھ کام نہیں آ سکتا۔ اے عباس بن عبدالمطلب میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ اے فاطمہ بنت محمدؐ اگر ایمان نہ لاؤ تو میں اللہ تعالیٰ سے تمہیں نہیں چھڑا سکتا"۔

حضرت فاطمہؓ ابھی چھوٹی بچی ہی تھیں کہ انہوں نے اپنے والد ماجد کے خلاف قریش کی ظالمانہ اور تکلیف دہ کارگزاریوں کے باعث بے حد تکلیفیں اٹھائیں۔ چنانچہ شعب ابی طالب میں آپؐ کی نظربندی کے دوران بھی وہ آپؐ کے ساتھ رہیں۔ حضرت فاطمہؓ نے ایک دفعہ قریش کے ایک گروہ کو دیکھا جو کعبہ شریف کے پاس آپؐ کے ساتھ جھگڑ رہا تھا اور یہ کہہ رہا تھا کہ کیا آپؐ ہی وہ شخص ہیں جو ہمارے معبودوں کے بارے میں ایسا ایسا کہتے ہیں' اور آپ کو یہ فرماتے بھی سنا۔ "ہاں میں ہی وہ شخص ہوں جو ان کے بارے میں ایسا کہتا ہوں۔ اور ان میں سے ایک کو آپ نے یہ حرکت کرتے ہوئے بھی دیکھا کہ وہ آپؐ کو گریبان سے پکڑے ہوئے تھا اور یہ ارادہ

کر لیا تھا کہ (معاذ اللہ) آپؐ کا گلا گھونٹ دے۔ مگر اسی دوران حضرت ابو بکر صدیقؓ

بہ آواز بلند انھیں یہ کہتے ہوئے آپؐ سے دور کرتے ہیں۔

اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ

"کیا تم ایک شخص کو صرف اس بنیاد پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ

ہے"۔

حضرت فاطمہ نے اس واقعہ کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور اپنے کانوں سے سنا اور اس سارے منظر کو دیکھ کر آپ بہت روئیں۔ ایسا ہی ایک واقعہ بیت اللہ کے پاس پیش آیا۔ عقبہ بن ابی معیط مذبوحہ جانور کی اوجھڑی آپؐ کی پشت پر اس وقت رکھ رہا تھا جبکہ آپؐ سجدہ کی حالت میں تھے۔ حضرت فاطمہؓ اپنے باپ کی طرف بڑھیں اور جو کچھ اس گنہ گار و سیہ کار نے آپؐ کی پشت مبارک پر رکھا تھا' اس کو دور ہٹایا اور اسے بددعا دی۔ جب رسول کریمؐ نے سجدے سے اپنا سر اٹھایا تو یہ دعا مانگی۔

"اے اللہ' سرداران قریش ابوجہل' عتبہ' شیبہ' عقبہ بن ابی معیط' ولید بن عتبہ اور امیہ بن خلف تیرے ذمے ہیں' تو خود ان کی خبر لے"۔

اسراء اور معراج کے باب میں حضرت عبداللہ بن عباس سے یوں حدیث مروی ہے۔

جناب رسول کریمؐ سوموار کی شب ستائیسویں رجب کو حضرت ام ھانی کے گھر قیام پذیر تھے۔ حضرت فاطمہ بھی آپؐ کے ساتھ تھیں۔ اس وقت ان کی عمر نو سال تھی۔ اچانک دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی۔ حضرت فاطمہؓ باہر نکلیں تاکہ رات کے وقت آنے والے کو دیکھیں۔ کیا دیکھتی ہیں کہ وہ ایک شخص ہے جو زیورات پہنے ہوئے اور نئی پوشاک زیب تن کیے ہوئے ہے۔ آپؓ نے اس سے پوچھا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ اس نے جواب میں کہا' میں حضرت محمدؐ سے ملنا چاہتا ہوں۔ یہ سن کر آپ

واپس لوٹیں تاکہ جنابؐ سے اس کے لیے اجازت طلب کریں۔ جناب نبی کریم باہر تشریف لائے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جبرئیلؑ ہیں۔

حضرت زہراؓ کی عمر جب اٹھارہ برس کی ہوئی تو ان کی منگنی کے لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جناب رسول اللہ نے ان سے فرمایا: "یا ابا بکر انتظر بہا القضاء"۔ (اے ابوبکر، حضرت فاطمہؓ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کیجئے۔)

بعد ازاں حضرت عمرؓ حاضر ہوئے اور منگنی کی درخواست کی۔ آپؐ نے ان سے بھی وہی فرمایا۔ منگنی کی غرض سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی شرماتے شرماتے حاضر خدمت ہوئے۔ فرماتے ہیں کہ جب میں آپؐ کے پاس بیٹھا تو میرا منہ بند ہو گیا۔ میں کچھ نہ بول سکا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ کیسے آنا ہوا؟ کیا کوئی حاجت ہے۔ میں خاموش رہا۔ پھر فرمایا، غالباً تو فاطمہؓ کی منگنی کے لیے آیا ہے۔ میں نے عرض کی، ہاں یا رسول اللہ۔ حضورؐ نے حضرت فاطمہؓ کا نکاح ان سے کر دیا۔

جب یہ خبر فاطمہؓ کو پہنچی تو وہ رونے لگ گئیں۔ حضورؐ نے فرمایا، اے فاطمہ تجھے کیا ہوا ہے؟ تو کیوں روتی ہے؟ خدا کی قسم میں نے تیرا نکاح ایک ایسے شخص سے کیا ہے جو علم کے لحاظ سے ان سب سے بڑھ کر ہے، علم کے لحاظ سے ان سے افضل ہیں اور اسلام قبول کرنے کے لحاظ سے (لڑکوں میں) سب سے پہلے ہیں۔ جس رات حضرت فاطمہؓ کی شادی حضرت علیؓ سے ہوئی۔ آپؐ نے پانی منگوایا وضو کیا اور حضرت فاطمہؓ پر انڈیل دیا اور فرمایا:

اللھم بارک فیھما وبارک علیھما وبارک لھما فی نسلھما۔

"اے اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے۔ اس پر اپنی برکت نازل فرما اور ان دونوں کی نسل میں برکت دے"۔

حضرت علیؓ نے جناب رسول اللہ سے پوچھا۔ "ہم میں آپؐ کو کون زیادہ محبوب ہے، میں یا فاطمہ"۔ آپؐ نے فرمایا، "فاطمہ تیری نسبت مجھے زیادہ محبوب ہے اور آپ ان کی بہ نسبت میرے نزدیک زیادہ مکرم ہیں"۔

حضرت زہراؓ کے لیے جناب رسول اللہ کی محبت اور ان کے رحیمانہ پدری جذبات کا ظہور اس دن ہوتا ہے جس دن آپؐ کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ نے ایک مخزومی عورت عمرو بن ہشام (ابوجہل) اللہ کے دشمن اور اللہ کے رسول کے دشمن کی بیٹی سے شادی کا معاملہ طے کر لیا ہے۔

آپؐ مسجد تشریف لے گئے۔ غصے کی حالت میں منبر پر کھڑے ہوئے۔ اپنے صحابہ کو خطاب کیا اور فرمایا، "ہشام بن مغیرہ کے گھر والوں نے مجھ سے اجازت طلب کی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح علیؓ بن ابی طالب سے کر دیں۔ تین بار آپؐ نے ان سے فرمایا، میں ان کو اجازت نہیں دوں گا۔ البتہ اگر علی بن ابی طالب چاہیں تو پہلے میری بیٹی کو طلاق دے دیں۔ پھر ان کی بیٹی سے نکاح کر لیں۔ بے شک میری بیٹی میری لخت جگر ہے جو اس کو پریشان کرتا ہے وہ فی الحقیقت مجھے پریشان کرتا ہے اور جو اس کو اذیت پہنچاتا ہے وہ مجھے اذیت دیتا ہے اور مجھے یہ بھی خوف ہے کہ کہیں وہ اپنے دین کے معاملے میں فتنے میں مبتلا نہ کر دی جائیں"۔

آپؐ نے اپنے داماد ابو العاص بن الربیع کا ذکر کیا اور ان کے ساتھ اپنے رشتہ (جس کو انہوں نے اچھی طرح نبھایا تھا) کی خوب تعریف کی۔ پھر فرمایا:

> "اس نے جو کچھ مجھ سے کہا اس کو سچ کر دکھایا۔ مجھ سے وعدہ کیا اس کو اچھی طرح نبھایا۔ میں اللہ تعالیٰ کے کسی حرام کو حلال نہیں کرتا اور نہ ہی کسی حرام کو حلال ٹھہراتا ہوں۔ مگر بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی بھی ایک گھر میں رسول اللہ کی بیٹی اور اپنے دشمن کی بیٹی کو جمع نہیں کریں گے"۔

(البخاری، 29، 538، مسلم 44/14، سنن ابی داؤد کتاب 12، سنن الترمذی کتاب 36، سبب ابن ماجہ 56/9، مسند الامام احمد 4 / 326 - 328)

حضرت زہرا نے حسنؑ، حسینؑ، زینب اور ام کلثوم کو جنم دیا۔ جناب رسولؐ اللہ ان سب سے بہت زیادہ محبت فرماتے تھے اور ان پر اپنے لطف و کرم اور شفقت و رحمت کا ایک سیلاب بہاتے تھے۔ خاص طور پر حسنؑ و حسینؑ آپ کی محبت کا مرکز تھے۔ جن کے بارے میں آپؐ فرمایا کرتے تھے۔

ھذ ان ابنانی وابنا ابنتی۔ اللھم انی احبھما فاحبھما واحب من یحبھما۔

"یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ میں ان سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان دونوں کو اپنی محبت سے نواز اور جو شخص ان سے محبت رکھتا ہے اس سے بھی محبت کر"۔

مروی ہے کہ جناب رسولؐ اللہ تشریف لائے۔ آپؐ کے ساتھ حضرت علیؑ، حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ تھے۔ ان دونوں حضرات میں سے ہر ایک آپ کے ہاتھ مبارک کو پکڑے ہوئے تھا۔ یہاں تک کہ آپؐ اندر داخل ہوئے، حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کو اپنے قریب کیا اور حسنؑ اور حسینؑ میں سے ہر ایک کو اپنی گود میں بٹھایا۔ پھر اپنی چادر مبارک ان دونوں پر اوڑھ دی اور یہ آیت کریمہ پڑھی۔

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا (الاحزاب: 33) وقال اللھم ھولاء اھل بیتی۔

"اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے، اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر

ناپاکی کو دور کر دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے"۔ اور عرض کیا' "اے اللہ یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں"۔

ایک بار پھر رسول اللہ کے پدری جذبات بڑی انوکھی صورت میں ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ وہ ایسے کہ ایک دفعہ آپؐ کو دیکھا گیا کہ آپ اپنے نواسوں میں سے ایک کو اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے جا رہے ہیں۔ حتیٰ کہ آپ مسجد نبوی میں پہنچ گئے۔ نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور بڑی نرمی کے ساتھ ان کو اپنے پہلو میں زمین پر بٹھا دیا اور لوگوں کی امامت شروع کر دی۔ مگر جب لوگوں نے آپؐ کو خلاف عادت لمبے سجدے کرتے پایا تو تعجب کیا۔ جب نماز پڑھی جا چکی تو انہوں نے اس بارے میں آپ سے یوں استفسار کیا۔

اے اللہ کے رسولؐ بے شک آپ نے اتنا لمبا سجدہ کیا ہے کہ ہم یہ گمان کرنے لگ گئے کہ کوئی بات واقع ہو گئی ہے یا آپؐ کی طرف وحی کی جا رہی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا' ایسی کوئی بات نہیں۔ **ولکن ابنی ارتحلنی فکرھت ان اعجله حتی یقضی حاجته** "حقیقت یہ ہے کہ میرا بیٹا مجھ پر سوار ہو گیا تھا۔ میں نے اسے جلدی میں ڈالنا پسند نہ کیا اور اسے مہلت دی کہ وہ اپنی حاجت پوری کرے"۔ **ویری وھو اخذ بکتفی الحسینؓ وقدماه علی قدمیه یرقصه قائلا" "ترق ترق"** ۔ اور یہ بھی دیکھا گیا کہ آپؐ ایک دفعہ حضرت حسینؓ کو کندھوں سے پکڑے ہوئے تھے اور ان کے قدم آپ کے مبارک قدموں پر تھے۔ آپؐ ان کو یہ کہتے ہوئے بہلا رہے تھے: چڑھئے' چڑھئے۔ بچہ اوپر چڑھتا جاتا ہے حتیٰ کہ اپنے قدم اپنے نانا کے سینہ مبارک پر رکھ دیتا ہے۔ تو آپؐ اس سے فرماتے ہیں۔ **"افتح فاک"** اپنا منہ کھولئے۔ بچہ اپنا منہ کھولتا ہے۔ آپؐ اس کو بوسہ دیتے ہیں اور یہ فرما رہے ہوتے ہیں۔

"اے اللہ میں اس سے محبت رکھتا ہوں' آپ بھی اس سے

محبت کریں اور اس سے بھی' جو اس کو محبوب رکھتا ہے۔ (صحیح مسلم' کتاب الفضائل 1882/3)

جناب رسول اللہ کے ایک دفعہ اپنے نواسے کو بوسہ دینے کی وجہ سے ایک شخص بہت متعجب ہوا اور کہنے لگا' میں آپ کو دیکھتا ہوں کہ آپ اپنے نواسے کے ساتھ ایسا کر رہے ہیں۔ بخدا میری اولاد ہے میں نے ان میں سے کسی کو بھی کبھی بوسہ نہیں دیا۔ جناب رسول اللہ نے یہ سن کر فرمایا:

من لا یرحم لا یرحم

"جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا"۔

مرض الموت میں جناب رسول اللہ کو سخت درد لاحق ہوا۔ جب حضرت فاطمہؓ نے آپ کی یہ حالت دیکھی تو انہوں نے اپنے ہاتھوں پر پانی لیا اور آپ کے سر مبارک پر ڈالنا شروع کر دیا۔ آپ یہ کلمہ دہرا رہے تھے۔ "ہائے میری تکلیف"۔ آپ رونے لگ گئیں۔ "ہائے اے میرے باپ آپ کی تکلیف کے باعث مجھے بڑی تکلیف ہے"۔ آپ نے ان کی طرف بڑی شفقت سے دیکھتے ہوئے فرمایا۔

"آج کے بعد تیرے باپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی"۔

رفیق اعلیٰ کے حضور آپ کی پاک روح کے پرواز کر جانے کے تقریباً چھ ماہ بعد حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے والی آپ اہل بیت میں سے سب سے پہلی ہیں۔ جب حضرت فاطمۃ الزہراء کو اپنی موت کے قریب آ جانے کا احساس ہوا تو انہوں نے غسل کیا' نئے کپڑے پہنے اور اپنے بستر مبارک پر رو بہ قبلہ پہلو کے بل لیٹ گئیں اور اپنی خادمہ سے کہا ابھی اسی گھڑی میری روح قبض کر لی جائے گی۔ میں نے غسل کر لیا ہے' تجہیز و تکفین وغیرہ کے لیے ہرگز ہرگز کوئی میری پردہ کشائی نہ کرے۔ جب ان کی وفات ہوئی تو حضرت علیؓ تشریف لائے اور اسی غسل کے ساتھ انہیں سپرد خاک کر دیا۔

حضرت قاسم اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ

یہ بھی حضرت خدیجہ ہی کے بطن سے حضور کو عطا کیے گئے اور انہی سے آپ اپنی کنیت کرتے تھے۔ ان کے بعد آپ کو حضرت عبداللہ عطا ہوئے اور یہی طاہر و طیب کے القاب سے معروف ہیں آپ کو یہی نام دیا گیا کیونکہ آپ بعثت کے بعد پیدا ہوئے (ا) (الروض الانف: 1 : 123) یہ پھول چھوٹی عمر میں ہی مرجھا گئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت قاسم چلنے بھرنے کی عمر تک پہنچ گئے تھے مگر آپ کی وفات تک آپ کی رضاعت کی مدت پوری نہ ہو سکی تھی۔

امام سہیلی روض الانف میں رقم طراز ہیں: بعثت کے بعد جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ کے ہاں تشریف لائے انہیں روتا ہوا پایا۔ عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا دودھ میرے بیٹے قاسم کے لیے زیادہ ہو گیا تھا کاش کہ وہ زندہ رہتے اور ان کی رضاعت کی تکمیل ہو جاتی۔ فرمایا ان **لہ موضعا فی الجنۃ تستکمل رضاعتہ** (جنت میں ان کے لیے دایہ مقرر کر دی گئی ہے۔ وہاں ان کی رضاعت پوری کر دی جائے گی)

حضرت ابراہیم' آنکھوں کی ٹھنڈک

حضرت ابراہیم آپ کو اپنی قبطی بیوی حضرت ماریہ کے بطن سے عنایت کیے گئے آپ اپنے والد گرامی کے ساتھ بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ جوں جوں آپ عمر میں بڑے ہوتے گئے تو یہ مشابہت افزوں تر ہوتی چلی گئی۔ جناب رسول اللہ کو ان سے بہت محبت تھی غالبا" اس کا سبب یہ ہے کہ وہ قاسم' طاہر' زینب' رقیہ اور حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد پیدا ہوئے مگر حضور کی اپنے بیٹے ابراہیم کی یہ خوشی زیادہ دیر تک نہ رہ سکی۔ حضرت ابراہیم سخت بیمار پڑ گئے۔ جب آپ پر دم نزع طاری ہوا حضور کو ان کی اس حالت سے آگاہ کیا گیا تو سخت غم اور دکھ کے باعث آپ نڈھال ہو گئے اور حضرت عبدالرحمان بن عوف کے بازوؤں کا سہارا لے کر اس کھجور کے

درخت کے پاس تشریف لائے جہاں حضرت ابراہیم تھے۔ آپ خوابگاہ میں داخل ہوئے تو انہیں ماں کی گود میں پایا۔ ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کرنے والی تھی۔ آپ نے انہیں اپنی گود میں لے لیا غم و حزن آپ کے دل پر چھا گیا غم و الم کی تصویر آپ کے خدوخال اور چہرہ کے خطوط جمال سے پوری طرح عیاں تھی پھر فرمایا۔

"اے ابراہیم ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کی قضاء سے نہیں بچا سکتے"۔ پھر آپ نے اپنا سر مبارک جھکا لیا۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے شروع ہو گئے۔ بچے کی روح قفس عنصری سے پرواز کر رہی تھی۔ ان کی ماں اور بہن رو رہی تھیں مگر جناب رسول اللہ ان کو اس سے منع نہیں فرما رہے تھے (ا) (حیات محمد' 464) جب حضرت ابراہیم کی روح پوری طرح پرواز کر چکی اور ان کے جسم میں نہ تو کوئی حرکت تھی اور نہ ہی زندگی کے کوئی آثار تو جناب رسول اللہ کی آنکھوں سے آنسو چھلکنے لگے اور آپ فرما رہے تھے۔ اے ابراہیم اگر یہ نہ ہوتا کہ یہ معاملہ حق ہے اور یہ وعدہ سچا ہے اور یہ کہ ہمارا پچھلا عنقریب اپنے پہلے سے جا ملے گا تو اس سے بھی زیادہ ہم تم پر غم کرتے۔ اس کے بعد آپ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد یوں گویا ہوئے:

آنکھ آنسو بہاتی ہے' دل غم زدہ ہوتا ہے اور کچھ ہم نہیں کہیں گے مگر وہی جو رب اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث ہو اور اے ابراہیم ہم تجھ پر غم کھانے والے ہیں۔

مسلمانوں نے اس شدید غم و الم کا مشاہدہ کیا جو آپ کو لاحق تھا اور ان میں سے بعض نے کوشش کی کہ اس میں بالکل کھو جانے سے آپ کی توجہ ہٹائیں۔ چنانچہ انہوں نے وہ چیز آپ کو یاد دلائی جس سے آپ نے "ان کو منع فرمایا تھا تو جناب نے فرمایا۔

ماعن الحزن نہیت' وانمانہیت عن رفع الصوت بالبکا وان ماترون بی اثرو مافی القلب من محبۃ و رحمۃ' ومن لم یبد الرحمۃ لم یبد غیر علیہ الرحمتہ

(میں نے غم کرنے سے منع نہیں کیا تھا میں نے تو بلند آواز کے ساتھ رونے سے منع کیا تھا اور تم جو میری یہ حالت دیکھ رہے ہو وہ اس محبت و رحمت کا اثر ہے جو میرے دل میں ہے جو دوسرے کے لیے اظہار رحمت نہیں کرتا تو کوئی دوسرا بھی اس کے لیے رحمت و شفقت کا مظاہرہ نہیں کرے گا)

جس دن حضرت ابراہیم کی وفات ہوئی اس دن اتفاقاً" سورج گرہن بھی لگ گیا۔ مسلمانوں نے اسے معجزہ خیال کیا اور کہا کہ حضرت ابراہیم کی وفات کی وجہ سے اسے گرہن لگ گیا ہے۔ آپ گھبرا گئے اور لوگوں سے خطاب فرمایا اور کہا

بے شک سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ انہیں کسی کی موت یا زندگی کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا۔ اگر تم کبھی ایسا دیکھو تو نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے ذکر کی پناہ لو۔ یہ کتنا عظیم طرز عمل ہے بلکہ یہ کیسی عظمت ہے جو جناب رسول اللہ کو دکھ دینے والے غم کے شدید ترین حالات میں بھی اپنے منصب رسالت کو نہیں بھلاتی۔ آپ حق اور سچ سے خاموش نہیں رہتے بلکہ جو تکلیف آپ کو پہنچی تھی اس کے حلقے سے اس لیے باہر قدم رکھتے ہیں تاکہ سورج گرہن کا جو مفہوم سمجھا گیا تھا اور جس کو لوگوں نے معجزہ خیال کیا تھا' اس کی حقیقت سے پردہ اٹھائیں۔ یہ سچ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اولاد سے بے حد محبت تھی مگر اپنی رسالت سے محبت اس سے بہت بڑی اور بدرجہا زیادہ تھی۔

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ
صحابہ اور علم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
تالیف
مفتی محمد خان قادری
حجاز پبلی کیشنز لاہور

ام معبد کی زبانی
صلی اللہ علیہ وسلم
جنابِ رسول اللہ
کا سراپا

میں نے ایک شخص دیکھا جس کا رخ انور صاف و شفاف اور روشن و تاباں تھا۔ نحافت کے عیب سے مبرا تھا' نہ ہی بالکل نحیف و نزار اور نہ ہی پھولے ہوئے جسم والا' انتہائی خوبرو و خوش رنگ' آنکھیں سیاہی مائل' لمبی لمبی پلکیں' بھاری آواز والا' گردن طویل' داڑھی گھنی' پلکیں لمبی' قوس کی طرح مڑی ہوئی اور آپس میں متصل' خاموش رہے تو پروقار' بات کرے تو اظہار عظمت ہو اور حسن و دلکشی چھا جائے۔ دور سے دیکھنے والے کو ساری دنیا سے بڑھ کر حسین و جمیل لگے اور قریب والے کو صاف ستھرا اور خوش نما نظر آئے۔ شیریں کلام' و واضح بیان' نہ ہی باتونی اور نہ ہی کم گو' اس کے بین بین' اس کی گفتگو موتی کی وہ لڑیاں' جن کے موتی ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے ہوں۔ نہ دراز قامت نہ پست قامت' دو تر و تازہ ٹہنیوں میں سے ایک ٹہنی جو تینوں سے بڑھ کر دلکش' سب سے اعلیٰ مرتبت' ساتھی ایسے جو ہمہ وقت حاضر خدمت' اگر بولے تو اس کے بول سننے کے لیے وہ سبھی چپ سادھ لیں' حکم دے تو سر آنکھوں پر اور اس کی تعمیل میں چاک و چوبند' ایسے ساتھیوں سے گھرا رہنے والا جو تابع فرمان' ترشروئی سے خالی اور واہی تباہی سے منزہ۔

جونہی ابو معبد کی بیوی کے منہ سے یہ الفاظ نکلے تو وہ پکار اٹھا بخدا یہ تو قریش کی وہی شخصیت ہے جس کے معاملہ کے بارے مکہ میں ہمیں بتایا گیا تھا۔ میں نے ان کی رفاقت کا اب پختہ عزم کر لیا ہے۔ اگر مجھے میسر ہوا تو میں یہ ضرور کروں گا۔ چنانچہ مکہ میں آواز بلند ہوئی وہ آواز تو سن رہے تھے مگر یہ نہیں سمجھ رہے تھے کہ آواز والا کون ہے اور وہ یہ کہہ رہا تھا "سارے لوگوں کا پالنہار دونوں ساتھیوں کو بہتر بدلہ عطا

فرمائے"۔

ان دونوں نے کہا اے ام معبد خیمے میں داخل ہو وہ دونوں پیام ہدایت لے کر اس کے ہاں مہمان ہوئے۔ بے شک وہ شخص کامیاب ہو گیا جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھی و ہمدم بنا۔

یہ حدیث حسن اور قوی ہے۔ حاکم نے اس کو روایت کیا ہے اور صحیح قرار دیا ہے۔ ذہبی نے اس سے موافقت کی ہے ابن کثیر نے کہا کہ ام معبد کا قصہ مشہور ہے اور کئی واسطوں سے منقول۔ اس کا نقل بعض کے لیے باعث تقویت ہے۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
جناب رسول اللہ
یتیم پیدا ہوئے
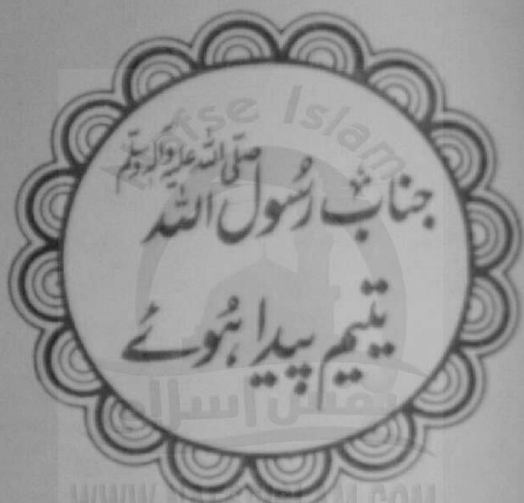
اخذ الالہ ابا الرسول و لم یزل
برسولہ الفرد الیتیم رحیما
نفسی الفداء لمفرد فی یتمہ
واللہ و احسن ما یکون یتیما

"معبود برحق نے جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی کو اپنے پاس بلا لیا اور ہمیشہ اپنے یکتا یتیم رسول پر مہربان رہا میری جان قربان اس پر جو اپنی یتیمی میں یکتا تھا اور موتی جب تک در یتیم رہتا ہے بہت ہی زیادہ خوبصورت ہوتا ہے"۔

دانشوروں کا اس پر اجماع ہے کہ جناب رسول کریم کی یتیمی بھی برکت و رحمت تھی اور آپ کا فقر بھی ایک عنایت اور نعمت تھا اور آپ کی تربیت اور تادیب بھی من جانب اللہ تھی۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا۔

"لقد ادبنی ربی فاحسن تادیبی"

(میرے رب نے خود میری تربیت فرمائی اور بہت ہی عمدہ طریقہ سے میری تربیت کی)

یہ کیسے ہوا؟ جناب رسول کریم یتیم پیدا ہوئے آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو والد ماجد کی وفات کے بعد جنم دیا۔ حضرت عبداللہ قریش کے قافلہ کے ساتھ شام تشریف لے گئے تھے۔ اپنی واپسی پر یثرب میں قیام فرمایا تاکہ وہاں سے خوراک وغیرہ خریدیں جیسا کہ ان کے والد ماجد حضرت عبدالمطلب نے آپ کو حکم دیا تھا۔ مگر

اتفاقاً بیمار پڑ گئے۔ وہیں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ اس طرح رسول کریم کے بارے فیصلہ ایزدی یہ ہوا کہ آپ دنیا میں بحیثیت ایک یتیم کے جلوہ افروز ہوں۔ مگر جس ذات جل جلالہ نے آپ کے لیے یہ لکھ دیا تھا اس نے آپ کے لیے یہ مقدر نہ فرمایا کہ آپ اس نو عمری میں یتیمی کی تلخی بھی چکھیں۔ چنانچہ آپ کے دادا عبدالمطلب کو آپ کے لیے آپ کے باپ کا قائم مقام مقرر فرما دیا۔ انہوں نے آپ کو اپنے سینے سے لگا لیا اور آپ کو اپنا جام محبت و الفت پلایا جو باپ کی محبت و شفقت کا بدل ثابت ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی تین مشفق اور محبت رکھنے والی مائیں بنائیں۔ ان میں سے ایک تو آپ کی شفیق ماں انتہائی شفیق سیدہ آمنہ الطاہرہ تھیں۔ دوسری آپ کی ماں آپ کی پاکباز اور مشفق آیا برکہ اور تیسری آپ کی دودھ پلانے والی شفیق ماں حلیمۃ السعدیہ تھیں۔

آپ کی عمر مبارک کے چھٹے سال آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو لے کر یثرب کی طرف روانہ ہوئیں۔ ان کی لونڈی برکہ بھی ان کے ہمراہ تھیں۔ ان کے اس سفر کا مقصد وہاں مدفون اپنے خاوند کے جسد اطہر کی زیارت نیز آپ کے رشتہ دار قبیلہ بنی نجار کے لوگوں سے آپ کا تعارف کرانا تھا۔ چنانچہ جس قدر کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ یہ مبارک قافلہ یثرب میں قیام کرے وہاں یہ قیام پذیر رہا۔ پھر واپسی کے ارادہ سے اپنا رخ موڑا مگر شومئی قسمت سے راستہ میں ہی حضرت سیدہ آمنہ الطاہرہ شدید درد میں مبتلا ہو گئیں۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ اس شدید تکلیف کی حالت میں آپ نے مبارک بچے کی طرف نظر کی اور نہایت ہی پست آواز میں جس کو دکھوں نے کمزور کر دیا تھا فرمایا:

بارک اللہ فیک من غلام
یا ابن الذی من حومۃ الحمام
نجا بعون الملک العلام

فودی غداة الضریب بالسھام

بمائة من ابل مسرام

اے بیٹے اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے اے اس کے بیٹے جو

موت کی سختی سے اللہ تعالیٰ کی مدد سے نجات پا گیا قرعہ اندازی کے دن سو چرنے والے اونٹوں کے ساتھ جس کا فدیہ دیا گیا (الروض الانف "المادی لفتاوی" 2/22۔ دیکھئے۔ السہام سے یہاں مراد وہ پانسے کے تیر ہیں جن کے ساتھ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور اونٹوں پر قرعہ اندازی کی گئی) پھر اپنے جسم بیمار میں بچی کچی قوت کو سمیٹا اور فرمایا :

کل حی [illegible]ت و کل جدید بال و کل کبیر یفنی و انا

میتة و ذکری بال فقد ترکت طیرا و ولدت طھرا

(ہر زندہ مر جائے گا اور ہر نیا پرانا ہو جائے گا اور ہر بڑا فنا ہو جائے گا۔ میں وفات پانے والی ہوں مگر میرا ذکر باقی رہے گا میں نے ایک مبارک بندہ پیچھے چھوڑا ہے اور میں نے اسے پاکیزہ جنا ہے)

اس کے بعد آپ نے اپنی روح روح آفریں کے سپرد کر دی اور اپنے مبارک بچے کو ان کی [illegible] کے ساتھ چھوڑ گئیں [illegible] نے آپ کو اٹھا لیا اور وہ جدا داغ یتیمی سہنے والے کو نہایت غمزدہ ہو کر ان کے دادا کے پاس لائیں۔ دادا نے آپ کو اٹھا لیا اور جس قدر وہ پہلے آپ پر اپنی محبت نچھاور کیا کرتے تھے اس سے کہیں بڑھ کر اب اپنی محبت کے پھول آپ پر نچھاور کرنے لگے۔ انہوں نے آپ کو اپنے قریب کیا۔ حد درجہ کوشش کی کہ آپ اس داغ یتیمی کو محسوس نہ کر پائیں۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ بیت اللہ شریف کے سائے میں حضرت عبدالمطلب کے لیے مسند آراستہ کی جاتی تھی۔ ان کے بیٹے ان کے آنے تک اس مسند کے ارد گرد

انتظار میں بیٹھے رہتے تھے۔ ان کی عزت و احترام کے پیش نظر ان کے بیٹوں میں سے کوئی بھی اس پر نہیں بیٹھتا تھا۔ جناب رسول اللہ جب تشریف لاتے۔ ابھی آپ بچے تھے اس پر آ کے بیٹھ جاتے۔ آپ کے چچا اس مسند سے آپ کو دور ہٹانے کی کوشش کرتے مگر عبدالمطلب کہتے میرے بیٹے کو کچھ نہ کہو۔

ان کی بڑی عظمت و شان ہے پھر وہ آپ کو اپنی مسند پر بٹھا دیتے اور اپنا ہاتھ ان کی پشت مبارک پر پھیرتے اور جو کچھ آپ کو کرتا دیکھتے اس سے بہت خوش ہوتے۔ جب آپ کی عمر شریف آٹھ برس کی ہوئی تو آپ کے دادا سخت بیمار ہو گئے۔ جب انہیں اپنی موت کی قربت کا احساس ہوا تو انہوں نے اپنے بیٹے ابو طالب کو آپ کے بارے میں وصیت کی۔ چنانچہ حضرت ابوطالب نے حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد آپ پر مہربانی اور شفقت کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ وہ آپ کی نگہداشت کرتے تھے اور اپنی عنایت کے ساتھ آپ کو خاص کیا کرتے تھے۔ صبح شام آپ کی مصاحبت میں رہتے اور اس خیال سے آپ کا غم ہلکا کرنے کی انتہائی کوشش کرتے کہ کہیں یہ داغ یتیمی آپ کو اپنے اکیلے پن کا احساس نہ دلا دے یا آپ احساس محرومی میں مبتلا ہو جائیں۔ حضرت ابوطالب کی بیوی فاطمہ بنت اسد آپ کے ساتھ احسان کیا کرتی اور اپنی اولاد پر آپ کو فوقیت دیتی جبکہ اس نے آپ کے اعلیٰ اخلاق اور یمن و برکت کو بھانپ لیا۔ جناب سیدنا حضرت محمدؐ کے وجود مسعود کی برکات حضرت ابوطالب کے گھر میں بھی ایسی ہی تھیں جیسی کہ حلیمہ سعدیہ اور ان کے خاندان میں۔ جونہی آپ ان میں تشریف لے گئے برکات نازل ہونا شروع ہو گئیں اور رزق ہر طرف سے امڈ پڑے۔ مشہور یہ ہے کہ حضرت ابو طالب مفلوک الحال اور کثیر العیال تھے۔ جب ان کے بچے اکیلے کھانا کھاتے تو کھانا اتنا تھوڑا ہوتا کہ وہ سیر نہیں ہوسکتے تھے مگر جب وہی کھانا جناب سیدنا حضرت محمدؐ کے ساتھ مل کر کھاتے تو سیر بھی ہو جاتے اور ان سے کھانا بچ بھی جاتا تو ابوطالب اپنے بھتیجے سے کہتے:

انک لبار (ابن ہشام نے ابن اسحاق سے روایت کی ہے) السیرۃ النبویۃ' ج ۱' ص 176)

(بے شک آپ بڑے صالح اور بابرکت ہیں)

مبارک یتیم

ابھی جناب محمد بن عبداللہ علیہ ازکی الصلوۃ والسلام رحم مادر میں ہی تھے کہ آپ کی برکات آپ کی قوم اور ساری انسانیت پر امڈ پڑیں اور وہ یوں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابرہۃ اور اس کے لشکر کے مکہ معظمہ اور اس کے بیت اللہ کے بارے برے ارادوں کو ناکام بنا دیا انہیں سخت ہزیمت سے دوچار کیا اور مکان مقدس کی قدسیت کی حفاظت کی اور اس کی حرمت کو محفوظ رکھا تو عرب قریش کی بہت عزت کرنے لگے اور ان کے بارے میں کہا۔

یہ اللہ والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف سے جنگ کی ہے اور دشمن کے شر کے مقابلے میں ان کی کفایت کی ہے۔ گویا کہ یہ فتح و نصرت اس دن کی تمہید تھی جس دن سیدنا محمد بن عبداللہ کی ولادت باسعادت ایک ایسی رسالت کے ساتھ ہوئی جس رسالت نے اس گھر کے شرف کو دوبالا کردیا۔ اس کی قدر و منزلت کو بلند کیا اس کی عظمت' لوگوں کے دلوں میں' اس کی محبت اور اس کے ساتھ ان کے تعلق کو دگنا کردیا۔ پھر کیا تھا برکات کا تانتا بندھ گیا۔ ابولہب نے آپ کی ولادت کی خوشی میں جس وقت اسے خبر پہنچی قبیلہ اسلم کی اپنی ایک لونڈی ثویبہ کو آزاد کردیا تو گویا یہ ولادت مبارکہ اس لونڈی کے لیے برکت' رحمت مژدہ آزادی اور اس حقیقت کا اعلان تھا کہ عنقریب اس مبارک نومولود کے ذریعے ایک انسان کی دوسرے انسان کے ہاتھوں غلامی کی جملہ اقسام کا خاتمہ ہو جائے گا۔

یہ بھی مناسب نہیں کہ ہم آپ کی ان برکات کو بھول جائیں جو حلیمہ سعدیہ کے

حصہ میں آئیں۔ وہ حلیمہ سعدیہ جو دیگر دودھ پلانے والی عورتوں کے ہمراہ قحط زدہ سال میں دودھ پیتے بچوں کی تلاش میں دشت مکہ سے آئیں جب یہ در یتیم ان پر پیش کیے گئے تو سب نے ان کو لینے سے انکار کردیا مگر حلیمہ نے آپ کو لے لیا کیونکہ بغیر بچے کے خالی ہاتھ واپس جانا انہیں ناپسند تھا۔ یہ وہ سب کچھ تھا جس نے انہیں یہ کلمات کہنے پر آمادہ کردیا۔

ہم ایک کمزور اور دبلی پتلی گدھی پر سوار ہو کر مکہ کی طرف نکلے ہمارے ساتھ ہماری بوڑھی اونٹنی بھی تھی۔ بخدا وہ ایک قطرہ دودھ بھی نہیں دیتی تھی۔ ہم اپنے بھوکے بچے کے رونے کے سبب رات کو سو بھی نہیں سکتے تھے۔ جب سے میں نے حضرت محمدؐ کو لیا اور انہیں اپنی گود کی زینت بنایا تو میرے پستان دودھ سے پھوٹ پڑے۔ چنانچہ آپ نے دودھ پیا حتیٰ کہ سیر ہو گئے۔ میرے دوسرے بیٹے نے بھی سیر ہو کر پیا اور دونوں سو گئے۔

میرے خاوند جب اپنی اونٹنی کی طرف گئے تو انہوں نے دیکھا کہ اس کے تھنوں میں سے دودھ بہہ رہا ہے۔ ہم سب نے پیا۔ حتیٰ کہ سیراب ہو کر اور سیر ہو کر ہم نے اپنے ہاتھ اس سے کھینچ لیے۔ ہم نے اپنی رات بڑے اچھے طریقے سے گزاری۔ پھر صبح کے وقت اپنی کمزور گدھی پر سوار ہوئے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس پر سوار کرایا۔ بخدا اس گدھی نے اپنے سواروں کو لے کر وہ مسافتیں طے کیں جو ان کے جوان اور طاقتور گدھے بھی نہ کر سکے حتیٰ کہ میری سہیلیاں مجھ سے کہنے لگیں:

یا ابنة ابی ذوئیب ویحک اربعی علینا الست ہذہ اتانک التی کنت قد خرجت علیہا فاقول لہن بلی واللہ انہا لہی فیقلن لی واللہ ان لہا لشانا"

(اے ابو ذوئیب کی بیٹی تیرا برا ہو ہمارا ذرا انتظار تو کر۔ کیا یہ

وہی گدھی ہے جس پر تو سوار ہو کر گھر سے نکلی تھی۔ میں نے
ان سے کہا ہاں بخدا یہ تو وہی ہے۔ وہ مجھے کہتیں اب تو اس
کے بڑے ٹھاٹھ ہیں)

بہرحال ہم بنی سعد کے صحرا میں ان کے گھروں میں پہنچ گئے، میں نے خدا تعالیٰ کی ساری زمینوں میں سے بنی سعد کی زمین سے زیادہ قحط زدہ اور کوئی زمین نہیں دیکھی تھی۔ مگر آپ کے وجود مسعود کی برکت سے وہ اچانک ہی سرسبز و شاداب ہو گئی اور اس کے پھل وغیرہ پک گئے اور میری بکریاں سیر ہو گئیں۔ ہم ان کا دودھ دوہتے اور پیتے تھے حالانکہ دیگر لوگ اپنی بکریوں کے تھنوں سے ایک قطرہ دودھ بھی نہیں نکال سکتے تھے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ لوگ اپنے چرواہوں سے کہنے لگے تمہارا برا ہو تم بھی وہاں اپنے مویشیوں کو چراؤ جہاں ابوذؤیب کی بیٹی کے چرواہے چراتے ہیں۔ میرے خاوند کہتے اے حلیمہ جان لے بے شک تو نے ایک مبارک روح (انسان) کا انتخاب کیا ہے۔ بیت اللہ شریف کی دوبارہ تعمیر کے بعد حجر اسود کو اپنی اصلی جگہ میں نصب کرنے کے سلسلے میں کعبہ شریف کے پاس آپس میں قتل و قتال پر آمادہ قبائل کے لیے آپ کا وجود مسعود رحمت اور ان کو جنگ اور خونریزی سے نجات دلانے کا باعث ثابت ہوا۔ ان میں سے ہر فریق اس پر بضد تھا کہ حجر اسود کو رکھنے کا سہرا اس کے سر رہے۔ ان میں سے کئی ایک نے تو خون چاٹ لیا اور جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ عقلمند لوگوں نے بیچ بچاؤ کر دیا اور اگلی صبح کعبہ شریف کے دروازے سے سب سے پہلے داخل ہونیوالے شخص کو ثالث مقرر کرنے کا فیصلہ کردیا۔ حسن اتفاق سے سب سے پہلے داخل ہونے والے حضرت محمدؐ بن عبداللہ الصادق الامین تھے۔ ان کو دیکھتے ہی سب خوشی سے چلا اٹھے یہ امین ہیں۔ ہم ان کے فیصلہ پر راضی ہیں۔ انہوں نے سارا معاملہ آپ سے بیان کیا۔

آپ نے فرمایا میری طرف کپڑا لاؤ۔ کپڑا لایا گیا آپ نے پتھر کو اٹھایا اور اپنے

معزز اور مبارک ہاتھوں سے اس کو کپڑے میں رکھ دیا۔ پھر فرمایا ہر قبیلہ کپڑے کو ایک طرف سے پکڑ لے' پھر سب مل کر اس کو اٹھائیں۔ چنانچہ ان سب نے ایسا کیا' یہاں تک کہ جب وہ عمارت کعبہ کے پاس حجر اسود کی جگہ پر پہنچے تو جناب رسول کریمؐ نے اسے اپنے دست مبارک سے اٹھا کر اپنی جگہ میں نصب کر دیا۔ اس طرح اس معاملہ میں ان کے مابین اختلاف ختم کر دیا گیا اور قریش کی جانیں بچالی گئیں پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسالت اسلام کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ برکت عام ہو گئی' رحمت پایہ تکمیل کو پہنچی اور اس مبارک یتیم کے ہاتھوں انسانیت کے ظلم اور کفر کی ظلمتوں سے نور حق' عدل اور سلامتی کی طرف خروج تام ہوا۔ امام ابو زہرہ فرماتے ہیں: رحمت ان دکھوں کی وجہ سے انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے جو انسان کی ذات کو زندگی کے دوران لاحق ہوتے ہیں اور اس کا ظہور اس شخص کی طرف سے ہوتا ہے جس نے کمزوری اور کڑواہٹ چکھی ہو۔ بھلا یتیمی سے بڑھ کر اور کونسی کمزوری ہو سکتی ہے؟

الرحمتہ تنبع من الالام الذ اتیتہ التی تعترض الانسان اثناء الحیاۃ فھی لا تنبعث الا ممن ذاق مرارۃ الضعف وای ضعف اشد من التیتم۔ (الشیخ محمد ابوزہرۃ' خاتم النبیین' ج ۱' ص 130 - 131)

(اس میں کوئی نزاع نہیں کہ سیدنا حضرت محمدؐ یتیم کا ام ایمن جیسی ایک حبشی لونڈی کے ساتھ بحیثیت ماں کے ارتباط و تعلق جناب کے لیے ایک متاع انسانی اور توشہ حیات کی حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے اس کے ساتھ آپ کو نوازا گیا اور یہ اس حقیقت کا پتہ دیتا ہے کہ تمام لوگ برابر ہیں)۔

اور یہ کہ شرافت اور فضیلت اسے حاصل ہے جس کے عمل اچھے ہوں نہ کہ اس کو جو اپنے حسب و نسب پر نازاں ہے اور بے شک اس میں ایک عظیم حکمت تھی کہ آپ کی آیا' جس سے جناب حضرت محمدؐ مستغنی نہیں رہ سکتے تھے' ایک حبشی لونڈی ہو۔ بفرض محال اگر آپ کسی ایسی عورت کی نگہداشت میں پرورش پاتے جو اکابرین قوم سے تعلق رکھتی تو کہا جاتا کہ یہ فضیلت اور یہ اخلاقیات اور یہ ادب جو آپ کے حصہ میں آیا ہے' یہ اس آیا کا مرہون منت ہے' مگر جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آپ کی تربیت حبشی لونڈی کے ہاتھوں پایہ تکمیل کو پہنچی ہے' تو اب ایسی بات کی کوئی گنجائش نہیں بلکہ آپ کو ادب سکھانے والی اور آپ کی پرورش کرنے والی ذات محض اور محض اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے اور جناب رسول کریمؐ نے جو کچھ بھی فرمایا' سچ فرمایا اور جیسا کہ آپ فرماتے ہیں:

ادبنی ربی فاحسن تادیبی

(میرے رب تعالیٰ نے مجھے ادب سکھایا اور بڑے اچھے طریقے سے سکھایا)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فانک لعلی خلق عظیم

اور یہ خلق کا وہ مرتبہ ہے جو تربیت اور رہبری کے لحاظ سے تمام انسانی قوتوں اور طاقتوں کو چیلنج کر رہا ہے اور اس حقیقت کی تصدیق کرتا ہے کہ یہ محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کی ہی عطا ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

الم یجدک یتیما فاوی ووجدک ضالا فھدی ووجدک عائلا فاغنی واما بنعمۃ ربک فحدث

(کیا اس نے تمہیں یتیم نہ پایا پھر جگہ دی اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی اور تمہیں حاجت مند پایا پھر غنی کر دیا)

آپ نے فرمایا:

انا سید ولد آدم ولا فخر سید هم تربیته' سید هم نشأة' سید هم سلوکا' سید هم هدایته' سید هم مقاما" عند الله الذی ادبه فاحسن تادیبه' لیکون المثل الاعلی للانسانته جمعاء۔

(میں اولاد آدم کا سردار ہوں فخر نہیں۔ آپؐ تربیت کے لحاظ سے ان کے سردار ہیں' پرورش کے لحاظ سے ان کے سردار ہیں' سلوک کے اعتبار سے ان کے امام ہیں' ہدایت کے لحاظ سے ان کے مقتدا ہیں اور مقام کے اعتبار سے اللہ کے نزدیک سب سے بلند مقام انہیں حاصل ہے' جس نے آپؐ کو ادب سکھایا اور بڑے عمدہ طریقہ سے سکھایا تاکہ تمام انسانیت کے لیے آپ ایک اعلیٰ نمونہ بنیں)

اللھم صل وسلم و بارک علیہ

اگر حال یہ ہو تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں کہ جب آپؐ ایک صحابی کو سنتے ہیں کہ وہ یہ کلمات کہہ کر دوسرے صحابی کو عار دلا رہا ہے۔

یابن السوداء (سیاہ فام عورت کے بیٹے) تو سخت غضب ناک ہو جاتے ہیں اور آپ تین دفعہ یہ کلمہ دہراتے ہیں۔

"لقد طفح الکمل' لقد طفح الکمل' لقد طفح الکمل۔ لیس لابن البیضاء علی ابن السوداء فضل الا بالتقوی۔

(بے شک پیمانہ لبریز ہوچکا ہے' بے شک پیمانہ لبریز ہوچکا ہے'

بے شک پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ کسی گوری کے بیٹے کو کسی کالی
کے بیٹے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں سوائے تقویٰ کے۔

حضرت محمد سفید رنگ والی خاتون کے فرزند ارجمند تھے مگر آپ کی پرورش کالے رنگ والی عورت نے کی' چنانچہ آپ بیک وقت ان دونوں کے بیٹے تھے۔

مشہور یہ ہے کہ جناب رسول کریم ام ایمن کے بارے میں فرمایا کرتے تھے۔

هذا امی بعد امی

یہ میری حقیقی ماں کے بعد میری ماں ہیں۔

آپ ان کے ساتھ احسانات فرماتے تھے۔ ان پر بڑے مہربان تھے۔ ہر وہ چیز ان کو پیش کرتے جو ان کی رضامندی کا باعث ہوتی اور ان کے دل میں خوشی داخل کرتی۔

ایسا فقیر جو غنی تھا

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اللہ کو پیارے ہو گئے اور اپنے بیٹے کے لیے اپنے پیچھے ترکہ میں ایک لونڈی' پانچ اونٹ اور بکریوں کا ایک ریوڑ چھوڑا۔ یہ ایک ایسا ترکہ تھا جس نے آپ کو فقیروں کی صف میں لا کھڑا کیا' چنانچہ آپ کام اور کمائی کرنے پر مجبور ہو گئے۔ بچپن سے ہی بکریاں چرانے میں مصروف ہوئے۔ آپ ان کو چند قیراط (پیمانہ) کے بدلے چرایا کرتے جو ان کے مالکوں سے وصول کرتے۔

اور یہ قیراط ان لوگوں کی طرف سے ایک وظیفہ تھا جس کے ذریعے مع خاندان ابوطالب آپ اپنی خورد و نوش کا بندوبست کرتے اور ان میں سے کچھ فقراء کو بھی عطا کرتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بکریاں چرانے میں آپ کی مصروفیت بہ ارادہ الٰہی تھی' جو عظیم اور معنی خیز حکمت پر مبنی تھا۔ آپ سے پہلے بھی تمام انبیاء علیہم السلام بکریاں چراتے تھے۔

یہ ایک ایسا کام ہے' جو اس شخص کو' جو اسے سرانجام دیتا ہے' ضعیفوں کے

ساتھ نرمی' ان پر مہربانی' صبر' اچھی قیادت' بگوڑے شخص کی دلجوئی اور اسے سوسائٹی کی طرف واپس لانے کا عادی بناتا ہے۔

ابن اسحاق نے اپنی سند کے ساتھ درج ذیل حدیث بیان کی ہے۔

قال رسول اللہ "ما من نبی الا وقدرعی الغنم" قیل و انت یا رسولؐ اللہ' قال "وانا"۔ (سیرۃ ابن ہشام' ج 1' 174) روض الانف میں وارد ہوا ہے۔

انما جعل اللہ تعالی ہذا فی الانبیا لیکونوا رعاۃ الخلق ولتکون امتھم رعایۃ لھم۔ (الروض الانف' ج 1' ص 11' مطبوعہ مغرب)

(جناب رسول اللہ نے فرمایا کوئی نبی بھی ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ عرض کی گئی اور آپ نے بھی چرائی ہیں فرمایا ہاں میں نے بھی چرائی ہیں)۔ روض الانف میں آیا ہے۔

(اللہ تعالیٰ نے بکریاں چرانے کا کام انبیاء میں اس لیے جاری فرمایا تاکہ وہ مخلوق کے بھی نگہبان بنیں اور ان کی امت بھی ان کی زیر نگرانی رہے)۔

جب آپؐ پوری قوت کے ساتھ سن شباب کو پہنچے تو آپ تجارت میں مشغول ہو گئے اور اپنے چچا کے ہمراہ شام کا سفر کیا۔ آپ نے پرورش پائی اور اللہ تعالیٰ بذات خود آپ کی نگہداشت اور حفاظت فرما رہے تھے جاہلیت کی سفلی باتوں اور مفاسد سے آپ کو پاک رکھا ہوا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت آپ کے بارے میں ایسے ہی ہوئی اور اس لیے بھی کہ اس بار رسالت کو اٹھانا تھا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے تیار کر رکھی تھی اور اس سے آپ کو نوازنا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے آپ کو غنی کر دیا اور حضرت خدیجہ کی تجارت کے لیے آپ کو سفر پر

آمادہ کیا۔ وہ خدیجہ جو دولت کے لحاظ سے اپنے زمانہ کی عورتوں سے بڑھ کر تھیں اور رتبہ کے لحاظ سے ان سب سے بڑی تھیں' آپ ان کے مال کو تجارت میں لگا کر دوسروں کی نسبت کئی گنا زیادہ نفع کمانے لگے' تو نتیجۃً حضرت خدیجہ کا آپ کی ذات میں یقین پختہ ہوگیا اور وہ آپ کی امانت داری اور تجارت کے معاملات میں حسن تدبر سے مطمئن ہوگئیں' چنانچہ انہوں نے آپ سے شادی کرلی اور اپنا سارا مال آپ کے قدموں پر نچھاور کر دیا۔ آپ جیسے چاہتے اس میں تصرف فرماتے۔ آپ نے اپنی امانت' دانائی اور حسن تدبیر کے ساتھ ان کی مدد فرمائی اور اس کے بدلے حضرت خدیجہ نے اپنے مال' اپنی محبت اور اپنے اخلاص کے ساتھ آپ کے لیے سامان تسلی بہم پہنچایا' پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ سے حضرت خدیجہ کو نیک اولاد عطا کی' تو حضور کے لیے حضرت خدیجہ کی محبت اور اخلاص میں اضافہ ہوگیا۔

عزت والا اور طاقت والا وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ باعزت اور طاقتور بنا دے

ابوحیان نے اپنی "بحر" میں اور دوسروں نے حضرت امام جعفر صادق سے نقل کیا ہے کہ امام جعفر نے فرمایا۔

انما یتم رسول اللہ لئلا یکون علیہ حق لمخلوق

(سُبُل الھدیٰ ج ۱' ص 393)

(جناب رسول کریم اس لیے یتیم کیے گئے کہ کسی مخلوق کا آپ پر کوئی حق نہ ہو)

ابن العمار نے "کشف الاسرار" میں لکھا ہے۔

انما رباہ یتیما لان اساس کل کبیر صغیر و عقبی کل ضعیف قوی عزیز و ایضا" لینظر صلی اللہ علیہ وسلم

اذا وصل الی مدارج عزه الی اوائل امره لیعلم ان العزیز من اعزه اللہ تعالی وان قوتہ لیست من الاباؤ والا مہات ولا من المال بل قوتہ من اللہ تعالی وایضا لکی یرحم الفقرا والا یتام۔

(اللہ تعالیٰ نے بحیثیت یتیم آپ کی اس لیے پرورش کی ہے کہ چونکہ ہر بڑے کی بنیاد چھوٹا ہوتا ہے اور ہر کمزور کا انجام صاحب قوت و عزت ہوتا ہے اور اس لیے بھی کہ تاکہ جب آپ مدارج عزت طے کرلیں تو آپ کی نظر اپنے معاملہ کی ابتداء کی طرف ہو اور آپ جان لیں کہ بے شک قوت والا وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ قوت عطا کرے اور یہ کہ آپ کی نظر اپنے معاملہ کی ابتداء کی طرف ہو اور یہ کہ آپ کی قوت اپنے آباؤ اور امہات کی طرف سے نہیں ہے اور نہ ہی مال سے ہے بلکہ اس کے برعکس آپ کی قوت کا منبع خدائے واحد کی ذات پاک ہے اور پھر اس لیے بھی کہ جب آپ نے خود فقر اور یتیمی کی زندگی گزاری ہوگی تو آپ فقیروں اور یتیموں پر رحم کریں گے)

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

کان یتمہ برکۃ و رحمۃ

و کان فقرہ لطفاً و نعمۃ

و رباہ ربہ۔۔واکرمہ

و ادبہ فاحسن تادیبہ۔

(آپ کی یتیمی برکت اور رحمت تھی اور آپ کا فقر لطف و نعمت تھا۔ آپ کے رب تعالیٰ نے آپ کی پرورش فرمائی اور آپ کو

عزت بخشی۔ آپ کو ادب سکھایا اور بہت ہی اچھے طریقے سے سکھایا)
بعد ازاں اے نبی کریمؐ اللہ تعالی آپ پر درود بھیجے۔ وہ نبی جس کی بنیبی برکت اور رحمت تھی اور جس کا فقر لطف و نعمت تھا' چنانچہ قرآن پاک میں اللہ تعالی فرماتے ہیں۔ **لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رووف رحیم۔**

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔

وما ارسلنک الا رحمتہ للعالمین۔

(جب سات آسمانوں کے اوپر سے خود اللہ جل جلالہ کی ذات مقدس اور اس کے فرشتے بھی آپ پر درود بھیج رہے ہیں تو تمام انسانیت بلکہ تمام عالم کے یہ کس قدر لائق ہے کہ وہ اس نعمت عظمیٰ اور بطور تحفہ دی گئی رحمت پر درود بھیجے' جو پاکیزہ چیزیں ان کے لیے حلال فرماتے ہیں اور ناپاک اور گندی چیزیں ان کے لیے حرام ٹھہراتے ہیں اور وہ بوجھ جو ان پر لدے ہوئے تھے وہ ان سے ہٹاتے ہیں اور اللہ تعالی کے اذن سے سیدھے راستے کی طرف ان کی راہنمائی کرتے ہیں۔

ویحل لھم الطیبات و یحرم علیھم الخبائث ویضع عنھم اصرھم والا غلال التی کانت علیھم ویھدیھم باذن ربھم الی الصراط المستقیم۔

یا ایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلمو تسلیما واللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ ویختص برحمتہ من یشاء۔

اے اہل ایمان ان پر درود پڑھو اور خوب سلام کرو۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کہاں اپنی رسالت کو رکھے اور جسے چاہتا ہے اپنی رحمت (رسالت و نبوت) سے نوازتا ہے۔

احادیثِ زیارت کی صحت پر
ناقابلِ تردید دلائل

تصنیف

فضیلۃ الشیخ محمود سعید ممدوح

ترجمہ

علامہ محمد عباس رضوی

عالمی دعوتِ اسلامیہ
۱۔ فصیح روڈ۔ اسلامیہ پارک لاہور فون ۵۹۲۰۰۳
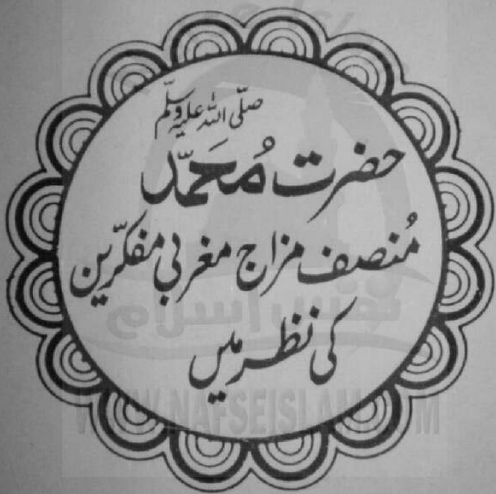
صلی اللہ علیہ وسلم
حضرت محمد
منصف مزاج مغربی مفکرین
کی نظر میں
WWW.NAFSEISLAM.COM

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لے کر آج تک انصاف پسند مغربی مفکرین اور علماء جناب سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت پر اپنی تمام تر توجہات مرکوز کیے ہوئے ہیں۔ وہ اس شخصیت میں موجود عظمت کے گوناگوں پہلوؤں کی تلاش میں اور ان مظاہر قوت سے روشناس ہونے اور آگاہی حاصل کرنے میں کوشاں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عنایت فرمائے ہیں۔

کارلائل

ان منصف مزاج مفکرین میں سے ایک انگریز مصنف کارلائل ہیں۔ جو ہیرو ازم سے محبت رکھتے تھے اور وہ ہر میدان میں اس خصوصیت کے حامل حضرات کی کھوج میں لگے رہتے تھے۔ اپنی اسی لگن کے پیش نظر انہوں نے "الابطال" کے عنوان سے ایک کتاب بھی تالیف کی۔ جس میں رسول اسلام علی صاحبہ السلام کے لیے ایک کامل فصل مختص کی۔ اس میں انہوں نے اسلام کے بارے جن اکاذیب (جھوٹ) کی اشاعت کی جاتی ہے ان کی تصدیق کرنے اور اس کے نبی علی صاحبہ السلام کے بارے جن لغویات اور تعدیات (دست درازیاں) کا چرچا کیا جاتا ہے' سے لوگوں کو خبردار اور متنبہ کیا اور کہا کہ وہ رسالت جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے وہ کروڑوں انسانوں کے لیے چودہ صدیوں سے ایک چمکتا ہوا چراغ اور شمع ہدایت رہی ہے۔ تو پھر کیا یہ بات عقل میں آسکتی ہے کہ یہ رسالت جس پر یہ کروڑوں انسان زندہ رہے ہیں اور پھر اسی پر مر گئے جھوٹ یا دھوکہ ہو سکتی ہے؟

پھر انہوں نے ان سے پوچھا کہ کیا انہوں نے کوئی ایسا جھوٹا آدمی دیکھا ہے جو یہ

کر سکا ہو کہ کوئی نیا دین وجود میں لایا ہو اور ایسی صورت میں اس کی نشرو اشاعت کا اہتمام کرے جس صورت میں اسلام کی نشرو اشاعت ہوئی۔ اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ جو رسالت جناب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنچائی وہ سوائے حق و سچ کے اور کچھ نہیں اور جو کچھ آپ نے فرمایا وہ تو سوائے ایک۔ سچی آواز کے اور کچھ نہیں جو ایک انجانے جہان سے آ رہی ہے۔ وہ تو بس ایک روشن ستارہ ہے' جس نے ۔ جہان کو منور کر دیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے **وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء**

پھر وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> **لقد احببت محمداً صلی اللہ علیہ وسلم لخلو نفسہ من الریاء و النفاق و بر تہا من التصنع و الطمع و حب الدنیا لقد کان منفرداً بنفسہ العظیمۃ و خالق الکون و الکائنات و قدرای سر الوجود یسطع امام عینیہ باحوالہ و محاسنہ**

> میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں کیونکہ آپ کا دل ریاکاری اور منافقت سے پاک تھا۔ بناوٹ' لالچ' اور حب دنیا سے بری تھا۔ آپ کو اپنے نفس عظیمہ اور خالق کون و مکان کے ساتھ یکسوئی حاصل تھی اور آپ نے راز وجود کو اس کے سارے احوال اور محاسن کے ساتھ اپنی آنکھوں کے سامنے چمکتے دیکھا۔

جناب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پاکیزہ اور منزہ صحرائی طبیعت کے قلب سے آ رہی تھی۔ یہی سبب ہے کہ کانوں سے فوراً ہی دلوں تک پہنچی اور اس کے کلمات دلوں میں گھر کر گئے۔ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو متکبر تھے

اور نہ ہی ذلیل۔ آپ جھوٹی موٹی ملمع سازیوں سے راضی نہیں ہوتے تھے اوہام باطلہ کا خوف آپ کو مضطرب نہیں کرتا تھا اور آپ نے اپنی عاجزی والی جگہ اور پیوند لگے کپڑوں کے ساتھ شاہان عالم اور قیاصرہ کو ان کی اصلاح کی خاطر انہیں عذاب الٰہی کا ڈر سنانے کے لیے متنبہ کیا اور ان سے مخاطب ہوئے۔ بے شک حق کے سلسلہ میں کسی ملامت گر کی ملامت کا آپ نے کبھی بھی خوف نہ کیا اور جس مال' مرتبہ اور اقتدار کی پیش کش آپ کو کی گئی آپ نے اسے ٹھکرا دیا اور اس حال میں زندگی بسر فرمائی کہ آپ دنیا سے بے رغبتی رکھنے والے تھے۔ فقر کو اختیار کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں اجتہاد کرنے والے تھے اور وہ خطرات جو آپ کو پیش آ سکتے تھے اور وہ رکاوٹیں جو آپ کے راستہ میں حائل ہو سکتی تھیں ان کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے دین کی اشاعت پر پوری طرح عمل پیرا تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے دین حق کو زمین میں غلبہ عطا فرمایا' وہ پھیلتا ہی گیا اور بار آور ہوا۔

لارڈ ہاڈلے

وہ لوگ جنہوں نے اسلام کا مطالعہ کیا اس کا نعرہ لگایا اور اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کلمہ حق کہا ان میں سے ایک لارڈ ہاڈلے بھی ہیں۔ یہ وہ ہیں جو لکھتے ہیں "میں نے غور و فکر کیا اور چالیس سال تک گوشہ نشین رہا تاکہ حقیقت کو پا لوں اور اس بات کا اعتراف کرنا میرے لیے ضروری ہے کہ شرق مسلم کے میرے سفر نے مجھے آسان و مبنی بر سہولت دین محمدی (علی صاحبہ السلام) کے احترام سے بھر دیا۔ یہ وہ دین ہے جو ایک انسان کو عمر بھر کے لیے اللہ تعالیٰ کا عبادت گزار بنا دیتا ہے نہ کہ صرف اتوار کے دنوں میں' اور میں اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے اس اسلام کا راستہ دکھایا ہے جو میرے دل میں ایک پختہ حقیقت بن گیا ہے اور مجھے وہ سعادت و طمانیت نصیب کی ہے جو اس سے پہلے میرے حصے میں نہیں آئی تھی۔ میں تو بلاشبہ ایک اندھیری کوٹھڑی میں تھا۔ بعد ازاں

اسلام نے مجھے فراخ زمین کی طرف نکالا، جس کو دن کا سورج منور کیے ہوئے تھا۔ چنانچہ میں سمندر کی خالص اور پاکیزہ ہوا سونگھنے لگا"۔ لارڈ ہاڈلے حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے بارے میں بحیثیت ایک اعلیٰ و ارفع اور کامل نمونہ ہونے کے گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں "بے شک نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے قوی اور مضبوط اخلاق تھے اور آپ کی ایک ایسی شخصیت تھی جس کو زندگی کے ہر ہر قدم پر تولا گیا۔ اس کی چھان بین کی گئی اور اس کو آزمایا گیا۔ مگر اس میں مطلقاً" کوئی نقص نہ نکلا" چونکہ آج ہم ایک ایسے کامل نمونے کے محتاج ہیں جو زندگی میں ہماری ساری احتیاجات کو پورا کرنے والا ہو تو یہ حاجات نبی مقدس حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ہی پورا کر سکتی ہے اور یہ ایک ایسی شخصیت ہے جو ہمیں ترقی یافتہ، عقل، سخاوت و کرم، شجاعت، پیش قدمی، صبر، بردباری، سکون، عفو، تواضع اور حیاء کا عکس دکھاتی ہے اور اس میں ان تمام اصلی و حقیقی اخلاق کا پرتو نظر آتا ہے جو انتہائی اعلیٰ و ارفع شکل میں انسانیت کی تعمیر کرتے ہیں اور یہ سارا کچھ ہم آپ کی شخصیت میں نورانی رنگوں میں دیکھتے ہیں۔

مائیکل ہارٹ

یہ ہیں مائیکل ہارٹ مشہور عالم خلا جو انسانوں میں پائی جانے والی عظمت اور ان میں سے جن کے نام آج تک زندہ ہیں، ان کا کھوج لگانے پر فریفتہ ہیں۔ انہوں نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس کا عنوان ہے "الخالدون مائۃ اعظمھم محمد رسول اللہ" (سو (۱۰۰) وہ ہمیشہ رہنے والے جن کے سب سے بڑے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) مائیکل مسلمان نہیں ہیں وہ ایک امریکی مسیحی محقق ہیں۔ انہوں نے شخصیات میں سے سو (۱۰۰) ان شخصیتوں کا انتخاب کیا ہے جنہوں نے انسانی زندگی پر واضح اور نمایاں اثرات چھوڑے ہیں۔ ان سو (۱۰۰) میں سے سرفہرست رسول اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے ذکر کو لائے ہیں۔ یہ بلاشبہ مغرب کی

طرف سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اسلام کی انسانیت اور تہذیب پر فضیلت کا کھلا اعتراف ہے۔ جو کچھ مائیکل اپنی کتاب میں کہتا ہے ہمیں چاہیے کہ ہم اسے دل و جان سے سنیں۔ وہ لکھتا ہے:

"بے شک حضرت محمد علیہ السلام تاریخ میں وہ واحد انسان ہیں جنہوں نے دینی اور دنیاوی دونوں میدانوں میں مطلق کامیابی حاصل کی۔ انہوں نے اسلام اور اس کی اشاعت کی طرف اس طرح لوگوں کو دعوت دی جس طرح عظیم ادیان میں سے کسی بھی بڑے دین کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیک وقت ایک سیاسی، فوجی، اور دینی قائد بنے۔ باوجود اس کے کہ آپ کی وفات کو تیرہ صدیاں گزر چکی ہیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر تازہ بہ تازہ اور نو بہ نو ہے۔ آپ کی نظر کرم سے مسلمانوں نے اپنی دعوت کے باعث ایک وسیع سلطنت قائم کی جو حدود ہند سے لے کر محیط اطلس تک پھیلی ہوئی تھی اور یہ سب سے بڑی سلطنت تھی جو آج تک تاریخ میں کبھی بھی وجود میں آئی ہو۔ مسلمان جس شہر میں بھی داخل ہوئے وہاں اسلام پھیلایا اور رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم قواعد اسلام، اصول شریعت، اجتماعی اور اخلاقی طرز عمل اور لوگوں کی دینی زندگی کے مابین معاملات کے اصول کی بنیاد رکھنے کے واحد اور پہلے ذمہ دار ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم صرف آپ پر ہی نازل ہوا اور مسلمان قرآن میں ہر وہ چیز پاتے ہیں جس کی انہیں دنیا اور آخرت میں ضرورت ہے"۔

ڈاکٹر گرینے

ڈاکٹر گرینے بڑے سرور اور انبساط میں اپنے اسلام لانے کا سبب بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں:

"میں نے قرآن کریم کی وہ آیات تلاوت کیں جن کا طبی علوم،

حفظان صحت اور طبیعات کے ساتھ تعلق ہے۔ میں ان کا مطالعہ کرنے لگ گیا۔ پھر میں نے ان کا ان طبی علوم، حفظان صحت اور طبی معلومات کے ساتھ موازنہ کیا جو میں نے یونیورسٹی میں پڑھی تھیں۔ تو نتیجۃً میں نے قرآنی آیات کو بالکل ان پر منطبق پایا۔ چنانچہ میں اس لیے اسلام لایا کیونکہ مجھے اس کا پختہ یقین ہوگیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار سال کے عرصے سے بھی پہلے واضح حق لے کر آئے۔ جس تک ہماری اپنے اس جدید زمانہ میں بھی رسائی نہیں ہو سکی اور مجھے یقین واثق ہے کہ اگر ہر صاحب علم و فن جیسا کہ میں نے کیا ہے اگر اس طرح کرے کہ وہ اپنے علم و فن اور جدید معلومات کا قرآنی تعلیمات کے ساتھ موازنہ کرے تو وہ ضرور بر ضرور میری طرح دائرہ اسلام میں داخل ہو جائے گا سوائے اس شخص کے جو اسلام سے روگردانی کرنے والا ہو یا اس کے دل میں بیماری ہو"۔

رینے گرینیو

رینے گرینیو یا عبدالواحد یحیٰ جیسا کہ اس نے اپنا اسلامی نام رکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"میں نے کسی ایسی نص الٰہی کو مضبوطی سے تھام لینے کا ارادہ کر لیا جس کی طرف باطل نہ آگے کی طرف سے اور نہ پیچھے کی طرف سے راہ پاتا ہو۔ طویل، عمیق، کمزور و لاغر بنا دینے والے مطالعہ کے بعد میں نے سوائے قرآن کریم کے اور کوئی نص الٰہی اس پر پوری اترتی نہ پائی۔ یہی وہ واحد کتاب ہے جس نے مجھے مطمئن کر دیا اور جو کچھ میرے دل میں آیا اور جیسا میں چاہتا تھا ویسا اس میں مجھے مل گیا۔ رسول اسلام علی صاحب السلام وہ رسول ہیں جن سے میں نے محبت کی اور ان کے جھنڈے تلے

چل کے سعادت مند ہوا اور ان کے اقوال و افعال نے مجھے نفسانی خوشی اور روحانی سکون کے ساتھ ڈھانپ لیا۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مسعود نہ ہوتا تو انسانیت مادیت' الحاد' اخلاقی انحطاط' اور روحانی بربادی کے سمندر میں غرق ہو جاتی"۔

اس کے بعد وہ ثقافت اسلامیہ اور مغرب پر اس کے اثرات کے بارے بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"بے شک ثقافت اور انسانی علوم سرچشمہ نور و ہدایت ہیں۔ اگر علماء اسلام اور مسلمان فلاسفر نہ ہوتے تو مغرب والے جہالت اور ظلمت کی اندھیریوں میں بھٹکتے پھرتے۔

الفانس ڈینیا (ڈینا)

یہ فنکار عالمی مصور الفونس اٹین ڈینیا ہیں جنہوں نے لمبا عرصہ فکر و تامل کرنے کے بعد اسلام قبول کیا اور ان کا نام ناصر الدین رکھا گیا اور یہ واقعی اللہ تعالٰی کے دین کے مددگار تھے۔ انہوں نے اس دفاع اور حقیقت اسلام کے بارے مستشرقین نے جن غلط اور گمراہ کن معانی و مفاہیم کی اشاعت کی تھی ان کی تصحیح میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ انہوں نے سیرت نبویہ علی صاحبہا السلام پر ایک کتاب لکھی اور اسے ان شہداء کے ارواح کے ساتھ منسوب کیا جو بڑی جنگ یعنی جنگ بدر میں شہید ہوئے۔

الفونس کہتے ہیں "کہ عقیدہ محمدیت (علی صاحبہا السلام) انسانی سوچ و بچار کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنتا۔ ایک انسان بیک وقت صحیح الاسلام اور صحیح العقیدہ مسلمان اور آزاد خیال ہو سکتا ہے"۔ نیز کہتے ہیں دیگر ادیان عالم کی طرح دین اسلامی میں معبود نے انسانی شکل اور اس کے علاوہ دیگر اشکال اختیار نہیں کیں۔ بے شک یہود کا معبود "یا ہو" ہے۔ جس کی پاکیزگی میں مثال بیان کرتے ہیں اور اسے

بڑی شرمناک اور گھٹیا شکلوں میں پیش کرتے ہیں۔

ایسا ہی مصور انجیلوں کے نسخوں میں بھی معبود دکھائی دیتا ہے۔ جہاں تک اسلام میں معبود کا تعلق ہے اس کے بارے میں قرآن کریم نے ہم سے مفصل بیان فرمایا ہے اور جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کسی مصور یا سنگ تراش نے جرات نہیں کی کہ اس پر اس کا قلم چل سکے یا کوئی سنگ تراش اسے گھڑ سکے۔ اس لیے کہ بلاشبہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی کوئی صورت نہیں نہ اس کے لیے کوئی حدود و جہات ہیں۔ نہ اس کا کوئی شبیہہ اور مثیل ہے۔ وہ ایک ہے' اکیلا ہے' یکتا ہے' بے نیاز ہے' جس کی کوئی اولاد نہیں' جس کو کسی نے نہیں جنا اور کوئی بھی اس کے برابر نہیں۔

ٹالسٹائے

عظیم روسی مصنف کو یہ بات بہت بری لگی کہ اعدائے اسلام' اسلام اور اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اپنے زہریلے نشتر چلائیں۔ وہ یوں لکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ "بے شک یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان عظیم مصلحین میں سے تھے جنہوں نے انسانیت کی عظیم خدمات کیں اور آپ کے لیے بطور فخریہ کافی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل طور پر نور حق کی طرف اپنی امت کی رہبری کی اور انہیں امن و سلامتی کی طرف جھکا دیا اور خون ریزیوں سے اسے روک دیا۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بطور فخریہ بھی کافی ہے کہ آپ نے ترقی و تقدم کا راستہ کھول دیا۔ یہ بڑا عظیم کام ہے۔ یہ وہی شخص کر سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے انسانی استطاعت سے مافوق الفطرت' قوت' حکمت' اور علم عطا کیا ہو۔ اسی لیے آپ قدر و منزلت اور احترام و اجلال کے لائق ہیں"۔

روگے گارودی

یہ روگے گارودی ہیں، جن پر اللہ تعالیٰ نے انھیں اسلام کی دولت سے نواز کر احسان فرمایا۔ یہ نعمت اس وقت انھیں نصیب ہوئی جب انھوں نے ایک لمبا سفر اختیار کیا اور اس دوران کئی ادیان، عقائد اور مختلف نظریات کے مطالعہ میں منہمک رہے۔ جب انھوں نے اسلام کا مطالعہ کیا اور اس کی حقیقت سے آشنا ہوئے تو اس کے علاوہ باقی سب ادیان سے انکار کردیا اور اس کا برملا اعلان کرتے ہوئے پکار اٹھے کیونکہ وہ اب خاموش نہیں رہ سکتے تھے۔ پھر یہ فیصلہ دیا کہ اسلام ہی دین حق ہے اور اس میں ہی انسانیت کی نجات کا واحد حل ہے جو اپنے تاریک انجام کے آگے دم توڑ رہی ہے، جس کے دہانے اس کو کمزور، کہنہ ادیان ناکام اور پر فریب نظریات نے لا کھڑا کیا ہے۔ گارودی بڑی تفصیل کے ساتھ اسلام اور انسانیت کے مستقبل کے بارے میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: " **ان الخصارة الجديدة تنبع من الاسلام عقيدة و منهج حياة** بے شک جدید تہذیب عقیدہ اور منہج حیات (طریقہ زندگی) کے لحاظ سے اسلام سے ہی پھوٹتی ہے"۔

بعد ازاں وہ اپنی بات کا رخ اسلام کے اندر جو نرمی و سہولت پائی جاتی ہے اس طرف موڑتے ہوئے کہتے ہیں " بے شک قرآن کریم نے اہل کتاب یعنی اصحاب تورات و انجیل کا اعتراف کیا ہے اور انھیں اس بات کا اختیار دیا کہ چاہیں تو وہ جس دین پر ہیں اس پر قائم رہیں یا چاہیں تو اسلام میں داخل ہو جائیں اور جناب رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **لا فضل لعربی علی عجمی الا بالتقوی** "کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں بجز تقویٰ کے"۔ لوگ اسلام میں تقویٰ کے ذریعے ہی سے ایک دوسرے سے ممتاز ہوتے ہیں اور عمل صالح کے ذریعے ہی سے ایک دوسرے پر فضیلت اور سبقت لے جاتے ہیں نہ کہ امارت، مرتبہ اور حسب و نسب کے ذریعے سے، اللہ کے حضور سب برابر ہیں۔ اسلام میں طبقے نہیں،

نہ ہی اس میں کوئی مخصوص، چنی ہوئی قومیں یا ممتاز گروہ ہیں۔ اسلام بڑی عمدہ شکلوں اور صورتوں میں بھائی چارے، خود کفالت اور مساوات کا دین ہے۔ اسلام اپنی نشرو اشاعت کے لیے قوت اور ہتھیاروں کا محتاج نہیں کیونکہ اس کی طبیعت، اس کے احکام، اس کی نرمی و سہولت پسندی، اس کا اعلیٰ نمونہ ہونا جو اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا ہے۔ یہ سب چیزیں ایسی ہیں جنھوں نے لوگوں کے دلوں کی طرف اس کا راستہ کھول دیا۔ گارودی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث شریف کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر

(ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف واپس آئے)

جہاد اکبر نفس کی خواہشات اور اس کے میلانات مثلاً ظلم، طمع، غرور، خود ستائی، کمزوری، مال کی محبت اور اس پر مر مٹنے کے خلاف جہاد ہے۔ پھر کہتے ہیں یہ عظیم نبوی طرز عمل، ان انقلابیوں کے لیے ایک اہم سبق کی حیثیت رکھتا ہے جو سوائے اپنی ذاتوں کے باقی ہر چیز میں تبدیلی چاہتے ہیں۔ پھر گارودی چند احادیث نبویہ شریفہ کا جائزہ لیتے ہیں اور ان میں جو جمال اور اعلیٰ انسانیت کا درس پایا جاتا ہے اس کو بیان کرتے ہیں۔ گارودی درج ذیل احادیث پر زور دیتے ہیں اور انھیں اپنا محور نظر بناتے ہیں۔

لا یومن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحبہ لنفسہ

(تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ جو چیز اپنے لیے پسند کرتا ہے وہی اپنے بھائی کے لیے پسند نہ کرے)

اور اس حدیث شریف پر

المسلم اخو المسلم لا یظلمہ و لا یخذلہ و لا یکذبہ و لا یحقرہ

(ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے وہ نہ تو اس پر ظلم کرتا ہے نہ ہی اس کا ساتھ چھوڑتا ہے نہ اسے جھٹلاتا ہے اور نہ ہی اسے حقیر سمجھتا ہے)

اور اس حدیث شریف پر

کل المسلم علی المسلم حرام دمہ و مالہ و عرضہ

(ہر مسلمان کا خون' اس کا مال اور اس کی عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے)

المومن للمومن کالبنیان یشد بعضہ بعضا

(ایک مومن کی مثال دوسرے مومن کے لیے اس عمارت کی سی ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کے لیے باعث تقویت ہو)

اس کے بعد گارودی کہتے ہیں:

یہ احادیث مذکورہ بالا ایک عام قانون کی حیثیت رکھتی ہیں جن کا اپنی زندگیوں میں اہتمام کرنا تمام مسلمانوں کے لیے لازم ہے۔ کیونکہ یہ مسلمان ایک ایسی امت ہیں جن کے بڑے بلند پایہ مطامح نظر ہیں جو مضبوط بنیادوں پر قائم ہیں۔ اسلام ایک ایسا دستور ہے جو ان کے آپس کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے اور ایک ایسی حقیقی دوستی اور مضبوط اور سچی محبت قائم کرنا اس کا مقصود ہے جو ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کے ساتھ پختہ بنیادوں پر تعلق استوار کرتی ہے اور حقیقتاً انہیں اس سیسہ پلائی دیوار کی مانند بناتی ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کو تقویت پہنچا رہا ہو۔

ریون پاسورث سمتھ

یہ عالم جو آکسفورڈ یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں اپنے ایک لیکچر میں جو انہوں نے "محمد والمحمدیہ" کے موضوع پر ۱۸۷۳ میں دیا' کہتے ہیں:

"جو کچھ سابق مورخین نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی رسالت کے بارے میں لکھا اس میں ہم کسی قسم کے قصے کہانیاں، اوہام اور ناممکن باتیں نہیں پاتے۔ ہر چیز اس میں روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ یوں لگتا ہے کہ گویا آپ کی ذات چاشت کا سورج ہے جس کی شعاعوں کے نیچے ہر چیز چمک رہی ہو اور عجیب بات یہ ہے کہ کوئی بھی اور ایسی علمی شخصیت نہیں پائی جاتی جس کے بارے میں اتنے طویل زمانوں تک لکھا جاتا رہا ہو جو حضرت محمد رسول اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لکھا گیا اور تا ابد لکھا جاتا رہے گا۔

مارگولیتھ

مارگولیتھ نے اپنی کتاب "محمد" جو امتوں کی عظیم شخصیتوں کے بارے میں سن ۱۹۰۵ میں طبع ہوئی ذکر کیا۔ وہ لکھتے ہیں: "بے شک وہ لوگ جنہوں نے جناب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر لکھا ہے ان کے ناموں کا ذکر ختم ہونے کو نہیں آتا اور وہ لوگ اس مصنف کے لیے یہ بڑا اعزاز سمجھتے ہیں کہ اس نے سیرت رسول علی صاحبہا السلام پر لکھنے والوں میں اپنی جگہ بنا کر شرف و اعلیٰ منزلت حاصل کر لی۔ مجلہ "مقتبس" جس کو تقریباً اسی (۸۰) سال سے زیادہ عرصہ سے محمد کرد علی نکال رہے ہیں اس رسالہ نے یورپی زبانوں میں جو کچھ سیرت نبوۃ کے بارے میں لکھا اس کا جائزہ لیا گیا تو یہ تقریباً تیرہ سو کتابیں بنتی ہیں تو پھر اس کا کیا اندازہ ہے جو اسی سالوں کے آخر میں مختلف زبانوں اور عربی زبان میں لکھا گیا"۔

سیدی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(اے میرے سردار اے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم)

یا اشرف المرسلین و خاتم النبیین..... یا من علیک صلی اللہ و الملائکتہ اجمعون

(اے تمام رسولوں میں سے اشرف رسول، اور تمام نبیوں میں سے آخری نبیؐ اے وہ ہستی جس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے سارے فرشتے درود بھیجتے ہیں)

آپ کی شخصیت میں عظمت کے جو گوناگوں پہلو پائے جاتے ہیں ان کا شمار کیسے ممکن ہے؟ بے شک اس دنیا کے ہر بڑے آدمی میں عظمت کے مختلف پہلوؤں میں سے کوئی نہ کوئی پہلو ضرور پایا جاتا ہے جو اس کے لیے طرہ امتیاز ہوا کرتا ہے مگر آپ تو عظمت کے تمام پہلوؤں کے ساتھ منفرد و ممتاز ہیں۔ آپ برگزیدہ ہیں اور تمام پہ فائق ہیں۔ علما و مفکرین جتنی بھی کوششیں کریں گے اور کرتے رہیں گے آپ کی شخصیت میں پائے جانے والے عظمت کے گوناگوں پہلوؤں کا احصاء نہیں کر سکیں گے۔
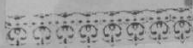
اپنی اولاد اور ورثاء کو خصوصاً حضور ﷺ کے بارے میں

صحابہ کی وصیتیں

تالیف:
مفتی محمد خان قادری

عالمی دعوتِ اسلامیہ
ا فصیح روڈ اسلامیہ پارک لاہور

چاند
ہم پر
طلوع ہوگیا

طلع البدر علینا من ثنیات الود اع

و جب الشکر علینا مادعا للہ د اع

ایہا المبعوث فینا جئت باالامر المطاع

جئت شرفت المدینتہ موحبا یا خیر د اع

ترجمہ: وداع کی گھاٹیوں سے چاند ہم پر طلوع ہوگیا ہے جب تک کوئی بھی پکارنے والا اللہ تعالیٰ کو پکارتا رہے ہم پر اس کا شکر واجب ہے۔ اے وہ ہستی جو ہم میں نبی بنا کر بھیجی گئی ہو آپ ایک ایسا حکم (دین) لائے ہیں جس کی اطاعت کی جاتی ہے۔ آپ تشریف لائے ہیں اور اپنے وجود مسعود سے مدینہ منورہ کو شرف بخشا ہے۔ اے سب سے اچھے دعوت دینے والے ہم آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں

بلا شک و شبہ یہ وہ ترانہ ہے جو جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس سنا۔ اس کا شمار عقلمندوں میں سے ہے جو اس کے سننے کے وقت یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ بعینہ وہی ترانہ انہیں کلمات کے ساتھ سن رہا ہے جن کلمات کے ساتھ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سنا تھا۔ چودہ صدیوں سے زیادہ عرصہ گزرا ہے جب کہ مسلمان اس معزز مدینہ منورہ آنے والے اور اس کے دوست صدیق کے استقبال کے لیے اپنے گھروں سے نکلے تو پہلی دفعہ یہ نغمہ مہاجرین و انصار کے گلوں سے نکلا تھا۔ وہ لا الہ الا اللہ کا ورد کر رہے تھے۔ اللہ اکبر' اللہ اکبر کہہ رہے تھے اور یہ کلمات دہرا رہے تھے۔

اللہ اکبر جاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ اکبر جاء محمدؐ، اللہ اکبر جاء رسول اللہ
، اللہ اکبر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اللہ اکبر جناب حضرت محمد صلی اللہ
علیہ وسلم تشریف لائے، اللہ اکبر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔

وہ بڑے خوش تھے' نازاں و فرحاں تھے۔ اپنے آپ کو قوی و توانا سمجھ رہے تھے۔ خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے اور اس پر اللہ عزو جل کا شکر ادا کر رہے تھے کہ جس ذات جل و علا نے آپ کے وجود مسعود سے ان کے مدینہ کو برکت دی اور ان کی سرزمین کو شرف بخشا ہے اس حیثیت سے کہ اس کو سب سے بڑی آسمانی رسالت جس سے انسانیت اپنی طویل تاریخ کے دوران کبھی بھی آشنا ہوئی ہو کے حامل کی پناہ گاہ اور قوت و نصرت کا منبع و مرکز بنایا۔ اس ترانے کے کلمات نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والے اور ان کی اعلیٰ و ارفع رسالت پر ایمان رکھنے والے دلوں کو نئے قالب میں ڈھال دیا۔

یہ کلمات خوشی کے ساتھ چمکتے دمکتے اور کستوری جیسی خوشبوؤں کے ساتھ معطر سریلی آوازوں کی صورت میں ان کی زبانوں پر جاری ہو گئے اور اس انوکھے اور عظیم الشان استقبال کی علامت کے طور پر تاریخ کے محفوظ رکھنے والے حافظہ میں جاگزیں ہو گئے۔ ان کی بقا اور ان کا وجود اس لیے بھی ضروری تھا کہ جب کبھی بھی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک مع اپنے ساتھی کے ہجرت محمد (علی صاحبا السلام) کی ہمیشہ رہنے والی یاد تازہ ہو تو کروڑوں مسلمان اس کا ورد کریں۔ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کہ آپ اور آپ کے ساتھی صدیق وداع پہاڑ کی گھاٹیوں میں پہنچے تو یہ گیت بذات خود سنا

(اس بارے میں ڈاکٹر ملا خاطر کہتے ہیں کہ حدیث کی کتابوں نے یہ وضاحت کی ہے کہ مسجد قبا کے سامنے وداع کی دو گھاٹیاں تھیں۔ پہلی مسجد قبا کے سامنے ہے اور وہی ہے جس کا ذکر اس حدیث میں آیا ہے۔ (جناب رسول اللہ کے مکہ سے مدینہ ہجرت

کے وقت اور دوسری مدینہ منورہ کے شمال میں ہے اور یہی آج کل مشہور ہے۔ یہ سلع پہاڑ کی جنوب مشرقی جانب ہے اور یہی وہ پہاڑی ہے جہاں مسلمانوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو الوداع کہا تھا۔ جب آپ جنگ تبوک کے لیے تشریف لے جا رہے تھے)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو دیکھا اور حال یہ تھا کہ وہ آپ کے استقبال اور آپ کی خاطر داری کے لیے جمع ہو چکے تھے۔ وہ اپنی تلواروں کو اپنی گردنوں کا ہار بنائے ہوئے نفیس کپڑوں میں ملبوس تھے۔ خوشی اور رونق ان کے چہروں پر چھائی ہوئی تھی۔ فخر سے ان کا سر اونچا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیڈروں اور بڑے بڑے سرداروں کو دیکھا کہ وہ آپ کی قدر منزلت کی تعظیم، آپ کے مقام و مرتبے کی قدردانی، آپ کی تشریف آوری پر اظہار خوشی اور ہر ایک کی آپ کو اپنے گھر ٹھہرا کر حصول شرف کی خواہش کے پیش نظر آپ کی اونٹنی مبارک کی باگ پر پلٹ پڑے تھے۔

مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کے لیے دعائے خیر فرمائی اور اونٹنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا (خلوا سبیها فانها مامورة) "اس کا راستہ کھلا چھوڑ دو بے شک یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق چلے گی"۔

اور جو لوگ آج کل اس ترانہ (طلع البدر علینا) کو غور سے سنتے ہیں اور اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ بعینہ اسی نغمہ کو سن رہے ہیں جس نغمہ کو خود جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تھا۔ جس وقت آپ وداع پہاڑ کی گھاٹیوں میں پہنچے تھے۔

کاش مجھے معلوم ہوتا کہ انہوں نے کیسے آپ کا استقبال کیا؟ اور کس حد تک وہ آپ کی ذات گرامی سے متاثر ہوئے۔ ان کے جذبات اس وقت کیا تھے اور جس وقت بڑی بے تکلفی پر مبنی اور سادہ انداز میں عظیم ترین محبت اور انتہائی سچی دوستی کی ترجمانی کرنے والے میٹھے کلمات ان کے کانوں سے ٹکرائے اس وقت ان کے کیا

احساسات تھے۔ جب وہ عظمت و جلال ایمان اور جس چیز کو خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تھا اسے بغور سننے کی حسرت اور رشک سے لبریز گھڑیاں گزار رہے تھے اس وقت وہ کیف و سرور کے کس درجہ پر پہنچے ہوئے تھے۔ اس میں کچھ نزاع نہیں کہ بے شک وہ اس ترانہ کے وسیلہ سے اسی عظیم زندگی کا نقشہ اپنے سامنے لا رہے تھے جو زندگی جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت ایک نوزائیدہ، بحیثیت ایک شیر خوار بچہ، بحیثیت نوجوان اور بحیثیت ایک ایسے مرد کامل کے بسر کی تھی جو بڑی دانائی اور اچھے وعظ کے ساتھ دین حق کی طرف دعوت دے رہا ہو۔ اس میں کوئی نزاع نہیں کہ اس وقت ایک آواز اور رنگدار تصویروں والی ایک کیسٹ ان کی آنکھوں کے سامنے ابھرتی ہے تاکہ یہ سارا منظر پیش کرے صرف یہی نہیں بلکہ وہ اس سے پہلے کی بات بھی پیش کرے گی اور اہل مکہ کا وہ طرز عمل بھی دکھائے گی جب وہ ابرھۃ اس کے ہاتھیوں اور لشکریوں پر فتح یابی کا جشن منا رہے تھے اور ان عربوں کا استقبال کر رہے تھے جنہوں نے ان ظالموں کی پسپائی کی خبریں سنی تھیں اور اس عظیم نشانی کے ظہور پر قریش کو مبارک باد دینے آئے تھے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے بیت عتیق کی کرامت کو ظاہر فرمایا اور ان لوگوں کا درجہ بلند فرمایا جو اس کے قرب و جوار میں رہ رہے تھے اور اپنے آپ کو اس کا خادم و متولی سمجھتے تھے۔ بے شک کیسٹ میلاد پاک کا قصہ بھی ضرور بیان کرے گی جب کہ سیدۃ الامہات آمنہؓ بنت وہب جلوہ گر ہوتی ہیں۔ آپ کے ارد گرد جگہ چمک اٹھتی ہے اور محبت و جمال سے لبریز ہوتی ہے۔ آپ کی آنکھوں سے پردہ اٹھ جاتا ہے پس اچانک آپ اطراف شام میں بصری کے محلات اور اونٹوں کے وہ قافلے جو دور دراز صحراؤں میں خراماں خراماں چل رہے ہوتے ہیں دیکھ لیتی ہیں۔ اس کے بعد اپنا بچہ جنتی ہیں۔ جو یک سجدہ کرنے والے کی طرح اپنے دونوں ہاتھوں سے زمین کا سہارا لیتا ہے اور اس کا سر آسمان کی طرف اٹھا ہوا ہوتا ہے۔ پھر اس بچے کی برکات ارد گرد والوں پر بھی نازل ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور اسی طرح بچے کا دادا بھی سعادت مندی سے ہمکنار

ہوتا ہے اور اس میں اپنے اس لڑکا کا بدل پالیتا ہے جو آپ سے دور وفات پا گیا۔ جونہی لونڈی ثویبہ اپنے آقا عبدالعزی (ابولہب) کو بچے کی ولادت کی خبر پہنچاتی ہے اسے یہ خوشی اپنا بخل و کنجوسی بھلا دیتی ہے اور وہ چلا کر لونڈی سے کہتا ہے (اذھبی فانت حرۃ) (جایئے تم آزاد ہو) اور جب حلیمہ سعدیہ آپ کو دودھ پلانے کی غرض سے آپ کو قبول کرتی ہیں ان پر بھی برکت نازل ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ ہر طرف سے بھلائیاں امڈ پڑتی ہیں۔ چنانچہ وہ اور ان کے سارے گھر والے سعادتمندیوں سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ بلکہ اس برکت کا دائرہ اتنا وسیع ہوتا جاتا ہے کہ یہ برکات حلیمہؓ کی اونٹنی اور گدھی پر بھی نازل ہوتی ہیں۔ اس کیسٹ کا حلقہ ناظرین پر وسیع ہوتا چلا جاتا ہے حتی کہ وہ اس شیر خوار کی زیارت کی سعادت سے بہرہ ور ہوتے ہیں جو اب جوان ہوچکا ہے۔اعلیٰ و عمدہ اخلاق اور ذیشان صفات سے آراستہ ہے اور کھیل کود و فضول حرکات جن کی طرف اس کے ہم عمر اور ہم جولی میلان رکھتے ہیں سے بلند و برتر ہے اور ان سے اپنا دامن بچاتا ہے۔ پھر آپ کو دیکھتے ہیں کہ آپ مکہ اور اس کے گرد و نواح میں رہنے والے نوجوانوں کے لیے اعلیٰ نمونہ بن چکے ہیں اور الصادق الامین کا لقب پاتے ہیں۔ آپ پاکباز و شریف (بلند مرتبت) ہیں اور پھر آپ ایسے تاجر بن جاتے ہیں جو کبھی بھی ملاوٹ یا دھوکہ کی طرف میلان نہیں رکھتا یا حرام نفع قبول نہیں کرتا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ قریش کی عورتوں میں سے افضل ترین، سب سے زیادہ پاک دامن اور کثیر مال والی عورت کے ساتھ شادی سے آپ کو نوازتے ہیں۔ آپ ان کے مال سے تجارت شروع کر دیتے ہیں۔ حلال و پاکیزہ نفع کما کر حضرت خدیجہ کے اموال کو دگنا کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد قریش کا کعبہ شریف کی نئی عمارت میں حجراسود کی تنصیب کے سلسلہ میں کھڑے ہونے والے جھگڑے میں قریش آپ ہی کو ثالث مقرر کرتے ہیں۔ جملہ سرداران قریش بلاچون و چرا آپ کے فیصلہ کو تسلیم کرتے ہیں، آپ کی فضیلت و دانائی کا اقرار کرتے ہوئے آپ کی رائے کے سامنے سرنگوں ہوتے ہیں۔ آپ کی فضیلت و دانائی کا اقرار کرتے ہوئے آپ کے

اچھے مشورے کو سراہتے ہیں اور اس پر حد درجہ خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ اس فیصلہ کی وجہ سے کبر و نخوت آپ کو متاثر نہیں کر پاتا بلکہ آپ بدستور تواضع و انکساری اور فقراء و مساکین سے مہر و محبت کے رویے پر قائم رہتے ہیں اور ہمیشہ اپنا یہ مشہور قول دہراتے رہتے تھے۔

انما انا ابن امراۃ من قریش کانت تاکل القدید۔

"میں اس قریشی خاتون کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کھایا کرتی تھی"۔

اور قوم کے کمزور لوگوں کو نہیں بھولتے۔ مثلاً لونڈی برکتہ کی مثال لیجیے۔ وہ جسے آپ نے اپنے والد ماجد سے بطور ورثہ پایا تھا۔ آپ اس کی عزت کرتے ہیں اور یہ عزت و اکرام اس درجہ تک پہنچتا ہے کہ آپ اس کے بارے میں کہتے ہیں (انہا بقیۃ اهل بیتی) یہ میرے گھر والوں کی نشانی ہیں (ھی امی بعد امی) یہ میری حقیقی ماں کے بعد میری دوسری ماں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے رشتہ کی تلاش شروع کر دیتے ہیں اور اپنے اصحاب سے فرماتے ہیں۔

من سرہ ان یتزوج امراۃ من اهل الجنة فلیتزوج ام ایمن۔

(جو کوئی یہ پسند کرے کہ وہ کسی جنتی عورت سے شادی کرے تو اسے چاہیے کہ وہ ام ایمن سے شادی کر لے)

کیسٹ اس اعلیٰ، ارفع، مبنی بر تقویٰ اور پاکیزہ زندگی کے واقعات بعثت تک پیش کرنے میں جاری رہتی ہے۔ پس دیکھنے والے آپ کے حالات کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں اور آپ اس وقت نبی بنا کر بھیج دیے گئے ہوتے ہیں اور آپ لوگوں کو اس ایک، اکیلے، یکتا، بے نیاز، جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، جس کا کوئی شریک

نہیں اور جس کا کوئی بیٹا نہیں، کی عبادت حقہ کی طرف لوگوں کو بلا رہے ہوتے ہیں اور جن گم کردہ راہ اور گمراہ کن عبادات اور نقصان دہ اور ضرر رساں جہالتوں پر وہ قائم تھے، انہیں رد کر دینے کی دعوت دے رہے ہوتے ہیں۔ دریں اثناء حضرت خدیجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتی ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، قریش کے بعض سردار اور کمزوروں، غلاموں اور موالیوں کے بعض سرکردہ مشرف با ایمان ہوتے ہیں، مگر سرداران قریش کا زیادہ حصہ اور ان کے قبائل کے سردار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے انکار کر دیتے ہیں، آپ سے دشمنی مول لے لیتے ہیں اور آپ اور آپ کے اہل عیال اور آپ کے پیروکاروں کو تکلیفیں پہنچانا شروع کر دیتے ہیں، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے باوجود صبر کا دامن تھامے رہتے ہیں اور دعوت پر لگاتار قائم رہتے ہیں۔ نہ تو اکتاتے ہیں اور نہ ہی کمزور پڑتے ہیں اور نہ ہی پسپائی اختیار کرتے ہیں، بلکہ اس امید پر برداشت پہ برداشت کیے جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کبھی تو ان کا سینہ اسلام کے لیے کھول دے گا۔ شیاطین قریش اس امید پر کہ شاید آپ اپنی دعوت سے ہاتھ کھینچ لیں، آپ کو مال، مرتبہ اور حکومت کا لالچ دے کر خریدنے کی کوشش کرتے ہیں مگر ان پھسلاووں کے سارے حربوں اور طریقوں کو آپ رد فرما دیتے ہیں اور بدستور پاکیزہ کلمہ، دانائی اور اچھے وعظ کے ذریعے سے اپنا یہ مقابلہ اور اپنی یہ جدوجہد جاری رکھتے ہیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں کے حق میں قریش کی یہ ایذا رسانی جب اپنی آخری حد کو پہنچتی ہے تو آپ انہیں حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ اس سے شیاطین قریش کا کینہ دوبالا ہو جاتا ہے اور ان کی ناراضی دگنی ہو جاتی ہے اور ایک ایسی سوچ اور رائے کے ذریعے سے، جو ابوجہل پیش کرتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاذ اللہ چھٹکارا حاصل کر لینے کا تہیہ کر لیتے ہیں اور وہ یوں کہ وہ ہر قبیلہ سے ایک بہادر اور خاندانی نوجوان چن لیا جائے اور وہ سب اکٹھے مل کر ایک ہی دفعہ اپنی تلواروں

کے ساتھ آپ پر پل پڑیں۔ اس سے آپ کا خون تمام قبائل میں منتشر ہو جائے گا اور معاذ اللہ آپ کا کام تمام ہو جائے گا۔ بنی ہاشم بدلہ نہیں لے سکیں گے اور خون بہا پر راضی ہو جائیں گے۔

قریش نے فی الفور اس تجویز کو عملی جامہ پہنایا۔ ان نوجوانوں نے جناب رسول اللہ کے گھر کا گھیراؤ کر لیا اور وہ اس انتظار میں تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز فجر ادا کرنے کے لیے باہر تشریف لائیں گے تو وہ آپ پر یک بارگی ہلہ بول دیں گے لیکن اللہ تعالٰی نے جس ارادہ کے ساتھ انہوں نے رات گزاری تھی، اس کا علم آپ کو عطا کر دیا اور ان کے مکر سے آپ کو باخبر فرما دیا اس کے ساتھ ہی آپ کو ہجرت کرنے کا حکم بھی دے دیا، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وہ آپ کے بستر میں سو جائیں اور آپ کا لحاف اوڑھ لیں۔ اس کے بعد آپ باہر تشریف لائے اور آپ قرآن پاک کی درج ذیل آیات تلاوت فرما رہے تھے۔

بسم اللہ الرحمان الرحیم۔ یس۔ والقران الحکیم۔ انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم۔ تنزیل العزیز الرحیم۔ لتنذر قوما" ما انذر اباء ھم فھم غافلون۔ لقد حق القول علی اکثرھم فھم لا یومنون۔ انا جعلنا فی اعناقھم اغلالا" فھی الی الاذ قان فھم مقمحون۔ وجعلنا من بین اید یھم سدا" ومن خلفھم سدا" فاغشیناھم فھم لا یبصرون (1)

(حکمت والے قرآن کی قسم بے شک تم سیدھی راہ پر بھیجے گئے ہو۔ عزت والے مہربان کا اتارا ہوا تاکہ تم اس قوم کو ڈر سناؤ۔

جس کے باپ دادا نہ ڈرائے گئے تو وہ بے خبر ہیں۔ بے شک ان
میں اکثر پر بات ثابت ہو چکی ہے تو وہ ایمان نہ لائیں گے۔ ہم
نے ان کی گردنوں میں طوق کر دیے ہیں کہ وہ ٹھوڑیوں تک
رہیں۔ تو یہ اوپر کو منہ اٹھائے رہ گئے اور ہم نے ان کے آگے
دیوار بنا دی۔ اور ان کے پیچھے ایک دیوار اور۔ انہیں اوپر سے
ڈھانک دیا تو انہیں کچھ نہیں سوجھتا)

اللہ تعالٰی نے ان سب کی آنکھیں اچک لیں۔ وہ نہ تو آپ کو دیکھ سکے اور نہ ہی آپ کے باہر آنے کا انہیں کچھ احساس ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سروں پر مٹی ڈالتے ہوئے اللہ تعالٰی کے فضل اور اس کی نگہداشت میں مامون و محفوظ اپنی راہ چلتے بنے۔ بعد ازاں بڑے بڑے واقعات پے در پے آتے ہیں اور دیکھنے والے غار میں صدیقؓ کے ساتھ آپ کو دیکھتے ہیں۔ صدیقؓ خائف اور غمگین ہیں۔ آپ یہ فرماتے ہوئے انہیں مطمئن کرتے ہیں "لا تحزن ان اللہ معنا" پھر آپ غار سے نکلتے ہیں اور ایک رہبر کے ساتھ وسط صحرا میں چلتے ہیں۔ سراقہ بن مالک ان کو دیکھ پاتا ہے۔ وہ سو اونٹنیوں کے لالچ میں نکلا ہوا تھا جو قریش نے اس شخص کا انعام مقرر کیا تھا' جو جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ زندہ پکڑ کے لائے یا قتل کر کے آپ کا سر مبارک پیش کرے۔ سراقہ یہ کوشش کرتا ہے کہ قافلہ کو جا لے مگر اللہ تعالٰی آپ کے اور اس کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں' وہ جب آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کا گھوڑا مع اس کے زمین پر گر پڑتا ہے اور ریت میں دو دفعہ اس کے چاروں پاؤں دھنس جاتے ہیں اور تیسری دفعہ قریب تھا کہ ریگستان اس کو اور اس کے گھوڑے کو نگل لے مگر اس وقت اسے سمجھ آجاتی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالٰی کے سچے رسول ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سبحانہ و تعالٰی کے حکم سے مامون و محفوظ ہیں اور وہ ان کا کچھ نہیں بگاڑ

سکا" تو آپؐ سے فریاد کرتا ہے۔ نبی رحمت اس کی فریاد قبول کرتے ہیں اور اس کے حق میں دعا کرتے ہیں تو وہ اپنے گھوڑے سمیت صحیح و سالم ریگستان کے وسط سے نکل جاتا ہے اور اس مبارک قافلہ سے آکر مل جاتا ہے اور اپنا قصہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سناتا ہے اور انہیں ایک عہد نامہ عطا کرنے کی درخواست کرتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ان کو سارے جہاں پر غلبہ عطا کرے" تو وہ یہ لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہو سکے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے خوشخبری دیتے ہیں اور کسریٰ کے کنگن پہنانے کا اس سے وعدہ فرماتے ہیں (جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ سچا ثابت ہوا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں سراقہ کو کسریٰ کے کنگن" اس کا تاج اور اس کی پیٹی پہنائی۔ "السیرۃ النبویہ" تحقیق عبدالمجید "السحار" ج ۲ ص 114) چنانچہ سراقہ اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرنے کے لیے مکہ واپس آتا ہے اور ابوجہل اور اس کے ساتھی مشرکین کو دھمکی دیتے ہوئے یہ شعر پڑھتا ہے:

ابا حکم واللہ لو کنت شاھدا"
لامر جوادی اذ تسوخ قوائمہ
علمت ولم تشکک بان محمدا"
رسول ببرھان فمن ذا یقاومہ
علیک بکف القوم عنہ فانی
اری امرہ یوما" ستبدو معالمہ

(اے ابا حکم (ابوجہل کی کنیت) بخدا میرے گھوڑے کو جو معاملہ پیش آیا جبکہ اس کے سم زمین میں دھنس رہے تھے' اگر تو اس کا مشاہدہ کرنے والا ہوتا تو تو جان لیتا اور شک نہ کرتا کہ بے شک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم معجزہ دے کر بھیجے گئے

ہیں۔ ان کا مقابلہ کون کر سکتا ہے۔ تیرے لیے قوم کو روکنا لازم
ہے کیونکہ میرا پختہ یقین ہے کہ ان کے معاملہ کی علامات کسی نہ
کسی دن ظاہر ہو کر رہیں گی)

جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وداع پہاڑ کی گھاٹیوں کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔ انصار و مہاجرین وہ خوبصورت گیت وہ تیراں کن استقبال کرتے ہیں جس کی نظیر نہیں ملتی اور یہ گیت گاتے ہیں جو امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ اب تک قائم و دائم ہے اور ہر مسلمان کے دل اور اس کے حافظہ میں جگہ پا چکا ہے۔ وہ جب بھی یاد مصطفیٰ کے ساتھ اپنی آواز بلند کرتا ہے تو اس کو دہراتا ہے اور اسی کے ذریعے سیرۃ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کرتا ہے۔ یہ حق ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بدر کامل تھے جن کی پیدائش کے دن دنیا ان کے نور سے چمک اٹھی اور بعثت کے دن بھی آپ بدر کامل ہوں گے اور اب بھی بدر کامل ہیں جبکہ آپ انسانیت کے لیے دین حق لائے جس کے ذریعے سے آپ نے اس کو شرک و گمراہی کی ظلمتوں سے نور اسلام کی طرف لائے اور تمام مسلمانوں کے دلوں میں بھی اس دن (اور آج بھی قیامت تک) آپ بدر کامل ہی کے چمک رہے تھے۔ جس دن کہ آپ تبوک سے لشکر کی معیت میں صحیح و سالم واپس لوٹنے حالانکہ آپ کی آمد سے پیشتر افواہیں پھیلانے والے طرح طرح کی افواہیں پھیلا رہے تھے اور حقشب اور غرض مند لوگ قسم قسم کی جھوٹی باتیں گھڑ رہے تھے اور واضح اور مکمل فتح کے دن بھی آپ بدر کامل تھے جبکہ ہزاروں لاکھوں اصحاب کی معیت میں آپ مکہ میں داخل ہوئے۔ یہ فتح ایسی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا اور صلح حدیبیہ کے دن آپ کو اس کی خوشخبری دے دی گئی تھی اور ہم سب کے دلوں میں بھی آپ بدر کامل کی حیثیت سے تاقیامت جلوہ فگن رہیں گے۔ ہم آپ کے نور سے وہ روحانی سعادت محسوس کرتے ہیں جو حدود و قیود سے ماوراء ہے اور جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا ہم آپ کے اقوال و افعال سے روشنی حاصل کرتے رہیں گے۔

حضور ﷺ نے متعدد نکاح کیوں فرمائے؟

تصنیف
مفتی محمد خان قادری
شیخ محمد علی صابونی

حجاز پبلیکیشنز۔ لاہور

ہجرت مبارکہ
WWW.NAFSEISLAM.COM

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کی فتح مبین اور ان کی نصرت و مدد تھی۔ یہ تاریخ اسلامی کا افتتاح ہے۔ خاتم الانبیاء و المرسلین حضرت محمدؐ بن عبداللہ پر نزول قرآن تاریخ میں پہلا اور اہم واقعہ ہے اور ہجرت بغیر کسی اختلاف کے تاریخ میں دوسرا اہم واقعہ ہے، جس کے ذریعے سے اسلام نے فتح پائی، مسلمانوں کے قدم جم گئے اور اولین اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی گئی اور دین نظری پہلو سے عملی پہلو کی صورت اختیار کر گیا۔ اس کے لیے ایک ایسی سوسائٹی وجود میں آگئی جس میں اس کی تعلیمات کو روحانی طور پر، بطور ایک نظام کے، بطور قانون، بطور عمل اور بطور طرز زندگی نافذ کر دیا گیا۔ ہجرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فتح تھی اور اس کے دین اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی و کامرانی کا پیش خیمہ تھی اور اس سے بڑھ کر دوسری بہت ساری اور بڑی بڑی کامیابیوں اور کامرانیوں کی تمہید تھی جن کو مسلمانوں نے جنگ بدر، فتح مکہ، جنگ حنین اور دیگر موقعوں پر پورا کر دکھایا۔ اگر واقعہ ہجرت ظہور پذیر نہ ہوا ہوتا تو مسلمانوں کی کوئی مستقل تاریخ نہ ہوتی، جس سے وہ اپنی تاریخ لکھ سکتے۔ بعثت سے پہلے عرب مشہور واقعات کے ساتھ تاریخ لکھتے تھے مثلاً یوم الفجار، حلف الفضول، یوم حکیم، ہشام بن المغیرہ کی موت کا دن، واقعہ فیل، غدر کے سال (جس سال بنو یربوع نے حمیر کے بادشاہوں کے ایلچیوں کے ساتھ دھوکہ کیا تھا، جو غلاف کعبہ اٹھا کر لے جا رہے تھے) وغیرہ وغیرہ سے اپنی تاریخ لکھتے تھے۔ بعثت کے بعد بہت بڑے بڑے واقعات پیش آئے مگر قریش نے ان سے تاریخ نہ لکھی کیونکہ یہ اسلامی واقعات تھے مثلاً قرآن پاک کا نزول، اسراء و معراج، جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طائف تشریف لے جانا، حضرت ابو طالب اور سیدہ خدیجہ کی وفات وغیرہ وغیرہ۔ مسلمانوں نے ہجرت کے بعد پیش آنے والے واقعات سے تاریخ قلمبند کی جو آنے والے سالوں میں رونما ہوئے اور ان سالوں پر ایسے ناموں کا

اطلاق کیا جو انہی کے ساتھ خاص تھے' مثلاً ہجرت کے پہلے سال پر انہوں نے "سنۃ الاذن" یعنی اجازت ہجرت کا اطلاق کیا۔ دوسرے سال پر "سنۃ الامر" کا اطلاق کیا (حکم کا سال) اسی میں معرکہ بدر پیش آیا۔ لوگوں کو روزے رکھنے کا حکم بھی اسی سال ملا گیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تحویل قبلہ کا حکم ہوا۔ تیسرے سال پر "سنۃ التمحیص" (سال امتیاز) کا اطلاق کیا۔ اسی میں معرکہ "احد" بھی پیش آیا جس کے ذریعے سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مخلص اور صادق مسلمانوں کو دوسروں سے ممتاز فرمایا۔ چوتھے سال کو "سنۃ الترفئۃ" کا نام دیا۔ اسی میں شراب حرام کی گئی' بنی نضیر کو مدینہ بدر کیا گیا۔ پانچویں سال کا نام "سنۃ الزلزال" رکھا۔ اسی میں احزاب' قریظہ اور دومۃ الجندل کے معرکے پیش آئے۔ اسی طرح سے واقعہ افک بھی اسی میں رونما ہوا۔ چھٹے سال پر "سنۃ الاستئناس" قربت و الفت کا سال" کا اطلاق کیا۔ اسی میں صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان عمل ہوئی اور اسی میں سورۃ روم الایات (۱ - ۴) میں جو اللہ تعالیٰ کا وعدہ موجود ہے' اس کی تکمیل و تحقیق کے طور پر روم والوں نے ایرانیوں پر غلبہ حاصل کیا۔ ساتویں سال کا نام انہوں "سنۃ الاستغلاب" (غلبہ کا سال) رکھا۔ اسی میں غزوۂ خیبر پیش آیا۔ اسی طرح اسی سال سلام بن مشکم یہودی کی بیوی کی بیٹی نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کا زہر ملا کر گوشت پیش کیا اور اسی سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملوک و امراء کی طرف دعوت اسلام کے خطوط روانہ کیے۔

آٹھویں سال کا نام انہوں نے "سنۃ الفتح" رکھا کیونکہ اس میں فتح مکہ ہوا اور اسلام کو غلبہ حاصل ہوا۔ اسی میں جنگ حنین پیش آئی۔ نواں سال "سنۃ البراءۃ" کہلاتا ہے کیونکہ اس میں سورۃ براءت یا توبہ نازل ہوئی اور اسے "عام الوفود" بھی کہا جاتا ہے۔ اسی میں جزیرہ عرب سے مختلف وفود اپنے اسلام کا اعلان کرنے کی غرض سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اسی میں جنگ تبوک ہوئی۔ دسویں سال کا نام "سنۃ الوداع" رکھا گیا۔ اسی میں حجۃ الوداع مکمل

ہوئی اور عرفہ کے دن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ نشر ہوا۔

ہجرت تاریخ اسلامی کی ابتداء ہے

جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار رب میں منتقل ہو جانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے خلیفہ بنے۔ آپ کے عہد خلافت کی ابتداء لشکر اسامہ کی تیاری اور اس کے بھیجنے کے ساتھ ہوئی۔ اس کے بعد مرتدین کے ساتھ لڑائی اور ان کی سرکوبی کے واقعات پیش آئے' جیسا کہ آپ نے اپنے عہد میں قرآن کی جمع و تدوین بھی کروائی۔ آپ کے بعد حضرت عمرؓ خلیفہ بنے۔ آپ نے دفاتر قائم کیے' لشکر تیار کیے اور شام' عراق' مصر اور دیگر ملکوں میں نمایاں اور شاندار اسلامی فتوحات حاصل کیں۔ روایت کی گئی ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ کی خدمت میں ایک خط ماہ شعبان کی تاریخ کے ساتھ بھیجا گیا۔ آپ نے حامل خط سے پوچھا: یہ کونسا ماہ شعبان ہے؟ وہ کوئی اس کا تعین نہ کر سکا۔ حضرت عمر نے گھڑیوں سوچ بچار کی۔ پھر آپ نے جناب رسول اللہ کے صحابہ کو جمع کیا اور اس معاملے میں ان سے مشورہ کیا۔ انھوں نے کہا: ہمیں اس معاملہ میں ایرانیوں کی عادات اور ان کے ریکارڈ کے ذریعے سے مدد لینا چاہیے' چنانچہ وہ حضرات ہرمزان فارسی کے پاس آئے اور اس سے پوچھا۔ اس نے کہا: ہماری ایک تاریخ ہے جس کا نام ہم "ماہ روز" رکھتے ہیں۔ (ماہ روز کا معنی مہینوں کا حساب) ان حضرات نے اس کلمہ کا عربی میں ترجمہ کر دیا اور وہ یوں ہوا (موَرخ ارخ تاریخا") حضرت عمر نے فرمایا: (**ضعوا للناس تاریخا یتعاملون بہ**) لوگوں کے لیے تاریخ مقرر کر دو جس کے ذریعے سے وہ آپس میں اپنا معاملہ چلاتے رہیں۔ ان میں سے بعض نے یہ رائے دی کہ رومیوں والی تاریخ لکھی جائے۔ دوسرے بعض نے کہا ایران والوں کی تاریخ لکھو مگر حضرت عمر کو ان میں سے کسی کی بھی بات پسند نہ آئی اور آپ اس معاملے میں سوچ بچار کرنے لگے۔ اس سوچ و بچار کے دوران آپ کو حضرت ابو موسیٰ اشعری کی طرف سے خط

ملا جس میں انہوں نے لکھا۔

انہ تاتینا منکم کتب لیس لھا تاریخ فاجعلوا لنا تاریخا نمیز بہ او قاتنا۔

(آپ کی طرف سے ہمیں خط پہنچتے ہیں ان پر تاریخ نہیں لکھی ہوتی۔ آپ ہمارے لیے تاریخ مقرر کر دیجئے جس کے ذریعے سے ہم اپنے اوقات میں امتیاز برقرار رکھ سکیں)

اس پر حضرت عمر نے اصحاب رسول سے فرمایا۔

لم لا نتخذ من الهجرة مفتتحا" للتاريخ الاسلامى انها اظهر الاوقات وا بعد ها عن الشبهة واو ثقها صلة بالاسلام والمسلمين۔

(ہم واقعہ ہجرت سے تاریخ اسلامی کی ابتداء کیوں نہ کر دیں۔ یہ تمام اوقات سے زیادہ واضح' شبہ سے پاک اور اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ زیادہ مضبوط تعلق رکھنے والا واقعہ ہے۔ تمام نے اس سے اتفاق کیا)

اسلام ہجرت سے پہلے اور اس کے بعد

ہم ہجرت نبویہ کی دائمی اور ابدی یاد منا رہے ہیں تو ہمارے لیے مناسب ہے کہ ہم اسلام اور اہل اسلام کی ہجرت سے پہلے اور بعد کی حالت کا جائزہ لیں تاکہ ہم اس کی قدر کو پہچانیں اور اس کے مفہوم کا اور جو کچھ اس کے ذریعے مسلمانوں کو نصیب ہوا اس کا اندازہ کر سکیں۔ وہ پہلی چیز جس کے ذریعے سے ہم اپنے اس جائزہ کی ابتداء کرتے ہیں' وہ ہجرت سے پیشتر اسلام پہلے کی شکل تھی اور وہ تھکا دینے والی کوشش تھی' جو مسلمان اس دعوت کو لوگوں کے ذہنوں تک پہنچانے کے لیے کرتے رہے' حالانکہ انہیں اس خوفناک فضا' جو قریش نے ان پر مسلط کر رکھی تھی' ان

ظالمانہ کارروائیوں، اس پکڑ دھکڑ اور اس تعذیب و قتل کا سامنا تھا جن کا بیڑا قریش نے اٹھا رکھا تھا۔ لیکن جہاں تک مابعد ہجرت کا تعلق ہے، تو اس وقت اسلام سارے عرب پر یوں چھا گیا جیسے نور تاریکیوں کا سینہ چیر کر چھا جاتا ہے اور ایک اونچی آواز بلند ہوئی۔ وہ ہادی عرب و عجم کی آواز تھی۔ اب مسلمان آزاد ہو گئے۔ وہ اسلامی تعلیمات کو ہر جگہ پھیلانے لگے۔ اب نہ انہیں کسی پکڑ دھکڑ کا خطرہ تھا، نہ کسی عذاب کا اور نہ قتل کا۔ ہجرت سے پہلے اسلام محض ہدایات، تعلیمات اور اصولوں کی صورت میں تھا۔ اسے کوئی ایسی سوسائٹی میسر نہ تھی جس کے دائرہ کار میں رہ کر وہ کوئی عملی شکل اختیار کر سکتا۔ مکہ میں جہاں تک قریشی معاشرے کا تعلق تھا تو اس پر تو سرکش بت پرستی کا قبضہ تھا۔ وہ معاشرہ اپنے افراد میں سے کسی فرد کو بت پرستی کی تعلیمات کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا یا وہ اس بات کا بھی روادار نہیں تھا کہ وہ اس بت پرستی کے احکام کے علاوہ دیگر کسی بھی احکام کو اپنی سوسائٹی میں عملی صورت دے سکے۔ نتیجۃً ایک مسلمان اپنے گھر والوں، اپنی ماں، اپنے باپ، اپنی بہن اور اپنے بھائی تک سے اپنا اسلام چھپاتا پھرتا تھا۔ مسلمان اس وقت بحیثیت کمزور افراد کے زندگی بسر کر رہے تھے۔ وہ اپنے دین کے شعائر پر عمل کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے اور نہ ہی وہ اس دین کے اصول سیکھنے کے لیے اکٹھے ہو سکتے تھے۔ ان میں سے اکثر چھپ چھپا کر نماز ادا کرنے کے لیے مکہ کی گھاٹیوں میں چلے جاتے مگر ان کے دل دولت ایمانی سے معمور تھے اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کی نصرت اور اس کی تائید پر پختہ یقین رکھتے تھے مگر جہاں تک ہجرت کے مابعد کا تعلق ہے تو اس وقت ایک مسلمان اپنے اسلام کا کھلم کھلا اعلان کر سکتا تھا اور اس پر فخر بھی کیا کرتا تھا۔ اب مسلمان ایک بڑا خاندان بن گئے جو اسلام کے ذریعے اور اس کی خاطر زندہ تھے۔ اب ان کی مسجدیں بن گئیں جہاں وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے اور بڑے آزادانہ اور امن و امان کے ماحول میں اپنے شعائر دین ادا کر رہے تھے اور یہ سب کچھ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی نصرت اور اس کی تائید تام ہونے کے

بعد ہوا۔

ہجرت سے پہلے اسلام مکہ کے اندر محصور تھا۔ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ نہیں نکل سکتا تھا بلکہ اس کا نور مکہ کے اندر ہی اس کی تنگ و تاریک سرزمین میں بند تھا مگر ہجرت کے بعد اس کا نور چمک اٹھا اور زمین کے ہر ہر حصہ میں اپنی ضوپاشی کرنے لگا۔ وہ حصہ زمین خواہ مشرق میں تھا خواہ مغرب میں خواہ مشرق و مغرب دونوں کے درمیان تھا' وہ اسباب جنہوں نے ہجرت کی جلدی کروائی اور اس کو ایک حتمی ضرورت بنا دیا وہ گھٹیا سازشیں تھیں' جو شیاطین قریش نے جناب رسول کے قتل کے لیے سوچیں۔ اس مذموم ارادہ کے پیش نظر انہوں نے قریش کے قبائل میں سے ہر قبیلہ سے ایک بہادر نوجوان چنا تاکہ وہ (معاذ اللہ) اپنی تلواریں لے کر یکبارگی جناب رسول اللہ پر حملہ کردیں اور آپ کو شہید کر ڈالیں۔ ایسی صورت میں آپ کے اہل خاندان ان کا بدلہ نہیں چکا سکیں گے اور دیت پر ہی اکتفا کرلیں گے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے مکر سے بچا لیا اور اس واقعہ کو تمام دنیا میں اسلام کے پھلنے پھولنے اور اس کی اشاعت کا سبب بنا دیا۔

مدینہ منورہ میں جناب رسول اللہ کا پہلا خطبہ

جونہی جناب رسول کریم (صلوات اللہ علیہ وازکی سلامہ) مدینہ منورہ پہنچے تو آپ نے لوگوں کو خطبہ دیا' جس میں آپ نے انہیں بھائی چارے' تعاون' ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی' بھلائی و احسان کرنے' ایثار و محبت اور اطاعت کی دعوت دی۔ شرک' کفر' بغض اور عہد شکنی سے اجتناب کا حکم فرمایا۔

ایک تاریخی اور بے مثال انسانی واقعہ

پھر حضور نے مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا اور فرمایا۔

"تاخوا اخوین اخوین"

(بھائی بھائی بن جاؤ)

انصار نے اس بھائی چارے کو خوش آمدید کہا اور اس کے عمدہ اور اونچے درجے کے معانی کو عملی جامہ پہنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ انہوں نے اپنی ہر چیز مہاجر بھائیوں کے ساتھ تقسیم کر لی۔ مال' رزق' معاش وغیرہ بلکہ ان میں سے ہر ایک اپنے مہاجر بھائی کے لیے اپنے آدھے گھر اور اگر اس کی دو بیویاں تھیں تو ان میں سے ایک بیوی سے بھی دستبردار ہو جانے کے لیے تیار ہو گیا تاکہ اس کی عدت پوری ہو جانے کے بعد اس کا مہاجر بھائی اس سے شادی کر لے' پھر سب نے مل کر جہاد فی سبیل اللہ میں تعاون کیا اور اپنے اتحاد اور عمدہ اور خوبصورت بھائی چارے کے صدقے فقید المثال کارنامے سرانجام دیے۔

کس چیز نے ہجرت شریفہ کو ضروری بنا دیا

حق تو یہ ہے کہ بہت سارے اہم امور نے اس کو ضروری اور انتہائی اہمیت کا حامل بنا دیا۔ ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم ان امور کا پوری طرح جائزہ لیں اور اپنے زمانے کے بہت سارے خطرناک اور بڑھتے ہوئے اندیشوں اور چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ان سے استفادہ کریں۔ ہجرت نے اس حقیقت کو بھی پختہ بنایا کہ بے شک حق ہی قوت ہے اور باطل کمزوری ہے۔ مظالم کا سہنا' اور تعذیب و ایذا رسانی کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ قوت ایمانی کو زک پہنچا سکیں' جبکہ وہ قوت ایمانی مسلم دلوں میں جاگزیں ہو جائے۔

ہجرت نے اس بات کو بھی پختہ بنایا کہ جب ایک وطن کا باسی اپنی عزت اور آزادی عقیدہ کھو بیٹھے اور اس کا دین مامون و محفوظ نہ ہو تو اس کے نزدیک نہ ہی وطن کی کوئی قیمت ہے اور نہ ہی اس کے لیے اس سرزمین میں رہنے کا کوئی مقصد ہے۔ ہجرت نے اسلامی اخوت کو مضبوط کیا اور یہ واضح کیا کہ بھائی چارہ دو دلوں کے درمیان ایک معاہدہ اور اعلیٰ انسانی زندگی کے لیے ایک عہد ہے' نیز اس حقیقت کو

مضبوط کیا کہ ایمان مصائب و مشکلات کے ذریعے ہی آزمایا جاتا ہے اور شداید و صعوبتیں تو دلوں کو قوت کے ساتھ بھر دیتی ہیں اور ارادہ کو پختگی عطا کرتی ہیں۔ وہ نہ تو کمزور پڑتا ہے نہ اس میں ضعف پیدا ہوتا ہے' نہ غم کھاتا اور نہ ہی ناامید ہوتا ہے اور اس بات کی تاکید کی کہ صبر' عمل پیہم' اتحاد اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لینا ایسے امور ہیں جو حیرت انگیز کارناموں کا باعث بنتے ہیں۔ الغرض یہ کچھ ایسے امور ہیں جن کی ہجرت شریفہ نے تصدیق کی اور انھیں مضبوط بنیادوں پر استوار کیا۔
کیا ہم ان میں سے کچھ ایسوں کی چھان پھٹک کر سکتے ہیں جو ہمارے اس زمانہ کے شیاطین کے ساتھ ہماری محاذ آرائی میں ہمارے لیے سودمند ثابت ہوں؟ کیا وہ اخوت اسلامیہ اس معیار پر پوری اتر سکتی ہے جیسے اسے رسول اللہ نے چاہا تھا؟ کیا ہم اپنے اختلافات اور اپنے جھگڑے بھول جائیں گے اور ہم ایک سیسہ پلائی عمارت کی طرح' جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کے لیے تقویت کا باعث ہو ایک دوسرے سے جڑے ہوئے' ایک صف میں کھڑے ہوں گے؟ کیا ہم اپنی سرزمین دشمنوں سے پاک کر سکتے ہیں؟ کیا ہم اپنی زندگیوں کو جھوٹ اور فریب سے بچا سکتے ہیں؟ اور کیا اپنی فکری دنیا سے ان افکار و نظریات اور ان تباہ کن اصولوں کو نکال باہر کر سکتے ہیں اور کیا اس پر کلی اعتماد رکھتے ہیں' جو کچھ جناب رسول اللہ نے ہمارے درمیان چھوڑا ہے یعنی کتاب اللہ اور آپ کی سنت اور ہم ان دونوں کو تھام لیں تاکہ کبھی بھی گمراہ نہ ہونے پائیں اور ہم اپنے حافظہ میں یہ بات محفوظ رکھ سکتے ہیں کہ اس معاملہ کا دارومدار اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی سنت اور درج ذیل آیت میں واضح کردہ راستہ پر ہے۔ "ان تنصروا اللہ ینصرکم"
(اگر تم اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرو تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا)
میں اس کی امید رکھتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہماری اس دعا کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ بے شک وہ پاک ہے' توفیق بخشنے والا ہے اور وہی سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرنے والا ہے)

وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا

اِسلام اور احترامِ والدین

تالیف

مفتی محمد خان ناصر

جامعہ رحمانیہ شادمان لاہور

مِیلادِ نبوی
کا
جشن

جونہی کہ چاند نے اپنا چکر کاٹا اور ماہ ربیع الاول صفحہ ہستی پر اپنی بارہویں رات پر فرحاں و نازاں نمودار ہوا تو ولادت رسول علیٰ صاحبہا السلام کی یاد سے تمام دنیا معطر ہوگئی اور ہر خطہ زمین میں لاکھوں مسلمانوں نے جناب رسول کریمؐ کی ولادت مبارکہ کا ذکر شروع کردیا۔

وہ اس ہادی و بشیرؐ کی سیرت کا مطالعہ کر رہے ہیں اور ان کے مناقب و صفات کا پیچھا کر رہے ہیں۔ بے شک آپ وہ نبی ہیں جن کی ذات میں تمام انسانی عمدہ اور کامل صفات' اخلاق حمیدہ اور بلند پایہ خصائل تام ہوگئیں۔ ان خصائل کا دائرہ وسیع تر ہوتا گیا' چنانچہ آپ اعلیٰ نمونہ بنے' بلاشبہ آپؐ ایسے ہی تھے جیسے کہ ذات علیم و خبیر نے آپ کے حق میں فرمایا ہے۔

"وانک لعلی خلق عظیم"

(بے شک اے نبی آپ خلق عظیم پر فائز ہیں)

اس میں کچھ شک نہیں کہ اس مولد شریف کے جشن منانے کا سب سے افضل طریقہ آپ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ ہے اور نوجوان نسل کا اس کے ساتھ تعلق جوڑنا اور محبت رسول اللہ اور تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت کا بچوں کو خوگر بنانا ہے۔ یہ ہم پر واجب ہے کہ ہم سال کے مختلف اوقات میں سیرت کے مطالعہ کا بچوں کو عادی بنائیں۔ یہ عمل ان کے ذہنوں میں اس اعلیٰ و اشرف تاریخ کو راسخ کرنے اور ان کا اس کے ساتھ تعلق جوڑنے میں بہت موثر ہے اور ایسے ہی مکمل طور پر سنت مطہرہ کے ساتھ ان کے ربط کا ذریعہ ہے۔ نیز جس قدر ان کی عقلیں اسے قبول کر سکتی ہیں' اس کی قرات کا انہیں عادی بنانا ہے جیسا کہ قرآن

کریم کی قرات کے موضوع اور نوجوان نسل کے ساتھ اس کا تعلق جوڑنے کے سلسلہ میں ہم کرتے ہیں۔ سنت مطہرہ ہو یا قرآن کریم" ان دونوں میں سے افضل چیز جو ہم انہیں سکھاتے ہیں' وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع اور آپ کی پیروی اور اسکی اقتداء ہے جو کچھ آپ کے صحابہ کرام' تابعین اور جن لوگوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی ہے" نے کیا ہے۔

میری والدہ رحمہا اللہ نے مجھے اس بات کا عادی بنایا ہے کہ ہم بیٹھیں اور کتب سیرت کا مطالعہ کریں۔ میری والدہ پڑھی لکھی نہیں تھیں مگر اس کے باوجود انہیں سیرت زبانی یاد تھی۔ وہ اپنے گھر والوں اور اپنے پڑوسیوں کو اس بات کی وصیت کرتی رہتی تھیں کہ وہ اطلاع اور بار بار مطالعہ کے ذریعے سے اس کی نگہداشت کرتے رہا کریں۔ اسی لیے اگرچہ ہم مختلف اوقات میں اس کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں مگر نوخیز نسل کا اسکے ساتھ رابطہ اور اس کے مطالعہ پر انہیں حریص بنانا لازم ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ سید الانبیاء والمرسلین کی سیرت سننے کے لیے اکٹھا ہونا ایک نہایت ہی پسندیدہ فعل ہے اور جب تک بغیر کسی ارتکاب بدعت یا اسلامی طریقہ کار سے انحراف کے' یہ تکمیل پذیر ہوتا رہے" اس میں بے شمار فضائل ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہر گھڑی اور ہر لحظہ جاری و ساری ہے مگر اس حقیقت کے پیش نظر کہ یہ ماہ ربیع الاول وہ مہینہ ہے کہ جس میں جناب علیہ الصلوۃ والسلام کی ولادت مبارکہ ہوئی۔ اس میں اگر اہتمام ذکر ہو تو لوگوں کا اس کے سماع کے ساتھ گہرا تعلق پیدا ہو جاتا ہے" بلاشبہ یہ ماہ ولادت لوگوں کو سیرت کی طرف متوجہ کرنے اور اس کے سماع کے پیش نظر ان کے اجتماع منعقد کرنے اور زمانے کے مختلف حصوں اور واقعات کی ایک دوسرے کے ساتھ کڑیاں ملانے کا بھرپور شعور پیدا کرنے کے لیے قوی ترین سبب ثابت ہوگا۔ وہ مستقبل کے ذریعے ماضی کو یاد کرتے ہیں اور حاضر سے غائب کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔ (السید الدکتور محمد علوی المالکی" جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کے بارے میں)

حتیٰ کہ معاملہ اس نوبت تک پہنچا ہوا ہے اور ماہ ربیع الاول میں میلاد شریف منانے کے ساتھ مسلمانوں کا شغف اس درجہ ہے مگر اہل علم حضرات مخصوص رات میں میلاد شریف کے اہتمام کے مسنون ہونے کے قائل نہیں' وہ اسے ایک ایسی بدعت قرار دیتے جس کا ارتکاب صحابہ اکرام نے نہیں کیا کیونکہ ہر وقت' ہر گھڑی اس کا اہتمام ضروری ہے نہ کہ صرف معین اوقات میں۔ اللہ عزوجل کے درج ذیل حکم کے پیش نظر ہم آپ کو یاد کرتے ہیں اور آپ پر درود بھیجتے ہیں۔

ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ جناب رسول اللہ کی محبت اور آپ کی ولادت اور سیرت کے ساتھ اظہار خوشی ایک ایسا فعل ہے جو ایک مسلمان کے لیے بھلائیاں لانے کا موجب ہے اور اس کے کئی اسباب ہیں۔ پہلا سبب یہ ہے کہ ایک کافر نے بھی اس سے نفع حاصل کر لیا۔ سنیئے ابولہب کے بارے' جب اس نے حضرت محمد مصطفیٰ کی ولادت کی خبر سنی تو خوش ہوا اور خوشی میں آکر اپنی لونڈی ثویبہ کو' جس نے اس کو آپ کی ولادت کی خبر پہنچائی تھی' آزاد کر دیا۔ یہ معنی و مفہوم صحیح بخاری کی ایک حدیث میں وارد ہوا ہے' جو مرسلاً آئی ہے۔ اسی ضمن میں حافظ شمس الدین محمد بن ناصر الدین ابن الدمشقی نے کیا ہی خوب درج ذیل اشعار کہے ہیں۔

اذا کان ہذا کافر جاء ذمہ
تبت یداہ فی الجحیم مخلدا
اتی انہ فی یوم الاثنین دائما
یخفف عنہ للسرور باحمدا
فما انظن بالعبد الذی کان عمرہ
باحمد مسرورا و مات موحدا

(اگر یہ شخص کافر ہے جس کی ذمت "تبت یداہ"

قرآن پاک میں وارد ہوئی ہے۔ دوزخ میں ہمیشہ
رہے گا۔ حدیث میں آیا ہے کہ سوموار کے دن
ہمیشہ اس سے عذاب ہلکا کر دیا جاتا ہے' اس لیے
کہ وہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت
پر خوش ہوا تو پھر اس بندے کے بارے میں تیرا کیا
گمان ہے جو عمر بھر احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے
ساتھ خوش رہا اور موحد بھی مرا)

امام بخاری نے اپنی "صحیح" میں کتاب "النکاح" میں اس قصہ کو روایت کیا ہے اور حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" میں اس کو نقل کیا ہے۔ امام عبدالرزاق الصنعانی نے "مصنف" (ج ۷' ص ۴۷۸' حافظ نے "الدلائل" میں' ابن کثیر نے اپنی سیرت نبویہ "البدایہ" ج ۱' ص ۲۲۴ میں' ابن الدبیع الشیبانی نے "حدائق الانوار" ج ۱' ص ۱۳۴ میں' الحافظ البغوی نے "شرح السنہ" ج ۹' ص ۷۶ میں' ابن ہشام اور سہیلی نے "روض الانف" ج ۵' ص ۱۹۲ میں' عامری نے "بہجۃ المحافل" ج ۱' ص ۴۱ میں اور بیہقی نے اس کو روایت کیا ہے۔

یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے مگر امام بخاری کے اس کو نقل کرنے اور حافظ سے لے کر تمام علماء کے محض اسی وجہ سے اس پر اعتماد رکھنے کی وجہ سے اسے قبولیت حاصل ہے۔ دوسرا جب اس حدیث کے مقبول ہونے کا یہ ہے کہ یہ مناقب و خصائص میں ہے' حلال و حرام میں نہیں ہے۔ طالبان علم' حدیث کے ساتھ استدلال کرنے کے معاملہ میں مناقب اور احکام کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ جہاں تک کفار کا اپنے اعمال سے انتفاع کا تعلق ہے تو اس میں علماء کے درمیان کلام ہے۔ مگر یہ مقام تفصیل نہیں۔ اصل اس بارے میں وہ حدیث ہے جو جناب رسول کریم کی دعا سے ابو طالب سے تخفیف عذاب کے بارے وارد ہوئی ہے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ جناب رسول اللہؐ اپنے یوم ولادت کی خود بھی تعظیم کیا کرتے تھے اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی عظمت، نعمت اور اس وجود کو جس وجود کے صدقے ہر وجود نے سعادت حاصل کی، وجود میں لا کر احسان کرنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کرتے تھے اور روزے رکھ کر اس تعظیم کا اظہار کرتے تھے۔ جیسا کہ قتادہ سے مروی حدیث میں آیا ہے:

"ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سئل عن صوم یوم الاثنین فقال فیہ ولدت و فیہ انزل علی" (رواہ الامام مسلم فی الکتاب الصیام)

"جناب رسول کریم سے سوموار کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا میں اس دن پیدا ہوا ہوں۔ اور اسی میں مجھ پر وحی نازل کی گئی"۔

یہ حدیث اس دن کو منانے کے مقصود و معنی پر روشنی ڈالتی ہے۔ مگر صورت مختلف ہے۔ بہرحال جو بھی صورت ہو خواہ اس کا اظہار روزوں کے ذریعے ہو، خواہ کھانا کھلا کر ہو، خواہ ذکر میلاد النبی کے ذریعے سے آپؐ پر درود و سلام پیش کر کے اور خواہ آپ کے اعلیٰ و ارفع فضائل و خصائص کے سماع پر جمع ہو کر ہو۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ آپؐ کی ولادت پر خوش ہونا قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق مطلوب ہے:

"قل بفضل اللہ و برحمتہ فبذلک فلیفرحوا"

"اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم ہر رحمت کے ساتھ اظہار خوشی کریں۔ نبی کریمؐ تو سب سے بڑی رحمت ہیں"۔

چنانچہ اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین"

چوتھا سبب یہ ہے کہ جناب نبی کریمؐ گزرے ہوئے بڑے بڑے دینی واقعات کے ساتھ زمانے کا ربط جوڑنے کا بڑا خیال فرماتے تھے۔ جب وہ زمانہ آ جاتا جس میں یہ واقعات رونما ہوئے تھے تو یہ زمانہ ان واقعات کو یاد کرنے اور جس دن یہ واقعات ظاہر ہوئے تھے اس دن کی تنظیم کا غنیمت موقع ہوتا اور یہ تنظیم محض ان واقعات کے سبب تھی۔ اور اس لیے تھی کہ یہ وقت اور یہ زمانہ ان کا محور و مرکز تھا۔ جناب رسول کریمؐ نے اس قانون و قاعدہ کی بنیاد بنفس نفیس رکھی تھی۔ جیسا کہ حدیث میں وضاحت کے ساتھ آیا ہے کہ

"جب نبی کریمؐ مدینہ منورہ پہنچے اور یہود کو دیکھا کہ وہ عاشورہ کے دن روزہ رکھتے ہیں ان سے اس کا سبب پوچھا۔ آپ سے کہا گیا کہ وہ اس دن اس لیے روزہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس دن ان کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نجات دی تھی اور ان کے دشمن کو غرق کر دیا تھا۔ تو لہٰذا وہ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے روزہ رکھتے ہیں۔ آپؐ فرمایا کہ اے یہود ہم تمہاری بہ نسبت حضرت موسیٰ کے زیادہ قریبی ہیں۔ چنانچہ اس دن آپ نے روزہ رکھا اور اپنے صحابہ کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا"۔

پانچواں سبب یہ ہے کہ مولد شریف صلوٰۃ و سلام پر آمادہ کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس درج ذیل قول سے مطلوب ہے:

"ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین امنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما"

"اور ایسے ہی جب بھی چاند چکر کاٹتا ہے اور ربیع الاول کا مہینہ ہم پر طلوع ہوتا ہے تو میں سیرت کی بنیادی اور اصل کتابوں پر جھک جاتا ہوں اور ان کے مطالعہ میں منہمک ہو جاتا ہوں۔ میں اس دوران رحمت کے سایوں کی چھاؤں میں رہتا ہوں۔ نسیم سیرت سے

معطر جھونکے میری راحت کا سامان بنتے ہیں

جب سے نور محمدی علی صاحبہ السلام کائنات پر جلوہ فگن ہوا تو میں آپ ؐ کے بحیثیت جانشین منتخب ہونے' آپ کی بعثت' آپ کی اچھی دعوت' آپ کی ہجرت کے واقعات اور بت پرستی' شرک اور گمراہی کے مخالف آپ کی تاریخی جنگیں' دولت اسلامیہ کے قیام کے لیے آپ کی کوششیں' حجۃ الوداع اور اس کے خطبات اور جناب رسول اللہ ؐ کی وفات کے بعد آپ کے رفیق اعلیٰ کی طرف منتقل ہو جانے کے سبب وحی آسمانی کے منقطع ہو جانے تک سیرت کے یہ سارے واقعات یاد کرتا ہوں ہاں یہاں میں اس مہینہ میں جو میلاد شریف کے سبب ممتاز ہے سیرت کی اصل کتابوں پر آسن مارے بیٹھا رہتا ہوں۔ اگرچہ اس سیرت کے واقعات سارا سال مجھ سے غائب نہیں رہتے۔ وہ ہمیشہ میرے تصور میں موجود رہتے ہیں۔ میں ان کو یاد کرتا رہتا ہوں۔ ان سے سبق حاصل کرتا ہوں' ان کی طرف رجوع کرتا ہوں اور جن عبرتوں' نصیحتوں اور زندگی کے جن طرز ہائے عمل پر یہ مشتمل ہیں' جو سید انبیاءؑ نے انسانیت کی تعلیم کے لیے اختیار فرمائے تھے' ان سے خود استفادہ کرتا ہوں اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاتا ہوں۔ کل میری شریک حیات میرے کمرے میں آئی۔ اس وقت میں مطالعہ میں مصروف تھا۔ اس نے وہ دیکھا جو میں پڑھ رہا تھا۔ یہ آپ کی ولادت کی فصل تھی۔ جس میں ابن اسحاق (کا تمین سیرت کا شیخ) لکھتا ہے

"ولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم الاثنین لاثنتی عشرۃ لیلۃ من ربیع الاول عام الفیل"

"جناب رسول اللہ (ہاتھی والے سال) ربیع الاول کی بارھویں رات بروز سوموار پیدا ہوئے"۔

پھر اس نے پوچھا آپ ؐ کی پیدائش ربیع الاول میں سوموار کے دن کیوں ہوئی اور رمضان کے دنوں میں سے کسی دن کیوں نہیں ہوئی؟ جس میں قرآن نازل کیا گیا اور لیلۃ القدر کے ساتھ بھی یہ مزین ہے۔ یا ماہ حرام میں سے کسی مہینے میں کیوں نہیں ہوئی۔ جن

کی اللہ تعالیٰ نے جس دن سے آسمان و زمین پیدا فرمائے ہیں حرمت مقرر فرما دی ہے۔ یا شعبان المبارک میں کیوں نہیں ہوئی۔ وہ شعبان جس کے نصف میں لیلۃ مبارکہ (مبارک رات) ہے۔

میری شریک حیات نے اپنے سوال کو ختم کیا اور جواب کے انتظار میں میری طرف دیکھا تو میں نے اس کے بعد والے سطر میں جو کچھ آ رہا تھا نظر دوڑائی تو جواب کے لیے اس میں مجھے کچھ نہ مل سکا۔ میں نے اس سے مہلت چاہی تاکہ تحقیق کر سکوں اور غور و فکر کروں۔ اب میں اپنے آپ سے پوچھنے لگا کہ کس وجہ سے خالق عظیم نے چاہا کہ اس معزز بچے کو خاص ربیع الاول کی بارہویں تاریخ کو سوموار کے دن اس دنیا میں ظاہر فرمائے۔ لازمی طور پر اس میں کوئی بہت بڑی حکمت ہوگی۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم اس کی تحقیق کریں' تاکہ اس کی معرفت اور اس سے مستفید ہونے کا شرف حاصل کر سکیں۔ چنانچہ میں نے سیرت کی بنیادی کتب کی طرف رجوع کیا۔ ان کی ورق گردانی کرنے لگا اور علماء مورخین اور محققین نے اس حکمت تک پہنچنے کی کوشش میں جو کچھ کیا ہے اس کی چھان بین کرنے لگا۔ تحقیق و تفتیش میں کئی گھنٹے گزارنے کے بعد کتابوں نے اس کی کئی وجوہات ذکر کر کے مجھے جواب مہیا کر دیا۔

پہلی وجہ یہ ہے جیسا کہ

حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے درخت کو سوموار کے دن پیدا فرمایا۔ (امام احمد نے اپنی مسند ج ۲' ص ۳۲۷ میں یہ حدیث روایت کی ہے) اس میں بڑی تنبیہ ہے اور وہ یہ ہے کہ روزی' رزق' پھل اور تمام بھلائیاں جن کے سہارے بنی آدم پھلتے پھولتے ہیں' زندہ رہتے ہیں ان سے اپنا علاج معالجہ کرتے ہیں اور انہیں دیکھ کر ان کے دل خوش ہوتے ہیں' پیدا فرمائے کیونکہ حکیم مطلق کی حکمت کے مطابق جو چیز ان کی زندگیوں کی بقاء کی ضامن تھی وہ انہیں حاصل ہو گی۔

چنانچہ جس دن میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی وہ دن تمام آنکھوں کے لیے ٹھنڈک ہے۔ (سبل الھدیٰ والرشاد' امام محمد یوسف الصالحی' ج ۱' ص ۴۰۶)

اس میں کچھ بحث نہیں کہ سوموار کا دن مبارک دن ہے۔ جس نے جناب رسول کریم کی اس میں ولادت کے باعث عزت پائی۔

"و قد سئل عنه صلی اللہ علیہ وسلم فقال ذاک یوم ولدت فیه - او قال انزل علی فیه" (صحیح مسلم "کتاب الصیام" حدیث ۱۱۶۲ مسند احمد ۲/۲۰۰)

"اس دن کے بارے میں آپ سے پوچھا گیا۔ فرمایا یہ وہ دن ہے جس میں میں پیدا ہوا ہوں یا فرمایا اس میں مجھ پر وحی نازل کی گئی"۔

یعقوب بن سفیان نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی۔ ابن عباسؓ نے فرمایا:

"ولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم الاثنین و استنبی یوم الاثنین و رفع الحجر الاسود یوم الاثنین"۔

"جناب رسولؐ سوموار کے دن پیدا ہوئے۔ سوموار کے دن آپؐ کی بعثت ہوئی اور سوموار کے دن حجر اسود اٹھایا"۔

دوسری وجہ

بے شک ماہ ربیع الاول میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور میں اس شخص کے لیے کھلا اور واضح اشارہ پایا جاتا ہے جس نے کلمہ "ربیع" کے اشتقاق کا ادراک کر لیا۔ کیونکہ اس میں اچھا شگون اور امت کے لیے بشارت ہے۔ الشیخ الامام ابو عبدالرحمن الصقلی رحمۃ اللہ تعالی نے فرمایا:

"ہر انسان کو اس کے نام سے حصہ ملتا ہے۔ یہ اشخاص وغیرہ پر منطبق ہوتا ہے۔ جہاں تک موسم ربیع کا تعلق ہے اس میں زمین

کے پیٹ میں جو اللہ تعالیٰ کی بہت ساری نعمتیں پوشیدہ ہیں ظاہر ہوتی ہیں اور وہ ان ارزاق کو نکال باہر کرتی ہے جو بندگان خدا تعالیٰ کا سہارا ہیں۔ انہیں پر انسانی زندگیوں' ان کی معاش اور ان کی اصلاح احوال کا دارومدار ہے۔ دانہ' گٹھلی اور طرح طرح کی نباتات جو زمین میں پوشیدہ ہوتی ہیں پھوٹ پڑتی ہیں دیکھنے والا انہیں دیکھ کر خوش ہو جاتا ہے۔ اور وہ اپنی زبان حال سے مستقبل قریب میں اسے اپنے پک جانے کی خوشخبری دیتی ہیں۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں شروع ہونے کی خوشخبری کی طرف ایک عظیم اشارہ پایا جاتا ہے۔

جناب نبی کریم کی ولادت باسعادت میں کچھ اشارات ایسے پائے جاتے ہیں جن میں بعض کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور یہ نبی عظیم صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم مرتبے کی تشہیر اور تنویہ کی سمت واضح اشارہ ہے اور آپ تمام جہانوں کے لیے بشارت ہیں۔ دونوں جہانوں میں مکلف اور مخلوق (ملائکوں اور غیروں) کے مقابلے میں رحمت ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں پر احسانات میں سے سب سے بڑا احسان جناب رسول کریم کا ان کو اللہ تبارک تعالیٰ کے سیدھے راستہ کی طرف راہنمائی کرنا ہے اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ آپ صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کرتے ہیں"۔ (سبل الھدیٰ والرشاد' امام محمد یوسف صالحی' ج ۱' ص ۳۰۷)

تیسری وجہ

جہاں تک آپ کی شریعت کا تعلق ہے' اس میں اور موسم ربیع میں قدر مشترک پائی

جاتی ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ موسم ربیع تمام موسموں میں سے معتدل ترین اور خوبصورت ترین موسم ہے۔ کیونکہ اس میں نہ پریشان کن سردی ہوتی ہے اور نہ تکلیف دہ گرمی اور نہ ہی اس کی راتوں میں خلاف عادت طوالت پائی جاتی ہے اور نہ ہی اس کے دنوں میں بلکہ سارے کے سارے معتدل ہوتے ہیں۔ یہ ایک موسم ہے جو موسم خریف، موسم سرما اور موسم گرما کے نقائص اور خرابیوں سے پاک ہوتا ہے۔ بلکہ اس میں لوگ خوشی و نشاط میں ہوتے ہیں اور ان کی صحت درست ہو جاتی ہے۔ قیام کے لیے ان کی راتیں اور صیام کے لیے ان کے دن بہت عمدہ اور موزوں بن جاتے ہیں۔ یہ اس موسم اور اس آسان شریعت میں جو جناب صلی اللہ علیہ لے کر آئے ایک قدر مشترک ہے۔

چوتھی وجہ

اس حکیم مطلق سبحانہ و تعالیٰ کی حیثیت یہ ہوئی کہ زمان و مکان آپؐ کے وجود سے شرف حاصل کریں۔ نہ کہ آپ ان سے مشرف ہوں اور وہ زمان و مکان جو آپ کی شخصیت کو اپنے اندر سموئے ہوئے تھا اسے دوسرے زمان و مکان پر بہت بڑی فضیلت اور بہت بڑا امتیاز حاصل ہو جائے۔ مگر وہ زمان و مکان اس سے مستثنیٰ ہیں۔ جن میں اعمال خیر کی کثرت ہوتی ہے اور یہ سچ ہے کہ اگر آپ ماہ رمضان یا ماہ ہائے حرام یا شعبان المبارک میں پیدا ہوتے تو بعض کو یہ گمان ہوتا کہ چونکہ ان مہینوں کی پہلے سے کچھ قدرو منزلت ہے۔ اس بنیاد پر آپؐ ان سے مشرف ہوئے ہیں مگر اس حکیم جل جلالہ نے یہ چاہا کہ آپؐ ماہ ربیع الاول میں پیدا ہوں تاکہ یہ مہینہ آپ کی ذات کریمہ سے عزت پائے۔ آپ سے مزین ہو اور آپ کی ولادت کا جو شرف اسے حاصل ہوا ہے اس پر تاقیامت فخر کرتا رہے اور اس طریقہ سے جتنا بڑا اور قدیر سبحانہ و تعالیٰ کی اپنے نبی کریمؐ پر عنایت اور آپ کے ساتھ انتہائی درجہ اہتمام کا اظہار ہو۔

احمد شوقی نے کیا ہی خوب کہا ہے:

بک بشر اللہ السماء فزینت
و تضوعت مسکا" بک الغبراء
یوم بتہ علی الزمان' صباحہ
و مساؤ بمحمد وضاء

"اللہ تعالیٰ نے آسمان کو آپؐ کی ولادت باسعادت کی
بشارت دی اور اس کو سجا دیا گیا اور زمین آپ کی
بدولت مشک کی خوشبو سے مہک اٹھی۔ جس دن آپ
کی ولادت باسعادت ہوئی اس دن کی صبح سارے زمانے
پر اترا رہی ہے اور اس دن کی شام حضرت محمدؐ کے دم
قدم سے روشن و تاباں ہے"۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی میلاد کا منانا آپؐ کی یاد تازہ کرنا ہے اور جب یہ علمی اور پند و نصائح پر مبنی مجالس دین اسلام کے آداب کے دائرہ کار میں ہو تو یہ ایک ایسا عمل ہے جس کو اہل علم نے بہ نگاہ پسندیدگی دیکھا ہے۔ کیونکہ اس ذریعے سے آپ کی سیرت طیبہ کے ساتھ ایک گونہ تعلق پیدا کرنا' آپؐ کے معجزات' آپ کی سیرت اور آپ کے خصائل کے درپے ہونا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کی اقتداء کرنے اور آپ کے طریقے پر چلنے کا حکم دیا ہے اور بے شک آپؐ ہمارے لیے بہترین نمونہ ہیں۔ آپؐ کے خصائل اور آپؐ کی صفات کی معرفت آپؐ پر کمال ایمان کی داعی ہے۔ آپؐ کی سیرت کے درپے ہونا آپ کی محبت کو گہرا کرتا ہے اور نفوس مومنہ میں اس کو راسخ بناتا ہے۔ چنانچہ اسی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے اللہ عز و جل اپنی کتاب کریمہ میں فرماتے ہیں:

"و کلا نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت بہ
فوادک"

"اور سب کچھ ہم تمہیں رسولوں کی خبریں سناتے ہیں جس سے تمہارا دل ٹھہرائیں"۔

"اے اللہ ہمارے دلوں کو اسلام پر ثابت و قائم کر دے۔ ایمان ان کی گہرائیوں میں پہنچا دے اور ہمیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نصیب کر"۔ آمین۔

قد افلح المؤمنون الذين هم فی صلاتهم خاشعون
نماز
میں
خشوع و خضوع
کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے؟
WWW.NAFSEISLAM.COM
امام ابنِ رجب حنبلی
حضرت مُلّا علی قاری
مفتی محمد خاں قادری
عالمی دعوتِ اسلامیہ
۱۔فصیم روڈ۔اسلامیہ پارک۔لاہور

جناب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے حضور

السلام علیک یا رسول اللہ

السلام علیک یا حبیب اللہ

ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ نے امانت ادا کردی۔ پیغام رسالت کماحقہ پہنچادیا۔ امت کی خیر خواہی کی اور تادم آخر اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا اور ہم اس بات پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتے ہیں کہ ہم آپؐ سے محبت رکھتے ہیں اور اس سے بھی محبت رکھتے ہیں جو آپؐ سے محبت کرتا ہے اس امید پر کہ شاید اللہ تعالیٰ اپنے فضل، اپنے عفوعام اور اس ذخیرہ محبت کے صدقے ہمیں روز قیامت آپ کی معیت میں اٹھائے اور ہمیں آپؐ کے حوض پر لا کھڑا کرے اور ہم اس سے بڑی آسانی اور سکون کے ساتھ اور خوشی خوشی ایسا گھونٹ پانی کا پئیں جس کے پینے کے بعد ہم پھر کبھی پیاسے نہیں ہوں گے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ہمارے لیے یہ بہت بڑی سعادت اور بہت بڑی خوشی ہوگی اور جب خوشبوؤں سے مہکتی ہوئی سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤں کا ذکر ہم دہرا رہے ہوتے ہیں تو یقیناً ہم اس کے اثرات کو اپنے دلوں کی گہرائیوں میں محسوس کرتے ہیں۔

یادوں کے ان واقعات اور اسی ماحول میں ان کے ذریعے سے ہم اپنے نفوس کو معطر بناتے ہیں، اپنے ایمانوں کو تقویت دیتے ہیں، اپنی ہمتوں کو تیز کرتے ہیں اور ان سے اپنے جذبات کو بھر دیتے ہیں۔ مگر سیرت طیبہ کے اس ذکر میں نہ تو کوئی تبدیلی لاتے ہیں اور نہ ہی کوئی انداز بدعت و ضلالت اختیار کرتے ہیں۔ یہ تو محض ان معزز یادوں کی گونج کا ایک گونہ تکرار اور ان کا پیچھا کرنا ہے جس نے کائنات کو رونق اور خوشی سے اس

صورت میں بھر دیا ہے جس صورت میں یہ امت ہمیشہ ہمیشہ شعلہ ایمان سے روشنی حاصل کرتی رہے گی تاکہ اس روشنی کے صدقے امت محمد علی صاحبہ السلام کی آنے والی نسلوں کے سامنے نسلاً بعد نسل لگاتار ان کا راستہ روشن رکھ سکے اور وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت اور آپ کے اصحاب کی محبت کے وارث ہوتے رہیں۔ اور اس سے ان کا ایمان مکمل ہو اور قیامت میں آپؐ کی معیت میں ہوں اور یہی بات آپؐ اس بدو سے فرماتے ہیں جو آپؐ کی خدمت میں کچھ پوچھنے کے لیے حاضر ہوتا ہے۔ عرض کرتا ہے:

یا رسول اللہ! قیامت کب آئے گی؟

آپؐ (علیہ ازکی الصلوٰۃ والتسلیم) اس سے فرماتے ہیں:

وما ذا اعددت لها؟ قال الاعرابی ما اعددت لها كثير صلاة ولا صيام ولا صدقة الا انى احب الله ورسوله

بھلا آپ نے اس کے لیے کیا تیار کر رکھا ہے؟

بدو نے عرض کی یا رسول اللہ! میں نے اس کے لیے نہ تو بہت ساری نمازیں تیار کی ہیں نہ بہت سارے روزے اور نہ ہی صدقے مگر ایک بات ضرور ہے کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جو جواب دیا وہ اس کو مطمئن کرنے والا اور ایک مکمل جواب تھا۔ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اس کی دل کی گہرائیوں میں ٹھکا دیا وہ جو آپ کی محبت کی طرف اسے بلانے والا تھا اور اس سے اس کے نفع مند اور فیض یاب ہونے کو یقینی بنا رہا تھا وہ جواب آپؐ نے اسے ایک ایسے جامع کلمے میں دیا جس کا شمار آپ کے جوامع الکلم میں ہوتا ہے وہ یوں ہے:

"المرء مع من احب"

"آدمی کا حشر اسی شخص کے ساتھ ہو گا جس کے ساتھ وہ محبت رکھتا ہے"۔

راوی حدیث حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اس پر اپنے قول سے یوں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ما رایت المسلمین فرحوا بعد الاسلام کفرحہم بہذا۔

میں نے مسلمانوں کو دولت اسلام سے مالا مال ہونے کی خوشی کے بعد کسی اور بات سے اتنا خوش ہوتے نہیں دیکھا جتنا اس کلمے سے انہیں خوش ہوتے دیکھا ہے۔

بلاشبہ ان حضرات نے آپؐ سے محبت کی۔ آپ کی مدد کی اور ہمیں جنابؐ سے محبت کے مطلب سے روشناس کرایا۔

"انہم رجال صدقوا فیما عاہدوا اللہ علیہ"۔

"بے شک یہ وہ لوگ تھے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے گئے اپنے عہد اور جناب رسول اللہ کی محبت میں اور آپ کیساتھ ایمان رکھنے میں پکے ثابت ہوئے"

اور انہوں نے کہا:

"ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان ان اٰمنوا بربکم فاٰمنا"۔

"اے ہمارے رب ہم نے ایک منادی کو سنا کہ ایمان لانے کے لیے ندا فرماتا ہے کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لائے"۔

اور انہوں نے دعوت اسلام کی راہ میں اپنی جانوں کو سستا سمجھتے ہوئے نچھاور کر دیا" جھک گئے" تواضع اختیار کی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اپنی آوازیں دھیمی کیں۔ جناب رسول اللہ کی خاطر اپنی جانوں کی بازی لگا دی۔ ایمان بالغیب اور رسول اللہ کی محبت میں ان سے عجیب و غریب باتوں کا ظہور ہوا اور آخرت کو دنیا پر" ہدایت کو حصول مال پر ترجیح دی۔ اور سنو اب ہم پر اس معزز مہینہ میں خوشبوؤں بھری یاد سایہ فگن ہے۔ ماہ ربیع الاول کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں اکثر روایات کے مطابق

جناب رسول اللہ کی ولادت باسعادت ہوئی اور اسی مہینہ میں آپ مکہ تشریف لائے۔ اپنے دوست کے ہمراہ مکہ کے زیریں علاقہ میں واقع جبل ثور (ثور پہاڑ) کی ایک غار کی طرف نکلے۔ جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے:

"ثانی اثنین اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا"

"صرف دو جان سے جب وہ دونوں غار میں تھے جب اپنے یار سے فرماتے غم نہ کھا بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے"۔

پھر اسی مہینہ میں حضرت ابوبکر صدیق کی معیت میں آپؐ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہوئے۔ یہ ہجرت خدا تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ہوئی۔ جس نے آپ کو اپنے سب سے پسندیدہ خطہ زمین کی طرف نکالا اور یہ بڑا پاکیزہ موقع ہے۔ جس میں ہم معطریادوں کی خوشبوئیں دوبارہ سونگھ کر لطف اندوز ہو رہے ہیں اور کتاب اللہ اور اس کے رسول کی سنت کے ضابطوں کے مطابق ہم سیرت مصطفیٰ کے مطالعہ میں مگن ہوتے ہیں۔ جب ہم ایسا عمل کرتے ہیں تو گویا ہم جناب رسول اللہؐ کے اصحاب کے طریقہ پر چلتے ہیں۔ ایک حدیث میں جس کی روایت امام نسائی نے کی ہے یوں آیا ہے کہ:

"ایک دفعہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حلقہ احباب میں تشریف لائے۔ ان سے پوچھا تمہیں یہاں کس چیز نے بٹھایا ہے۔ انہوں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم یہاں اس لیے بیٹھے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ اور جو اس نے ہمیں اپنے دین کا راستہ دکھایا ہے اور آپؐ کو ہماری طرف مبعوث کر کے ہم پر جو احسان کیا ہے اس پر اس کی حمد بجا لائیں۔ فرمایا کیا اللہ کی قسم دے کر کہتے ہو کہ کیا تمہیں اس چیز نے یہاں بٹھلایا ہے؟ عرض کی بخدا ہم صرف اسی لیے بیٹھے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا میں نے تم سے اس لیے قسم نہیں لی کہ تم پر کسی قسم کی کوئی تہمت ہے۔ میرے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے ہیں۔ انہوں نے مجھے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کی جماعت میں تم پر فخر کر رہے ہیں"۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفاء نے ایسے طریقے ایجاد کیے جن کے ساتھ تمسک گویا اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تصدیق، خدا تعالیٰ کی اطاعت کا عملاً بجا لانا اور اللہ تعالیٰ کے دین کو قوی کرنا ہے۔ کسی کو ان میں کسی قسم کا تغیر کرنے اور انہیں تبدیل کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ جو شخص ان کی مخالفت کرے اس کی رائے کو خاطر میں نہیں لانا چاہیے۔ بلاشبہ جو ان کی پیروی کرے گا وہی ہدایت یافتہ ہے اور اگر ان کے ذریعے اور ان پر عمل پیرا ہو کر غلبہ چاہے تو وہی موید و منصور ہے اور جو ان کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر کسی اور راستہ کی پیروی کرے تو اللہ تعالیٰ اسے وہاں پھیر دیں گے جدھر وہ پھرا اور اسے جہنم رسید کریں گے۔ بے شک وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ ہم کتاب عزیز میں اللہ تعالیٰ کے اس قول پر غور کرتے ہیں جو پہلے گزر چکا ہے کہ

"اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہیں اور رسولؐ ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے"۔

اور اللہ تعالیٰ کے ان درج ذیل اقوال پر غور و فکر کرتے ہیں:

"من یطع الرسول فقد اطاع اللہ و من تولی فما ارسلنک علیھم حفیظا"

"جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ تعؐ کا حکم مانا اور جس نے منہ پھیرا تو ہم نے تمہیں ان کے بچانے کو نہ بھیجا"۔

"لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللہ والیوم الاخر و ذکر اللہ کثیرا"

جب ہم ان مذکورہ بالا آیات میں سوچ بچار کرتے ہیں تو ان کے اندر ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو آپؐ کی اطاعت اور آپؐ کی محبت کا حکم جھلکتا ہوا نظر آتا ہے اور ان میں ہمیں آپ کے مقام و مرتبہ کی وضاحت اور مسلمانوں کے دلوں میں اس

سلسلہ میں جو کچھ ہونا ضروری ہے' دکھائی دیتا ہے۔ پھر ہم آپؐ کی اس حدیث پر غور و خوض کرتے ہیں جس میں آپؐ حضرت عمرؓ کو خطاب فرماتے ہیں۔ جس دن حضرت عمرؓ نے آپؐ سے عرض کی:

انک یا رسول اللہ احب الی من کل شئی الا نفسی قال: لا والذی نفسی بیدہ حتی اکون احب الیک من نفسک فقال عمرؓ فانک الان واللہ احب الیّ من نفسی "فقال الآن یا عمرؓ"

"اے اللہ تعالیٰ کے رسولؐ بے شک آپ مجھے ہر چیز سے بڑھ کر عزیز ہیں۔ سوائے میری اپنی جان کے۔ فرمایا نہیں قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے جب تک کہ میں تمہیں اپنی جان سے بھی زیادہ پیارا نہ ہوں (تم کامل الایمان مسلمان نہیں بن سکتے) حضرت عمرؓ نے عرض کی بے شک اب آپؐ بخدا مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ پیارے ہیں۔ فرمایا اب اے عمرؓ یعنی اب آپ کامل الایمان ہیں"۔

اس طرح جناب رسول اللہ نے بڑے صریح اور واضح انداز میں محض اپنی محبت کے ذریعے سے ہی ایمان کامل ہونے کی وضاحت فرما دی۔ پھر ہم جناب رسول اللہؐ کی اس حدیث میں بھی غور و خوض کرتے ہیں جس میں آپؐ اس محبت میں شرک کے انجام سے ڈراتے ہیں۔ جس کی وضاحت خود جناب رسول اللہؐ نے اپنے الفاظ میں یوں فرمائی ہے:

"میری مدح میں اتنا غلو نہ کیجئے جس قدر نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کی مدح میں کیا"۔

نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم کی مدح میں اس قدر غلو سے کام لیا کہ انہوں نے طاقت و قدرت کے لحاظ سے انہیں اللہ کا شریک و ہمسر ٹھہرا لیا اور کہنے لگے معاذ اللہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں۔ وہ تینوں ہستیوں کے تیسرے ہیں۔ چنانچہ ان کی محبت ایک ایسی محبت

ہے جس میں شرک کی آمیزش ہے اور اس محبت کو بدعت نے خراب کر دیا اور ان کو بھول بھلیاں میں لا کھڑا کیا۔ (Labyrinth) اور انہوں نے ان کی محبت میں اتنا مبالغہ کیا جس کا آپ نے ان کو حکم نہیں دیا تھا۔ چنانچہ اسی حقیقت کو قرآن پاک یوں بیان فرماتا ہے:

"کبرت کلمۃ" تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذ با"

"اور قیامت کے دن گواہوں کے سامنے اللہ تعالیٰ ان کے اس جھوٹ کی قباحت کا انکشاف فرمائیں گے"۔

کتب میں یوں کہا گیا ہے:

" و اذ قال اللہ یا عیسی بن مریم أ أنت قلت للناس اتخذ ونی و امی الٰھین من د ون اللہ قال سبحانک مایکون لی ان اقول مالیس لی بحق ان کنت قلتہ فقد علمتہ تعلم ما فی نفسی و لا اعلم ما فی نفسک انک انت علام الغیوب"۔

اسی لیے حدیث شریف وارد ہوتی ہے جو اس مدح سرائی کی آخری حدود' اس کے مراحل اور اس کے خطرات کی وضاحت کرتی ہے اور اس محبت سے باخبر کرتی ہے جس میں شرک کی آمیزش ممکن ہے۔ چنانچہ بحث واضح الدلالۃ میں اس صورت کا نصاریٰ کی حضرت عیسیٰ کی ثنا خوانی کے ساتھ تعلق جوڑ دیا۔

مگر جہاں تک آپ کی محبت' آپ کی تعظیم' آپ کے اجلال و اکرام اور آپ کے اتباع کا تعلق ہے تو ان سب پر آپ نے ہمیں آمادہ فرمایا ہے اور راہ راست کی طرف ہماری راہنمائی فرمائی ہے۔ آپ تمام لوگوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والے تھے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں آپ فرماتے ہیں:

"ان اعرفکم باللہ أنا"

"بے شک تم سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والا میں ہوں"۔

اے اللہ میں تجھ سے تیری محبت مانگتا ہوں۔ اور اس کی محبت بھی جو تجھ سے محبت رکھتا ہے۔ اور ہر اس عمل کی محبت جو مجھے تیرے قریب کر دے۔ یہاں تک کہ آپ کے لیے ہماری محبت ایسی مثبت اور موثر صورت اختیار کرتی ہے جو اپنے پاکیزہ نتائج لانے کا سبب بنتی ہے۔ بے شک اس محبت کا صحیح طریقہ کار کے ساتھ رہنا پیدا کرنا ہمارے لیے واجب ہے۔ اس طریقہ کار کا قرآن کریم یوں اعلان کرتا ہے:

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ"۔

اسوہ حسنہ کو بطور مثال اپنے سامنے رکھنے کا جو یہ درجہ اول حکم ہے۔ اس کے ساتھ ہماری اس محبت کا تعلق ہونا ضروری ہے۔

"لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الاخر"

"بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے اس کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرے"۔

جناب رسول کریم فرماتے ہیں:

من احب سنتی فقد احبنی و من احبنی کان معی فی الجنۃ

"جس شخص نے میری سنت سے محبت کی بے شک اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا"۔

جناب رسول کریمؐ سے آپ کی سنت کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا:

"المعرفۃ راس مالی و الحب اساسی و الشوق

سر کبی و ذکر اللہ انسی و الثقۃ کنزی و الحزن رفیقی و العلم سلاحی و الصبر ردائی و الرضی غنیمتی و العجز فخری و الزہد حرفتی و الیقین قوتی و الصدق شفیعی و الطاعۃ حسبی و الجہاد خلقی و قرۃ عینی فی الصلاۃ"

(معرفت میرا سرمایہ ہے۔ محبت میری بنیاد اور اصل ہے' شوق میری سواری ہے' ذکر الٰہی میرا مونس و غمخوار ہے اور تقویٰ میرا خزانہ ہے' غم میرا ساتھی ہے' علم میرا ہتھیار ہے' صبر میری چادر ہے' رضا میرے لیے غنیمت ہے' عجز میرا فخر ہے۔ زہد میرا پیشہ ہے' یقین میری قوت ہے' سچائی میری شفیع ہے' اطاعت میرا حسب ہے' جہاد میرا خلق ہے' نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے)۔

ایک اور حدیث میں درج ذیل کلمات بھی مروی ہیں۔

"و ثمرۃ فؤادی فی ذکرہ و غمی لاجل امتی و شوقی الی ربی عز و جل"

"میرے دل کا پھل اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ہے اور میرا غم میری امت کے لیے ہے اور میرا شوق میرے رب عز و جل کی طرف ہے"۔

یہ ہے جناب رسول اللہ کی سنت یا آپ کا طریقہ یا اسلوب جس کے ساتھ تمسک ذکر حکیم کی آیات کے بعد لازم ہے۔

چنانچہ سورہ الحشر میں اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں:

وما اتا کم الرسول فخذوہ وما نہا کم عنہ فانتہوا و اتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب

"جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لے لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو"۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ سورۃ احزاب میں فرماتے ہیں:

وما کان لمومن و لا مؤمنۃ اذا قضی اللہ و رسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم

"نہ کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو پہنچتا ہے کہ جب اللہ اور رسول کچھ حکم فرمائیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے"۔

صحابہ کی تگ ودو

اللہ کے رسول کی محبت وہ منزل ہے جس کی طرف مسلمان سبقت کرتے ہیں اس پر مرمٹتے ہیں اور اس تک پہنچنے کی کوشش میں عمل پیرا ہیں اور کیوں نہ ہوں آپ وہی تو ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول کے ساتھ یوں تعریف فرمائی ہے:

"وانک لعلی خلق عظیم"

اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے اور آپ کو مومنین کے ساتھ بہت زیادہ نرمی کرنے والا اور رحم کرنے والا بنا کر بھیجا ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ بذات خود بھی اور اس کے فرشتے بھی آپ پر درود بھیجتے ہیں۔ چنانچہ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"انا ارسلنک شاھدا و مبشرا و نذیرا لتومنوا باللہ و رسولہ و تعزروہ و توقروہ"

"یا ایھا الذین امنوا لا تقدموا بین یدی اللہ و رسولہ"

"اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ

سے ڈرو بے شک اللہ سنتا جانتا ہے"۔

"یا ایہا الذین امنو لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی"

"اے ایمان والو اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے کی سے"۔

"لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا"

"رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرا لو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے"۔

حضرت عبداللہ بن عباس اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: آپ کی قدر کرو اور آپؐ کی تعظیم کرو۔

مجاہد نے اس کی تفسیر میں کہا: آپ کے مرتبے کو پہچانو اور آپ کی تعظیم میں مبالغہ کرو۔

روایت کی گئی ہے کہ ان آیات کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کی:

"خدا اے اللہ کے رسولؐ میں اب ان آیات کے نازل ہونے کے بعد آپ کے ساتھ ایسے کلام کروں گا جیسے ایک سرگوشی کرنے والا کرتا ہے اور حضرت عمرؓ جب بھی آپؐ سے گفتگو کرتے تو ایسے کرتے جیسے کوئی کانا پھوسی کرنے والا کرتا ہے"۔

حضرت عمرو بن العاص سے روایت کی گئی ہے انہوں نے کہا:

ما کان احد احب الی من رسول اللہ ولا اجل فی عینی منہ وما کنت اطیق ان املأ عینی من اجلالہ ولو

سئلت ان أصفه ما اطقت لانی لم
اکن أملأ عینی منه

"جناب رسول اللہ سے زیادہ مجھے کوئی بھی
محبوب نہ تھا اور نہ ہی میری نظر میں آپ
سے زیادہ کوئی معزز و مکرم تھا مگر اس کے
باوجود آپ کی عزت و اکرام کے باعث میں
نظر بھر کر آپ کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اگر مجھ
سے آپ کا سراپا بیان کرنے کو کہا جائے تو یہ
بھی میری وسعت میں نہیں کیونکہ میں نظر
بھر کر کبھی بھی آپ کو نہ دیکھ سکا"۔

ترمذی نے حضرت انس سے روایت کی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین و انصار میں سے اپنے بعض صحابہ کے پاس تشریف لاتے تھے اور وہ بیٹھے ہوئے ہوتے تھے۔ ان میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ بھی موجود ہوتے۔ سوائے ابوبکرؓ اور عمرؓ کے کوئی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا۔ وہ دونوں آپ کی طرف دیکھتے رہتے اور آپؐ ان کی طرف دیکھتے۔ وہ دونوں آپ کو دیکھ کر تبسم کرتے اور آپ بھی ان کو دیکھ کر مسکراتے۔ ابو ابراہیم التجیبی کہتے ہیں (ہر مومن کے لیے واجب ہے کہ جب بھی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرے یا اس کے پاس آپ کا ذکر کیا جائے تو وہ جھک جائے، عاجزی اختیار کرے، باوقار رہے، کسی قسم کی نقل و حرکت نہ کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت اور عظمت اپنے اس پر طاری ہو جائے جیسے اگر وہ آپ کے سامنے موجود ہوتا تو اس پر طاری ہوتی۔

امیر المومنین ابو جعفر منصور نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں حضرت امام مالک سے مناظرہ کیا۔ حضرت امام مالک نے اس سے فرمایا یا امیر

المومنین و لا ترفع صوتک فی ھذا المسجد فان اللہ تعالی ادب قوما فقال (لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی) (الحجرات)

(اے امیر المومنین اس مسجد میں اپنی آواز بلند مت کیجئے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی سرزنش کی اور ان کو ادب سکھاتے ہوئے ان سے فرمایا (اپنی آوازوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند نہ کرو) اور ایک قوم کی تعریف فرمائی اور ان کے بارے میں فرمایا **ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ**) اور ایک قوم کی ملامت کی اور فرمایا **ان الذین ینادونک** اور بے شک وفات کے بعد بھی آپ کی حرمت ایسے ہی ہے جیسے کہ آپ کی اس دنیا کی زندگی میں تھی۔ چنانچہ ابو جعفر یہ آیات سن کر جھک گیا۔ مصعب بن عبداللہ نے کہا کہ حضرت امام مالک کا یہ حال تھا کہ جب ان کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو ان کا رنگ متغیر ہو جاتا اور وہ جھک جاتے۔ یہاں تک کہ آپ کی یہ حالت آپ کے ہمنشینوں پر بڑی گراں گزرتی۔ اس بارے میں ایک دن آپ سے پوچھا گیا۔ فرمایا:

> جس چیز کو میں نے دیکھا ہے اگر تم نے دیکھا ہوتا تو تم جو میری ایسی حالت دیکھتے ہو ناگوار نہ گزرتی۔

میں محمد بن المنکدر جو سید القراء تھے کو دیکھتا تھا کہ جب بھی ہم ان سے کوئی حدیث پوچھتے تو وہ رونے لگ جاتے۔ یہاں تک کہ ہمیں ان پر رحم آ جاتا اور میں جعفر بن محمد کو دیکھتا تھا۔ وہ بہت زیادہ دعا کرنے والے اور مسکرانے والے تھے۔ جب بھی ان کے ہاں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہوتا تو ان کا رنگ زرد پڑ جاتا اور میں نے انہیں بغیر وضو کے کبھی بھی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے نہیں دیکھا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اور ان کی صفت آسمانی کتابوں میں درج ذیل طریقے سے آئی ہے۔

احمد نے عطاء بن یسار سے روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا میں عبداللہ بن عمرو بن العاص سے ملا۔ میں نے ان سے مطالبہ کیا کہ تورات میں آپ کی جو صفات مذکور ہیں مجھے بتایئے۔ انہوں نے کہا اچھا بخدا تورات میں بھی آپ کی ویسی ہی صفات مذکور ہیں جیسی قرآن کریم میں۔

اے غیب کی خبر دینے والے ہم نے آپ کو گواہ، جنت کی خوشخبری دینے والا، جہنم کا ڈر سنانے والا، ان پڑھ لوگوں کی پناہ گاہ اور عرب کے امیوں کی حفاظت گاہ بنا کر بھیجا ہے۔ آپ میرے بندے اور میرے رسول ہیں۔ میں نے آپ کا نام متوکل (توکل کرنے والا) رکھا ہے۔ آپ سخت گیر، سخت دل، اور بازاروں میں شور و شغب کرنے والے نہیں۔ وہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیں گے بلکہ درگزر سے کام لیں گے اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک ان کو دنیا سے نہیں اٹھائے گا جب تک کہ وہ کج رو ملت کو راہ راست پر نہ لے آئیں۔ اور وہ یہ اقرار نہ کر لیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریعے اللہ تعالیٰ اندھی آنکھوں کو کھول دیں گے۔ بہرے کانوں اور بستہ دلوں کو (یعنی دھیان نہ دینے والے دلوں کو) واگزار کر دیں گے۔

امام بخاری نے بھی عبداللہ سے اور بیہقی نے ابن سلام سے بعینہ اسی طرح کی ایک حدیث روایت کی ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے **"حتی یقیم به الملة العوجاء"** ابن اسحاق نے کعب الاحبار سے اسی مضمون کی ایک حدیث روایت کی ہے اور بیہقی نے حضرت عائشہ سے مختصراً بیان کی ہے۔ وہب بن منبہ نے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زبور میں حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف یوں وحی کی:

> اے داؤد (علیہ السلام) بے شک عنقریب تیرے بعد ایک نبی تشریف لائے گا۔ اس کے نام نامی احمد و محمد ہوں گے۔ صادق (سچ بولنے والا) ہوگا، سردار ہوگا۔ میں اس پر غصہ نہیں ہوں گا

اور وہ کبھی بھی مجھے ناراض نہیں کرے گا۔ پیشتر اس کے وہ
میری نافرمانی کرے میں نے اس کے پہلے گناہ اور پچھلے گناہ
(بفرض محال) اگر ہوں بخش دیئے ہیں۔ اسکی امت پر رحم کیا گیا
ہے۔ میں نے ان کو اتنے نوافل عطا کیے ہیں جتنے تمام انبیاء
سابقین کو عطا کیے تھے اور ان پر اتنے فرائض فرض کیے ہیں
جتنے تمام سابقہ انبیاء اور رسل علیہم السلام پر فرض کیے تھے۔
حتی کہ روز قیامت وہ میرے پاس آئیں گے اور ان کا نور انبیاء
کے نور کی مثل ہوگا۔ یہاں تک کہ آخر میں فرمایا اے داؤد میں
نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو تمام
امتوں پر فضیلت دی ہے

سعید بن ابی ھلال سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو نے کعب احبار
سے کہا کہ مجھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کے بارے میں کچھ
بتائیے۔ انہوں نے کہا میں ان کا ذکر اللہ تعالی کی کتاب میں یوں پاتا ہوں: "بے شک
احمد اور ان کی امت اللہ تعالی کی بہت زیادہ حمد و ثناء بیان کرنے والے ہوں گے۔ وہ
ہر خیر اور شر کے موقع پر اللہ عزوجل کی حمد بجا لائیں گے۔ ہر اونچی جگہ پر اللہ کی
بڑائی بیان کریں گے۔ (شرف: اونچی جگہ کو کہتے ہیں) اور ہر اترنے کی جگہ میں اللہ
تعالی کی تسبیح کریں گے۔ فضائے آسمانی میں ان کی پکار بلند ہوگی۔ (دوی الصوت وہ
آواز ہوتی ہے جو بلند نہ ہو) ان کی نماز میں ان کی ایسی بھنبھناہٹ ہوگی جیسے شہد کی
مکھیوں کی چٹانوں پر ہوتی ہے۔ وہ نماز میں فرشتوں کی صفوں کی مانند صفیں باندھیں
گے اور لڑائی میں بھی ان کی ایسی ہی صفیں ہوں گی جیسے نماز میں صفیں باندھتے ہوں
گے۔ جب اللہ تعالی کے راستے میں جہاد کریں گے تو فرشتے ان کی امداد و حفاظت کے
لیے تیز نیزے لے کر ان کے آگے پیچھے ہوں گے اور جب اللہ کے راستے میں جہاد
کے لیے صف میں حاضر ہوں گے تو اللہ تعالی کی رحمت ان پر ایسے سایہ فگن ہوگی

اور ایسے ان کا احاطہ کیے ہوئے ہوگی جیسے گدھیں اپنے گھونسلوں پر اپنے پروں کو پھیلا دیتی ہیں اور وہ دشمنوں پر حملہ آور ہونے سے کبھی بھی گریز نہیں کریں گے۔ انہوں نے دوسری اسناد کے ساتھ کعب کے حوالے سے بھی اس قسم کی حدیث کی روایت کی ہے۔ اس حدیث کا مضمون یوں ہے:

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بہت زیادہ حمد کرنے والی ہوگی۔ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد بجا لائیں گے اور ہر اونچی جگہ پر اللہ کی بڑائی بیان کریں گے۔ سورج پر نظر رکھنے والے ہوں گے (رعاۃ الشمس: سورج کے نگہبان یعنی اپنی نمازوں کے اوقات معین کرنے کے لیے سورج پر نظر رکھیں گے۔ وہ وقت پر پانچوں نمازیں پڑھیں گے خواہ انہیں کوڑا کرکٹ کے ڈھیر پر بھی کیوں نہ ادا کرنا پڑیں۔ وہ اپنے جسموں کے درمیانی حصوں پر ازار بند باندھیں گے۔ وضو کے وقت اپنے دونوں ہاتھ دونوں پاؤں اور سر دھوئیں گے۔ انہوں نے دوسرے واسطوں سے بھی یہ حدیث کعب سے بڑی طوالت کے ساتھ روایت کی ہے۔ (العلامۃ محمد یوسف الکاندھلوی حیاۃ الصحابۃ، ۱۳۱۸ھ)

اسی طرح یعقوب بن سفیان الفسوی الحافظ نے حضرت حسینؓ بن علی سے روایت کی انہوں نے فرمایا اپنے ماموں ہند ابی ہالۃ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب لوگوں سے بڑھ کر وصف بیان کرنے والے تھے سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک کے بارے میں پوچھا اور میں نے ان سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ وہ اس کے بارے مجھ سے قدرے بیاں کریں تاکہ آپ کا کچھ تصور میرے ذہن میں آئے۔

انہوں نے میری گزارش پر آپؐ کا حلیہ یوں بیان کیا:

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے عالی قدر، انتہائی معزز اور بلند مرتبت شخصیت تھے۔ آپ کا رخ انور ایسے چمکتا تھا جیسے چودھویں رات کا چاند چمکتا ہے۔ آپ درمیانہ قد والے آدمی سے ذرا لمبے تھے۔ (مربوع وہ ہوتا ہے جو دراز قد اور

پست قد کے بالکل درمیان درمیان ہو) اور دراز قد اور کم گوشت والے سے ذرا چھوٹے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک بڑا تھا۔ (الهامة الراس یعنی سر) آپ کے بال مبارک نہ ہی بالکل چھلے دار یعنی گھنگھریالے اور نہ ہی بالکل لٹکے ہوئے تھے۔ حافظ ابن حجر نے کہا بلکہ ایسے جن میں تھوڑا سا خم آ جاتا جب کہ زلفیں بکھرتیں۔ (العقیصة بٹے ہوئے بالوں کو کہتے ہیں۔ وہ ان بالوں کے قبیل سے ہوتے ہیں جنہیں ففنور کہا جاتا ہے) العقص کا اصلی اور بنیادی معنی مروڑنا اور بالوں کی اطراف کا ان کی جڑوں میں داخل کرنا ہے۔ اور میں کہتا ہوں (یعنی مصنف کتاب) صحیح عبارت یوں ہے۔

(ان انفرقت عقیقته) مگر جہاں تک کلمہ عقیصة کا تعلق ہے تو یہ لفظ عقیقہ کی تصحیف ہے اور جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال بٹے ہوئے نہیں تھے۔ بلکہ آپ کے بالوں کے درمیان مانگ ہوتی تھی جیسا کہ کلمہ عقیقته سے ظاہر ہے اگر مانگ والا معنی مراد نہ ہو تو پھر اس کا اور کوئی معنی نہیں بنتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک آپ کے دونوں کانوں کی نرم جگہ سے تجاوز کر جاتے تھے اور گھنے تھے۔ صحیح یہ ہے کہ آپ کے بال تجاوز اس وقت کرتے تھے جب آپ انہیں پھیلاتے تھے۔

آپ چمکتے دمکتے رنگ اور کشادہ پیشانی والے تھے۔ بھویں مبارک لمبی اور قوس کی مانند ٹیڑھی تھیں۔ (الزجج دونوں بھوؤں کا ٹیڑھا ہونا اور ان میں طوالت کا پایا جانا) مراد ہے۔ جیسا کہ قاموس میں آیا ہے یا جیسا کہ فائق میں آیا ہے کہ آپ کی بھویں باریک اور گھنی تھیں۔ (بہت گھنی تھیں مگر ملی ہوئی نہ تھیں۔ ان دونوں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت پھول جایا کرتی تھی۔ یعنی غصہ کی وجہ سے اس میں خون بھر جاتا تھا۔ (در۔ یدر اور ادار سے ہے) اقنی آپ کی بنی مبارک لمبی تھی۔ (القنا کا معنی ہے ناک کی لمبائی اور اس کی چونچ کی باریکی اور درمیان میں کجی۔

العرنین ناک کے سخت حصے یا تمام ناک کو کہتے ہیں یا جو حصہ دونوں پلکوں کے اکٹھے ہونے کی جگہ کے نیچے ہوتا ہے اور وہ ناک کا پہلا حصہ ہوتا ہے جہاں سے انسان سونگھتا ہے اس کی جمع عرانین آتی ہے۔ آپ کا ایک نور تھا جو ہر وقت آپ پر چھایا رہتا۔ جس شخص نے آپ کو غور سے نہ دیکھا ہوتا وہ یہ گمان کرتا تھا کہ آپ کی بینی مبارک کی ہڈی میں بلندی پائی جاتی ہے اور اس کا اوپر والا حصہ برابر ہے۔ آپ کی داڑھی مبارک گھنی تھی۔ (کث اللحیۃ داڑھی کا گھنا ہونا) آپ کی دونوں آنکھیں بہت زیادہ سیاہی مائل تھیں۔ آپ کے رخسار مبارک نرم اور ملائم تھے۔ آپ کا دہن مبارک کشادہ تھا۔ (ضلیع الفم۔ بڑا کشادہ منہ والا) اور عرب منہ کی کشادگی کو بہ نگاہ پسندیدگی دیکھتے ہیں اور اس کے چھوٹے پن کی مذمت کرتے ہیں۔ (اشنب) آپ کے دانت مبارک پتلے اور بڑے چمکیلے تھے۔ (مفلج الاسنان) آپ کے اگلے دانتوں کے درمیان فاصلہ تھا۔ (دقیق المسربۃ) گردن مبارک کے اگلے حصے کے نیچے سے لے کر ناف تک باریک بال تھے۔ یوں لگتا تھا کہ گویا آپ کی گردن مبارک کسی گڑیا کی گردن ہے جو سفید پتھر یا ہاتھی دانت سے بنائی گئی ہے، جس میں چاندی کی سی صفائی اور چمک پائی جاتی ہے (معتدل الخلق) جسمانی ساخت کے لحاظ سے آپ کا جسم مبارک معتدل تھا۔ بادنا آپ میں موٹاپا پایا جاتا تھا مگر یہ موٹاپا حد اعتدال میں تھا۔ (متماسکا) (التماسک ضد الاسترخاء) یعنی آپ کا جسم مبارک بڑا مضبوط تھا اور اعضاء جسمانی ایک دوسرے سے خوب پیوست تھے۔ (سواء البطن و الصدر) ان میں ڈھیلا پن نہیں تھا۔ پیٹ اور سینہ مبارک ہموار تھا۔ (عریض الصدر بعید مابین المنکبین) آپ چوڑے سینہ والے تھے۔ دونوں کندھوں کے درمیان فاصلہ تھا۔ (ضخم الکرادیس) (ای رؤس العظام) ہڈیوں کے جوڑ بڑے اور بھاری بھر کم تھے۔ انور المتجرد (ای ان الاعضاء التی تجردت عن الشعر فیما) آپ کے وہ اعضاء مبارک جو بالوں سے خالی تھے وہ چمکتے تھے۔ (موصول مابین اللبۃ والسرۃ بشعر یجری کالخط) یعنی گردن کا اگلا حصہ اور ناف کا ایک بال جو خط کی مانند کھنچا ہوا تھا کے ذریعے ملتے تھے۔

(عاری الثدیین. و البطن مما سوی ذلک۔) آپ کے دونوں پستان مبارک اور پیٹ بالوں سے خالی تھے۔ (اشعر الذراعین و المنکبین و اعالی الصدر طویل الزندین) آپ کے دونوں بازوؤں، دونوں شانوں اور سینہ مبارک کے اوپر والے حصوں پر گھنے بال تھے۔ کلائیاں لمبی تھیں۔ (رحب الراحۃ) ہتھیلیاں چوڑی تھیں۔ (سبط القصب) ای مستقیم العظام القارغۃ الجوف) ہڈیاں مبارک سیدھی تھیں۔ ان کا اندرونی حصہ خالی تھا۔ ششن (ای غلیظ الا صابع و الراحۃ) الکفین والقدمین) یعنی آپ کی دونوں ہتھیلیوں اور قدموں کی انگلیوں میں سختی وصلابت پائی جاتی تھی اور موٹی بھی تھیں۔ (سائل الاطراف) ای طویلھا مع اعتدال و استقامۃ یعنی آپ کی دونوں ہتھیلیوں اور دونوں قدموں میں طوالت پائی جاتی تھی مگر ان میں اعتدال و استقامت تھی۔ (خمصان الا خمصین = الا خمص من القدم الموضع الذی لا یلصق بالارض سھا عند الوطء، والخمصان: المبالغ فیہ ای ان ذلک شدید التجافی عن الارض۔

الا خمص قدم کی اس جگہ کو کہتے ہیں جو پیر رکھتے وقت زمین کو نہیں چھوتی۔ الخمصان اس میں مبالغہ کے لیے ہے۔ یعنی جو زمین سے اوپر اٹھی رہتی تھی۔ اس سے مراد تلوے ہیں۔ مسیح القدمین (ای املسھما لیس فیھما تکسر ولا شقاق ینبو عنھما الماء اذا زال قلعا (ای رفع رجلہ عن الارض رفعا بائنا بقوۃ لا کمن یمشی اختیالا و یقارب خطاہ تبخترا) آپ ملائم قدموں والے تھے۔ ان میں کوئی ٹوٹ پھوٹ اور جھریاں نہیں پائی جاتی تھیں۔ آپ کے دونوں قدموں سے پانی نکلتا معلوم ہوتا تھا۔ آپ کی چال کا انداز یہ تھا کہ جب آپ چلتے تو پاؤں کو زمین سے اچھی طرح اٹھاتے مگر اس شخص کی طرح نہیں جو فخریہ انداز سے چلتا ہو اپنے قدموں کو ملاتا ہو اور انہیں قریب قریب رکھتا ہو۔ (یخطو تکفئا (یتجہ الی الامام) و یمشی ھونا) جب آپ چلتے تو آگے کی طرف تھوڑے سے جھکے ہوئے معلوم ہوتے۔ (ذریع (ای سریع) المشیۃ اذا مشی کانما ینحط من صبب ای موضع منحدر) دھیمے انداز میں چلتے یعنی جب چلتے تو تیز رفتار ہوتے۔ یوں لگتا کہ گویا کسی ڈھلوان سے نیچے اتر رہے ہیں (صبب ڈھلوانی جگہ کو کہتے ہیں۔) (و اذا

(التفت التفت جمیعا) دوسری طرف دیکھنے لگتے تو پوری طرح دیکھتے۔ (خافض الطرف) آپ پست نظر تھے آسمان کی طرف آپ کی نگاہ بہ نسبت زمین کے زیادہ دیر تک رہتی اور تمام تر نظر مشاہدہ کے لیے ہوتی۔

(یسوق اصحابہ) یعنی صحابہ کرام کے پیچھے چلتے اور ان سے فرماتے (خلو ظهری للملائکۃ ای ان الملائکۃ تحرسہ) فرشتوں کے لیے میری پشت خالی کرو۔ یہ اس لیے کہ چونکہ فرشتے آپ کی حفاظت کے لیے آپ کے پشت کے پیچھے رہا کرتے تھے۔

(ویبدأ من لقیہ بالسلام) جس سے ملتے سلام میں پہل کرتے۔ پھر حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں سے مطالبہ کیا کہ مجھ سے جناب رسول اللہ کے انداز گفتگو کے بارے میں کچھ بیان کیجئے۔ انہوں نے کہا (کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متواصل الاحزان دائم الفکرۃ لیست لہ راحتہ لایتکلم فی غیر حاجتہ طویل السکون یفتح الکلام و یختمہ باشداقہ (جمع شدق ای جو انب انعم) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متواتر مغموم رہتے اور ہمیشہ سوچتے رہتے تھے۔ آپ کو آرام میسر نہیں تھا۔ بغیر ضرورت کے کلام نہیں فرماتے تھے۔ بہت دیر خاموش رہنے والے تھے۔ آپ کلام شروع کرتے وقت یا ختم کرتے وقت دونوں صورتوں میں جوانب دہن کو کام میں لاتے (یعنی منہ بھر کر بات کیا کرتے) (یتکلم بجوامع الکلم = کلامہ فصل (یتکلم بکلام مفصول عن بعضہ البعض لوعدہ العاد لاحصاہ) آپ کا کلام جامع کلمات پر مشتمل ہوتا تھا۔ ایسی کلام فرماتے جس کا ہر ہر حصہ اور ہر ہر لفظ ایک دوسرے سے جدا ہوتا تھا۔ حتی کہ اگر کوئی گنتی کرنے والا آپ کی کلام کے الفاظ کو گننا چاہتا تو باآسانی گن سکتا تھا۔ (لافضول لایزید عن الحاجتہ ولا یقصر عنہا ولا تقصیر) نہ ہی ضرورت سے زیادہ کلام فرماتے اور نہ ہی اپنی حاجت کو پیش کرنے میں آپ سے تقصیر سرزد ہوتی۔ (دمث) اراد بہ انہ کان لین الخلق فی سہولتہ و اصلہ من الدمث وھو الارض السہلتہ الرخوۃ) اس سے یہ مراد ہے کہ نرمی طبیعت کی وجہ سے آپ بہت نرم اخلاق والے تھے۔ دمث کی اصل دمث ہے۔ اس کا معنی ہے استوار اور

نرم زمین۔ (لیس بالجافی ولا المہین یعظم النعمۃ وان دقت لا یذم منہا شیاً و لا یمدحہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہی بہت سخت مزاج اور نہ ہی بالکل عاجز تھے۔ آپ نعمت خواہ کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہوتی اس کی بڑی قدر فرماتے اور اس کی ذرا بھر بھی مذمت نہ فرماتے اور نہ ہی اس کی بے جا مدح کرتے (ولا یقوم لغضبہ اذا تعرض للحق شئی حتی ینتصرلہ وفی روایۃ لا تغضبہ الدنیا وما کان لہا فاذا تعرض للحق لم یعرفہ احد ولم یقم لغضبہ شئی حتی ینتصرلہ لا یغضب لنفسہ ولا ینتصر لہا۔

حق کو نشانہ بنایا جاتا تو آپ کے غصے کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ یہاں تک کہ آپ اس کا بدلہ نہ لے لیتے۔ اور ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ دنیا و مافیہا آپ کو غصہ میں نہیں لا سکتے تھے مگر جب حق کو نشانہ بنایا جاتا تو آپ اتنے بدل جاتے کہ آپ کو کوئی پہچان بھی نہیں پاتا تھا اور آپ کے غصے کے آگے اس وقت تک کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی تھی جب تک آپ اس کا بدلہ نہ چکا لیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کے لیے غضبناک نہیں ہوتے تھے اور نہ ہی اس کے لیے بدلہ لیتے۔ جب اشارہ فرماتے تو پورے ہاتھ سے اشارہ فرماتے۔ جب کبھی متعجب ہوتے تو اپنے ہاتھ کو الٹ دیتے۔ جب گفتگو فرماتے تو ایک ہتھیلی کو دوسرے ہتھیلی سے ملاتے۔ اپنی دائیں ہتھیلی سے بائیں انگوٹھے کے اندر والے حصہ کو مارتے۔ جب غصہ میں آتے تو منہ پھیر لیتے اور اعراض میں مبالغہ فرماتے۔ جب خوش ہوتے تو اپنی نظریں جھکا لیتے۔ آپ کی اکثر ہنسی تبسم تھا۔ جب ہنستے تو آپ کے دانت ایسے چمکتے کہ گویا بادلوں سے اولے گر رہے ہوں۔ حسنؓ کہتے ہیں کہ میں نے اس کو حسین بن علی رضی اللہ عنہما (ایسے ہی اصل نسخے میں ہے اور غالباً یہ حسن بن علیؓ ہیں) سے کچھ عرصہ چھپایا۔ پھر میں نے ان سے بیان کر دیا مگر میں نے یہ دیکھا کہ وہ اس معاملے میں مجھ سے سبقت لے گئے ہیں۔ انہوں نے بھی ہند بن ابی ہالہ سے وہی کچھ پوچھا جو میں نے ان سے پوچھا تھا اور مجھے ان کے بارے میں یہ معلوم ہوا کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے گھر میں داخل ہونے' گھر سے نکلنے' آپ کے بیٹھنے اور آپ کی شکل و

صورت کے بارے میں اپنے باپ سے پوچھا تھا اور اس میں سے کوئی چیز بھی نہیں چھوڑی تھی۔

حضرت حسینؓ کہتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں داخل ہونے کے بارے میں اپنے باپ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اپنی ذات کے لیے اپنے گھر میں داخل ہونے کے سلسلے میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اذن دیا گیا تھا۔ جب بھی آپؐ اپنے گھر تشریف لے جاتے تو اپنے اس دخول اور خلوت کو تین حصوں میں تقسیم فرماتے۔ ایک حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے وقف ہوتا' ایک حصہ اپنے گھر والوں کے لیے اور ایک حصہ اپنی ذات کے لیے۔ پھر مزید آپ اپنے حصہ کو اپنے اور لوگوں کے درمیان تقسیم فرما دیتے۔ عام و خاص کو شرف باریابی بخشتے اور ان سے کچھ بچا کے نہ رکھتے۔ امت والے حصہ میں آپ کا طریقہ مبارک یہ تھا کہ اہل فضل کو دین میں ان کی فضیلت کے مطابق اپنے اذن اور تقسیم (باری) کے لحاظ سے ترجیح دیتے۔ ان لوگوں میں کوئی ایک حاجت والا ہوتا' کسی کی دو حاجتیں ہوتیں۔ کسی کی بہت ساری حاجات ہوتیں۔ آپ ان سب کے ساتھ مصروف رہتے اور ان کے حالات پوچھ کر اور انہیں اس بات کی خبر دے کر جو ان کے لیے ضروری ہوتی ان کو اس بات میں مصروف کیے رکھتے جس میں ان کی اور ساری امت کی مصلحت ہوتی اور آپ ان سے فرماتے تھے **لیبلغ الشاہد الغائب و ابلغونی حاجة من لا یستطیع ابلاغی حاجته فانه من ابلغ سلطانا حاجته من لا یستطیع ابلاغھا اباہ ثبت اللہ قدمیه یوم القیامته لا یذکر عندہ الا ذلکؒ و لا یقبل من احد غیرہ یدخلون علیه روّادا و لا یفترقون الا عن ذواق و یخرجون ادلة یعنی علی الخیر** (جو یہاں حاضر ہے اسے چاہیے کہ وہ غائب کو پہنچا دے اور مجھ تک اس شخص کی حاجت پہنچا دو جو اپنی حاجت پہنچانے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ کیونکہ جو شخص اس شخص کی حاجت کو بادشاہ تک پہنچاتا ہے جو خود اس کے پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتا تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے قیامت

کے دن اسے ثابت قدم رکھیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں صرف اور صرف لوگوں کی حاجات کے بارے میں گفتگو ہوا کرتی تھی اور آپ کسی سے بھی یہ گوارا نہیں فرماتے تھے کہ وہ اس دوران کوئی اور بات کرے۔ لوگ جب ان کے حضور باریابی کا ارادہ کرتے تو وہ ان میں سے ایک نمائندہ بنا کر اس کی قیادت میں آپ کے ہاں داخل ہوتے اور وہاں سے اس وقت نکلتے جب پوری طرح مطمئن ہو جاتے اور ہادی بن کر نکلتے۔

انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے باپ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے باہر نکلنے کے بارے میں پوچھا۔ یعنی جب آپ گھر سے باہر تشریف فرما ہوتے تو اس وقت کیا کیفیت ہوتی؟ انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیرون خانہ مجلس میں اپنی زبان کو بچا کے رکھتے (یعنی گفتگو سے اجتناب فرماتے) صرف وہی بات کرتے جو آپ کے مطلب کی ہوتی۔ آپ لوگوں کو ایک دوسرے کے قریب کر دیتے تھے' انہیں متنفر نہیں کرتے تھے۔ ہر قوم کے سردار کا اکرام فرماتے اور اسے ہی ان پر حاکم مقرر فرماتے۔ لوگوں کو ڈراتے اور ان سے محتاط رہتے۔ مگر ایسے انداز میں نہیں کہ انہیں بالکل اپنے چہرے کی بشاشت اور اپنے اخلاق سے محروم کر دیں۔ آپ اپنے ساتھیوں کی چھان بین اور احوال پرسی کرتے۔ جن لوگوں کے جو حالات ہوتے انہیں کے بارے میں ان سے پوچھتے۔ اچھے اور خوبصورت کام اور بات کو اچھا اور خوبصورت کہتے۔ قبیح کو قبیح بتاتے۔ اس سے منع کر کے اس کی مذمت کرتے۔ آپ معاملہ میں اعتدال سے کام لیتے۔ اس میں اختلاف نہ کرتے اور اس خوف کے پیش نظر اس سے غافل نہ ہوتے کہ کہیں وہ لوگ بھی غافل نہ ہو جائیں اور اس سے روگردانی اختیار کر لیں۔ ہر حالت کا سامنا کرنے کی آپ کے اندر استعداد تھی۔ نفاذ حق میں کمی نہیں فرماتے تھے اور نہ ہی اس سے چشم پوشی فرماتے۔ وہ جنہیں لوگوں میں سے آپ کا قرب حاصل تھا آپ کے نزدیک ان میں سے بہتر اور افضل وہ تھے جن کی خیر خواہی عام ہوتی اور مرتبے کے لحاظ سے آپ کے نزدیک بڑے وہ تھے جو

لوگوں کی ہمدردی اور ان کی معاونت کے لحاظ سے بہتر تھے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کے بارے میں ان سے پوچھا کہ وہ کیسے تھی۔ اور اس کی کیا کیفیت تھی؟ فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھتے بیٹھتے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ آپ مختلف جگہیں بطور اپنی نشست گاہ کے استعمال فرماتے۔ اور "ایطان" یعنی مسجد یا کسی جگہ میں ہر شخص کے ایک معین نشست گاہ اپنے لیے مخصوص کر لینے سے روکتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی قوم کے پاس جاتے تو جہاں بھی مجلس میں آپ کو جگہ مل جاتی وہیں بیٹھ جاتے اور ایسا ہی کرنے کا حکم دیا کرتے۔ اپنے ہر ہمنشین کو مجلس میں اس کا حصہ اسے عطا فرماتے۔ آپ کا کوئی ہمنشین بھی یہ خیال نہیں کرتا تھا کہ آپ کے نزدیک اس کا کوئی دوسرا ساتھی اس سے افضل ہے۔ کسی اہم اور روک رکھنے والی ضرورت کے پیش نظر جب کسی کے پاس بیٹھتے یا کھڑے ہوتے تو اس کے ساتھ اس وقت تک بیٹھے یا کھڑے رہتے جب تک وہ آپ کے ہاں سے چلا نہ جاتا۔

جو شخص بھی اپنی کسی حاجت کے بارے میں آپ سے سوال کرتا آپ اس کی حاجت پوری کیے بغیر اسے نہ لوٹاتے ورنہ نرم انداز میں اسے اچھی بات کہہ کر اسے رخصت کر دیتے۔ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کشادگی اور خلق کی اتنی وسعت پائی کہ وہ آپ کو اپنا باپ سمجھنے لگے اور وہ سب آپ کے ہاں حقوق کے لحاظ سے برابر برابر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس حلم و حیا اور صبر و امانت کی مجلس تھی۔ اس میں آوازیں بلند نہیں کی جاتی تھیں اور نہ ہی اس میں عزتوں پر عیب لگائے جاتے اور نہ ہی اس کی لغزشوں اور خامیوں کی اشاعت کی جاتی تھی۔ "فلتات" سے مراد وہ خامیاں اور زیادتیاں ہیں جن کا ارتکاب اس مجلس میں ممکن تھا۔ مگر یہاں تو بذات خود "فلتات" یعنی زیادتیوں کی نفی مراد ہے۔ ان کی اشاعت کے وصف کی نفی مراد نہیں یعنی آپ کسی کے عیب کے تذکرہ کو بھی روکتے تھے اور اس کی اشاعت کو بھی۔ آپ کے ہم نشیں ایک دوسرے کے ساتھ عدل و انصاف

کرنے والے تھے۔ وہ آپ کی مجلس میں محض تقوے کی بنیاد پر ایک دوسرے پر فضیلت لے جاتے تھے۔ وہ تواضع اختیار کرنے والے تھے وہ اس مجلس میں آپ سے بڑے کی عزت کرتے تھے اور چھوٹے پر رحم کھاتے تھے۔ صاحب حاجت اور ضرورت مند کو ترجیح دیتے تھے اور اجنبی کی حفاظت کیا کرتے تھے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اپنے ہمنشینوں کے مابین آپ کے طرز عمل کے بارے میں اپنے باپ سے پوچھا۔ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر ہمیشہ بشاشت چھائی رہتی۔ آپ نرم اخلاق والے' بردبار اور مہمان نواز تھے۔ آپ بد خلق' سخت' بہت چلانے والے' فحش گو' بہت عیب لگانے والے اور بہت زیادہ مذاق کرنے والے نہیں تھے۔ جس چیز کی خواہش نہ ہوتی اس سے بے نیازی اور تغافل برتتے۔ آپ کے ساتھ اپنی امید باندھنے والا آپ سے ناامید نہ کر دیا جاتا۔ اور اس امید میں اسے ناکامی کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ تین چیزوں سے آپ دستبردار تھے۔ لڑائی جھگڑا' کثرت کلام اور اسی طرح دیگر کسی شخص کی مذمت نہیں کرتے تھے اور نہ ہی کسی کو عار دلاتے۔ کسی کی عیب جوئی نہیں کرتے صرف اسی چیز میں گفتگو فرماتے جس میں ثواب کی امید رکھتے۔ جب گفتگو فرماتے تو آپ کے ہم نشین ایسے سر جھکائے بیٹھے رہتے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں۔

جب آپ کلام کرتے تو وہ ساکن و صامت رہتے اور جب آپ خاموش ہوتے تو اس وقت وہ بولتے۔ آپ کے ساتھی آپ کے ہاں آپس میں جھگڑتے نہیں تھے' یعنی لگاتار بولتے نہیں جاتے تھے۔ جیسا کہ شمائل میں ہے:

"و من تکلم عندہ انصتوا لہ حتی یفرغ حدیثھم عندہ حدیث اولھم و معنی العبارۃ الاخیرۃ ای ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یستمع لمن حضر اولا ثم لمن ولیہ و ھکذا

آپ کے حضور جو کلام کرتا دوسرے لوگ اس کی بات سننے کے

لیے خاموش رہتے یہاں تک کہ وہ اپنی بات سے فارغ ہو جاتا۔
آپ کے حضور جو پہلے آتا وہی پہلے گفتگو شروع کرتا۔

اس آخری عبارت کا معنی یہ ہے کہ جو شخص پہلے آپ کی مجلس میں حاضر ہوتا وہ پہلے بات کرتا پھر اس سے بعد والا۔ اور اسی طرح پھر اس کے بعد آنے والا۔ جس بات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہنستے آپ بھی اس سے ہنستے اور جس چیز سے وہ تعجب کرتے آپ بھی اس سے تعجب فرماتے۔ جب کوئی اجنبی آدمی آتا اور آپ کے ساتھ سخت کلامی سے پیش آتا آپ اس پر صبر کا مظاہرہ کرتے۔ یہاں تک کہ آپ کے صحابہ کرام آپ کی مدد و نصرت کے لیے جمع ہو جاتے۔ (البدایۃ و النھایۃ میں اسی طرح وارد ہوا ہے) اور کنز میں لیستحلبونہ کی بجائے لیستجلبونہم کا لفظ آیا ہے اور میں کہتا ہوں کہ لیستحلبونہم ہی صحیح ہے۔ جیسا کہ کنز اور شمائل ترمذی میں آیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **اذا رأیتم صاحب حاجتہ فارفدوہ (ای اعینوہ و فی الکنز فارشدوہ** جب تم کسی ضرورت مند کو دیکھو تو اس کی مدد کرو اور کنز میں ہے اس کی رہبری کرو۔ اور آپ تعریف ہرگز قبول نہ فرماتے۔ مگر صرف اسی سے جو آپ کی طرف سے کسی مہربانی کا شکریہ ادا کرنے کے لیے ایسا کر رہا ہوتا تھا اور آپ کسی گفتگو کرنے والے کی گفتگو قطع نہیں کرتے تھے۔ جب تک کہ دوران گفتگو وہ حق سے کنارہ کشی اختیار نہ کرتا۔ جب وہ ایسا کرتا تو اس وقت آپ اسے روک کر یا کھڑے ہو کر اس کو ٹوک دیتے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ آپ کی خاموشی کیسی تھی۔ فرمایا آپ کی خاموشی چار چیزوں پر مشتمل تھی۔ بردباری' ہوشیاری' صحیح اندازہ اور غور و فکر۔ جہاں تک آپ کے صحیح اندازہ اور جچی تلی رائے کا تعلق ہے تو اس کا راز تو آپ کا لوگوں کے مابین توجہ کے لحاظ سے مساوات قائم رکھنے اور ان کی باتیں بغور سننے میں پوشیدہ ہے اور جہاں تک آپ کی سوچ و بچار اور غور و فکر کا تعلق ہے تو وہ ان چیزوں میں ہوتا تھا جو باقی رہنے والی ہیں اور فانی ہونے

والی ہیں (یا جیسا کہ راوی نے کہا) حلم و صبر آپ کی ذات میں جمع ہو گئے تھے۔ کوئی چیز آپ کو غصہ میں نہیں لا سکتی تھی۔ اور نہ ہی برا گیختہ کر سکتی تھی۔ چار چیزوں میں سے بیدار مغزی اور ہوشیاری آپ کی ذات میں جمع کر دی گئی تھیں۔ آپ لوگوں کے لیے ہمیشہ اچھی چیز اختیار فرماتے۔ اس چیز کا بے حد اہتمام کرتے جس میں ان کی دنیا و آخرت کی بھلائی ہوتی یا پھر ان دونوں میں ان کے لیے موجب ضرر ہوتی۔ امام ترمذی نے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث مفصل طور پر اپنی شمائل میں نقل کی ہے۔ حضرت حسن نے فرمایا میں نے اپنے ماموں سے پوچھا انہوں نے اس حدیث کو ذکر کیا۔ اسی شمائل میں ان کے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بھی ایک حدیث مروی ہے جو انہوں نے اپنے والد ماجد سیدنا علی کرم اللہ وجہ سے روایت کی ہے۔ اس حدیث کو بیہقی نے "دلائل" میں حضرت حسن کی روایت سے حاکم سے ان کے اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے پوچھا۔ انہوں نے اس حدیث کو ذکر کیا۔ اسی طرح الحافظ ابن کثیر نے (البدایۃ) میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ میں نے کہا اور اس حدیث کے اسناد حاکم اپنی "مستدرک" میں لائے ہیں۔ پھر کہا کہ انہوں نے مفصل طور پر اس حدیث کا ذکر کیا۔ "کنز العمال" میں ہے کہ رویانی' طبرانی اور ابن عساکر نے اس حدیث کی روایت کی ہے اور بغوی نے بھی جیسا کہ "الاصابۃ" میں اور کنز میں ہے۔ اس حدیث کے سلسلے میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے بہرحال اس کے آخر میں یوں آیا ہے **و جمع لہ الحذر فی اربع اخذہ بالحسنی لیقتدی بہ و ترک القبیح لیتناھی عنہ و اجتہادہ الرای فیما اصلح امتہ و القیام فیما جمع لھم الدنیا و الاخرۃ** هکذا ذکرہ فی المجمع عن الطبرانی (العلامۃ محمد یوسف الکاندھلوی حیاۃ الصحابۃ ۳۱۸ ج ۲)

درج ذیل چار چیزوں میں احتیاط پسندی اور بیدار مغزی آپ کے لیے جمع کر دی گئی تھیں۔ آپ کا اچھی بات کو اختیار کرنا تاکہ اس میں آپ کی پیروی کی جائے۔ اور

برائی کو چھوڑنا" تاکہ اس سے رکا جائے اور جو چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے بہتر ہو اس کا اختیار فرمانا" اس میں رائے سے کام لینا اور اس چیز کو سرانجام دینا جس میں ان کی دنیا اور آخرت کی بھلائی ہو۔ اس طرح انہوں نے "معجم کبیر" میں طبرانی کی روایت سے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

(کامل شخص ہمیشہ کمال کی طرف ہی دعوت دیا کرتا ہے)

ہم اللہ تعالیٰ کے رسول محمد بن عبداللہ سے محبت کیسے نہ کریں۔ وہ تکمیل انسانیت اور ارتقائے بشریت کی اعلیٰ مثال اور بہترین نمونہ ہیں۔ ان کے رب نے ان کی تربیت کی اور بہت عمدہ طریقے سے کی اور آپ کو تمام لوگوں کی طرف خاتم النبیین بنا کر بھیجا۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

> یتلو علیهم آیاته و یزکیهم و یعلمهم الکتاب و الحکمة (آل عمران ۳، الآیۃ الکریمۃ)
>
> ترجمہ: "جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔"

بے شک ہماری اس دنیا نے [illegible] کے ابتداء سے اپنی طویل تاریخ میں کبھی بھی کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا جس میں بیک وقت وہ ساری صفات جمع ہو گئی ہوں جو حضرت محمد بن عبداللہ کے لیے جمع ہو گئی تھیں۔ آپ بچے تھے مگر دوسرے بچوں کی طرح نہیں، لڑکے تھے مگر دوسرے لڑکوں کی طرح نہیں، جوان تھے مگر دوسرے جوانوں سے مختلف، نبی تھے مگر انبیاء سے نرالے۔ بے شک آپ اللہ تعالیٰ کی وہ واحد اور منفرد صنعت اور بناوٹ تھے جس کی نظیر نہیں اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو آپ کا خلق بنایا اور آپ کو دعوت حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ تاکہ انسانیت کو کمال کی طرف دعوت دیں۔ جب ہم عقل کا تذکرہ کریں تو ہم آپ کو عقلی لحاظ سے پختہ، کامل

اور روشن عقل والا پاتے ہیں۔ آپ غور و فکر کرتے تھے' سوچ و بچار میں کھو جاتے تھے اور آپ نے بہت پہلے سے اس حقیقت کبریٰ کی طرف راہ پالی تھی اور جس شرک کفر اور گمراہی کو آپ کی قوم نے اختیار کیا ہوا تھا آپ اس کو رد کر دیتے ہیں۔ آپ کسی بت کو سجدہ نہیں کرتے تھے' آپ ان کے ساتھ مل کر کسی بت کے لیے عید نہیں مناتے تھے۔ شراب نوشی کے قریب تک نہیں پھٹکتے تھے۔ جوا نہیں کھیلتے تھے اور اولاد قریش میں سے جو کچھ آپ کے ہمعصر کرتے' وہ آپ بالکل نہیں کرتے تھے۔ آپ سوچ بچار کے لیے لوگوں سے کنارہ کشی اختیار فرماتے اور اس دنیا اور اس دنیا کے بنانے والے کی پوچھ گچھ اور چھان بین میں اپنے اوقات گزارتے تھے۔ یہ نوجوان قوت و فوقیت' عقل اور نقائص سے مبرا دانائی کے جس درجہ پر فائز تھا قریش نے اس کو محسوس کر لیا تھا۔ وہ ہمیشہ جب بھی ان کی مشکلات بڑھ جاتیں اور ان کا حل ناممکن ہو جاتا تو آپ سے مدد لیتے اور آپ کا دامن پکڑتے اور حقیقت وجود کی تلاش میں اپنے نفس سے مناقشہ و مجادلہ اور مذاکرہ کرتے اور ہم میں سے ہر ایک قصہ تحکیم سے خوب واقف ہے اور اسے یہ بھی پتہ ہے کہ جب کہ قبائل کے درمیان اختلاف کی خلیج وسیع ہو گئی' بعض نے اپنے خون کی نذر مان لی' اسے چاٹ بھی لیا اور لڑائی کے لیے تیار ہو گئے تو کیسے قریش کے ہر قبیلہ نے آپ کو ثالث چن لیا۔ یہ تو بعثت سے پہلے کی بات ہے مگر بعثت کے بعد دعوت کے معاملات کی تدبیر اور صحیح سمت کی طرف اس کا رخ موڑنے کے سلسلہ میں اس قوت عقل اور ان عظیم صلاحیتوں کا ظہور ہوا جو اس دعوت کی اشاعت' اس کی نشوونما اور اس کی راہ میں تمام رکاوٹوں اور محاذ آرائی کے سارے محاذوں پر حصول غلبہ کی ضامن بنیں۔ جو اس وقت ظہور پذیر ہوئے حالانکہ آپ ابھی اس دعوت کے اصولوں کی بنیاد رکھ ہی رہے تھے اور جن ستونوں پر یہ قائم تھی انہیں مستحکم بنا رہے تھے۔

(یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا آپ کا کلام ایک لڑی کے موتی ہیں جو یکے بعد دیگرے گر رہے ہوں)

جب کبھی ہم فصاحت، بلاغت اور شیرینیٔ کلام کا ذکر کرنے بیٹھتے ہیں تو فوراً ہی ہمیں ام معبد کا آپ کا وہ سراپا یاد آجاتا ہے جس میں وہ یوں گویا ہے "**اذا صمت فعلیہ الوقار و اذا تکلم سما و علا البھاء، حلو المنطق فصل لا نزر و لا ھزر و کان منطقہ خزرات نظم ینحدرون**"

جب آپ خاموش ہوتے تو آپ پر وقار غالب رہتا اور جب گفتگو فرماتے تو آپ کی شان اور نمایاں ہو جاتی اور آپ مجلس پر چھا جاتے۔ حسن و بہا آپ کا احاطہ کر لیتے۔ آپ شیریں کلام تھے۔ جب گفتگو فرماتے تو آپ کی گفتگو کا ہر ہر حرف ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز ہوتا۔ آپ نہ تو قلیل الکلام تھے اور نہ ہی آپ کا کلام بیہودگی پر مبنی تھا۔ جب کلام کرتے تو یوں معلوم ہوتا کہ گویا وہ ایک لڑی کے موتی ہیں جو یکے بعد دیگرے گر رہے ہیں۔ ہمیں جاحظ کا وہ وصف بھی یاد آ رہا ہے جو یوں ہے:

الکلام الذی قل عدد حروفہ و کثر عدد معانیہ و جل عن الصنعۃ و تنزہ عن التکلف استعمل المبسوط فی موضع البسط و المقصود فی موضع القصد، و ھجر الغریب والوحش و رغب عن الھجین السوقی فلم ینطق الا عن میراث حکمۃ و لم یتکلم الا بکلام وصف بالعصمۃ و شعر بالتائید و یسر بالتوفیق و ھذا الکلام کلام الذی القی اللہ تعالی المحبۃ علیہ و غشلہ بالقبول و جمع لہ بین المھابۃ و الحلاوۃ و بین حسن الالھام و قلۃ عدد الکلام و ھو مع استغنائہ عن اعادتہ و قلۃ حاجۃ السامع الی معاودتہ لم تسقط لہ کلمۃ و لا زلت لہ قدم و لا بارت لہ حجتہ و لم تقم لہ خصم و لا افحمہ خطیب بل یبذ الخطب

الطوال بالكلام القصير و لا يلتمس اسكات الخصم الا بما يعرفه الخصم و لا يحتج الا بالصدق و لا يطلب الفلج الا بالحق و لا يعجل ولا يهب و لا يحصر ثم لم يسمع بكلام قط اتم نفعا لا اصدق لفظا و لا اعدل وزنا و لا اجمل منهبا و لا اكرم و لا احسن موقعا و لا اسهل مخرجا و لا افصح فی معناه و لا ابین عن فحواه من کلامه صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ اکبر

"آپ کا کلام ایسا کلام ہے جس میں حروف کی تعداد کم ہے اور معانی کی تعداد زیادہ ہے۔ وصف سے ماورا ہے۔ تکلف سے منزہ و مبرا ہے۔ جہاں تفصیل کا موقع ہوتا آپ مفصل کلام فرماتے اور جہاں درمیانہ روی مقصود ہوتی آپ اپنے کلام میں اس کا پاس رکھتے۔ آپ نے اجنبی قلیل الاستعمال اور غیرمانوس کلام کو خیرباد کہہ دیا تھا اور سوقیانہ کلام سے روگردانی کرلی تھی۔ جب بھی گفتگو فرماتے تو ایسا حکیمانہ انداز ہوتا کہ گویا حکمت آپ کو ورثہ میں ملی ہے۔ جب بھی کلام فرماتے تو ایسا کلام ہوتا جو وصف عصمت سے متصف و مزین ہوتا۔ (یعنی حفاظت الٰہی اسے حاصل ہوتی) آپ کو تائید ایزدی کا شعور رہتا اور ہمہ وقت توفیق الٰہی میسر رہتی"۔

اور یہ کلام وہ کلام ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے محبت کا پرتو ڈال دیا۔ اسے شرف قبولیت کے ساتھ ڈھانپ لیا اور اس کے لیے ہیبت اور حلاوت، حسن افہام اور قلت حروف کے مابین ایک رشتہ و ربط پیدا کر دیا تھا اور باوجود اس کے کہ آپ کو اپنا کلام

دہرانے سے استغناء حاصل تھا اور سامع کو بھی یہ کلام ایک دفعہ سن لینے کے بعد دوبارہ سننے کی حاجت نہ ہوتی۔ کبھی بھی کوئی کلمہ آپ کے کلام سے نہ چھوٹا اور آپ کے قدم کبھی نہ ڈگمگائے اور کسی کی حجت آپ کی حجت کا مقابلہ نہ کر سکی اور کبھی کوئی مد مقابل آپ کے سامنے نہ ٹھہر سکا اور نہ ہی کوئی خطیب کبھی آپ کو چپ کرا سکا بلکہ آپ بڑے بڑے خطیبوں کا آغاز چھوٹے چھوٹے جملوں سے کرتے۔ آپ اپنے مد مقابل کو صرف اسی طریقہ اور انہیں دلائل سے خاموش کرانے کے طلبگار ہوتے جو وہ جانتا ہوتا۔ ہرگز دلیل نہ لاتے مگر سچائی کے ساتھ اور کامیابی صرف اور صرف حق کے ساتھ چاہتے۔ نہ تو جلدی کرتے نہ ہی بہت زیادہ بے فائدہ کلام کرتے اور نہ اس میں تنگی و کمی کرتے۔ کبھی بھی کوئی کلام آپ کے کلام سے زیادہ کامل نفع والا، سچے الفاظ والا، موزوں اور ٹھیک وزن والا، خوبصورت طریقے والا، عمدہ اور خوبصورت استعمال والا، آسان مخرج والا، فصیح معنی والا اور مقصود کلام کو کھول کر بیان کرنے والا نہیں سنا گیا۔ اللہ اکبر

یہ ہیں وہ جواہر اور وہ موتی جن کو حضرت محمد بن عبداللہ نے اس دھرتی پر بکھیرا تاکہ وہ ان کی چمک دمک کے سامنے مبہوت ہو کر رہ جائے اور اس کے سامنے اس کی آنکھیں چندھیا جائیں۔ بے شک قاضی عیاض جیسا فصیح و بلیغ انسان اس سے حیرت زدہ رہ گیا جیسا کہ دیگر علمائے لغت اور عظیم اساتذہ نے اس کے آگے اپنے گھٹنے ٹیک دیئے۔

جہاں تک فصاحت زبان اور بلاغت قول کا تعلق ہے تو بے شک اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے افضل و اعلیٰ مقام و مرتبہ پر فائز تھے جس میں ہوتے ہوئے

سلاستِ طبع، روانی و سلاست میں فوقیت، اختصار مقطع، وضاحت لفظ، عمدگی قول، صحت
معانی اور قلت تکلف کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جوامع
الکلم دیے گئے اور انوکھی اور نرالی دانائی کی باتوں اور عربوں کی زبانوں کے علم کے
ساتھ آپ کو خاص کیا گیا اور نوازا گیا۔ آپ ہر قوم کو اس کی زبان میں ہی خطاب
فرماتے اور اس کی بولی میں ہی اس سے گفتگو فرماتے اور انہیں بلاغت و فصاحت سے
عاری کر دینے میں ان سے مقابلہ کرتے۔

قاضی عیاض جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روزمرہ کے کلام کا ذکر
کرتے ہیں اور یوں رقم طراز ہیں:

**ومنہ مالا یوازی فصاحتہ ولا یباری بلاغتہ کقولہ المسلمون تتکافا
دماؤھم ویسعی بذمتھم ادناھم** فصاحت و بلاغت میں کسی اور کا کلام آپ
کے کلام کا ہمسر نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل اقوال
ہیں۔

مسلمانوں کے خون دیت اور قصاص کے لحاظ سے ایک دوسرے کے مساوی ہیں اور
مسلمانوں کے لشکر میں سے ان کا ادنیٰ ترین آدمی بھی جب دشمن کے لشکر میں سے
کسی کو امان دے دے تو وہ سب کی طرف سے امان متصور ہوگی اور اس کی پابندی
سب پر لازم ہوگی۔ "**وھم ید علی من سواھم**" وہ اپنے علاوہ سب کے
مقابلہ میں ایک قوت ہیں۔ "**الناس کاسنان المشط**" تمام لوگ کنگھی کے دانتوں
کی طرح ایک دوسرے کے مساوی ہیں۔ "**لا خیر فی صحبۃ من لا یری ما
تری لہ**" اس شخص کی صحبت میں کچھ بھلائی نہیں جو تیرے لیے بھی وہی کچھ پسند نہ
کرے جو تو اس کے لیے کرتا ہے۔ "**الناس معادن**" لوگوں کا اپنا اپنا جوہر ہے۔ "**ما
ھلک امرء عرف قدرہ**" وہ شخص ہلاک نہیں ہوگا جس نے اپنی قدر پہچان لی۔
"**المستشار مؤتمن**" جس سے مشورہ طلب کیا جاتا ہے وہ ایسا ہے جیسے اس
کے پاس امانت رکھی گئی ہو۔ یعنی مشورہ لینے والے کے راز کی حفاظت اس پر

ہے۔ "رحم اللہ عبدا قال خیرا فغنم او سکت فسلم" اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے جس نے اچھی بات کی تو نفع پایا۔ اور اگر خاموش رہا تو نجات پا گیا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مبارک "اسلم تسلم یوتک اللہ تعالیٰ اجرک مرتین" اسلام قبول کرے، سلامت رہے گا۔ اللہ تعالیٰ تجھے تیرا اجر دگنا عطا فرمائیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول "ان احبکم الی و اقربکم منی مجالس یوم القیامۃ احسنکم اخلاقا الموطون اکنافا الذین یألفون" بے شک میرے نزدیک تم میں سے محبوب ترین اور مجالس قیامت کے لحاظ سے تم میں سے میرا قریب ترین وہ ہوگا جس کے اخلاق تم سب سے بہتر ہوں اور وہ نرم خو لوگ اور مہمان نواز جو لوگوں سے محبت کرتے ہیں اور جاحظ کا یہ قول "و لعلۃ کان لا یتکلم بما لا یعنیہ و لا یبخل بما لا یغنیہ" جو بات آپ کے مطلب کی نہ ہوتی آپ اس میں کلام نہ فرماتے اور جو آپ کو کفایت نہ کرتا آپ اس میں بخل سے کام نہ لیتے۔ اور آپ کا یہ قول "ذو الوجھین لا یکون عند اللہ وجیھا" دو رخا اللہ تعالیٰ کے نزدیک باعزت و صاحب وجاہت نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیل و قال، کثرت مال اور اس کے ضیاع اور جو چیز ادا کرنا لازم ہو اس کے روک رکھنے اور جو چیز تیری نہیں اسے طلب کرنے، ماؤں کی نافرمانی اور بیٹیوں کو زندہ در گور کرنے سے منع فرمایا ہے اور آپ (علیہ ازکی الصلوۃ و السلام) کا یہ فرمان "اتق اللہ حیثما کنت و اتبع السیئۃ الحسنۃ تمحھا خالق الناس بخلق حسن" جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈر، برائی کے پیچھے نیکی کو لگا دے یعنی برائی کرنے کے بعد نیکی کر وہ اس کو ختم کر دے گی اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آ۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول "خیرا لأمور اوسطھا" سب کاموں سے اچھے کام وہ ہیں جو اعتدال پر مبنی ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ

قول "احبب حبیبک هونا ماعسی ان یکون بغیضک یوماما" اپنے محبوب سے تدریجاً" اور دھیمے دھیمے محبت کر ہو سکتا ہے کسی دن وہی تیرا دشمن ثابت ہو اور آپ کا یہ قول "الظلم ظلمات یوم القیامتہ" ظلم قیامت کے دن کی اندھیریوں میں سے ایک اندھیری ہے اور آپ کی بعض دعاؤں میں سے آپ کی یہ دعا اللھم انی اسالک رحمتہ من عندک یہدی بہا قلبی و تجمع بہا امری و تلم بہا شعسی و تصلح بہا غائبی و ترفع بہا شاھدی و تزکی بہا عملی و تلھمنی بہا رشدی و ترد بہا الفتی و تعصمی بہا من کل سوء۔ اللھم انی اسالک الفوز عند القضاء و نزل الشھداء و عیش السعداء و النصر علی الاعدا اے اللہ میں تیرے پاس سے ایسی رحمت مانگتا ہوں جس کے ذریعے تو میرے دل کو ہدایت دے۔ میرے معاملہ کو اس کے ذریعے جمع کر دے۔ میری پراگندگی و انتشار کی شیرازہ بندی کر دے یعنی میری پریشان حالی کو خوشحالی میں بدل دے جس کے صدقے میرے باطن کی اصلاح کر دے اور میرے ظاہر کو بلندیوں سے ہمکنار کر دے اور میری ہدایت میرے دل میں ڈال دے' اور میری محبت کو قبول کر لے اور مجھے ہر برائی سے بچا۔ اے اللہ کریم فیصلے کے دن میں تجھ سے کامیابی اور شہداء کاسامقام' ان جیسی ضیافت' نیک بختوں کی سی زندگی اور دشمنوں پر فتح چاہتا ہوں۔

اسی طرح ابوزہرۃ آپ کی بلاغیانہ خصوصیات سے متاثر اور متحیر ہوتے ہوئے آپ کے روزمرہ کلام کا پیچھا کرتے ہیں۔ یہ آپ کی ایسی خصوصیات ہیں جن کا سمجھنا صحیح عقول کے لیے کچھ مشکل نہیں۔ بلکہ وہ انسانی عقلیں باوجود اس کے کہ ان خصوصیات میں عظمت معنی' گہرائی اور نفوس انسانی میں حد درجہ اثر و نفوذ پایا جاتا ہے بڑی آسانی ار معمولی محنت و مشقت سے ان کا ادراک کر لیتی ہیں۔ پھر خواص ان میں اس چیز کا علم پاتے تھے جس کو وہ نہیں جانتے تھے۔ اس کے بعد ابوزہرۃ ہم سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ہم ان اقوال کے محل استعمال پر غور و فکر کریں۔ لکھتے ہیں کہ

امت مسلمہ کے اتحاد اور اس کے افراد کے مابین تعاون کے بارے آپ کے اس قول پر غور و فکر کیجئے **"المؤمن للمومن کالبنیان یشد بعضہ بعضا"** و قولہ صلی اللہ علیہ وسلم **"مثل المومنین فی توادّھم و تراحمھم کمثل الجسد اذا اشتکی منہ عضواً تداعی سائر الجسد بالسھر و الحمّی"** ایک مومن دوسرے مومن کے لیے اس عمارت کی مانند ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو تقویت دیتا ہو اور آپ کے اس قول پر غور و فکر کیجئے "ایک دوسرے سے محبت کرنے اور ایک دوسرے پر رحم کرنے میں مومنین کی مثال اس جسم کی سی ہے جس کے ایک عضو کو تکلیف ہو تو اس کی ہمنوائی میں سارے کا سارا جسم بیداری اور بخار کی تکلیف میں مبتلا ہو جائے گا اور ان معاہدات کے بارے میں آپ کے اس قول میں غور و فکر کیجئے جو لوگوں کے دل ایک دوسرے کے حق میں صاف نہ ہوتے ہوئے بھی کیے جاتے ہیں اور کینے سے پر ہوتے ہیں۔ **"ھدنتہ علی دخن"** صلح مبنی بر فساد۔ یہ ضرب المثل اس شخص کے بارے میں بیان کی جاتی ہے جس کی ظاہراً تو صلح ہے مگر دل میں ابھی تک دشمنی چھپائے ہوئے ہے۔

کام کی فضیلت کے بارے میں اس حیثیت سے کہ ایک انسان اپنے بوجھ خود اٹھاتا ہے اور دوسرے کا بوجھ اٹھانے کے لیے بھی تیار رہتا ہے اس سے مدد طلب نہیں کرتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کو دیکھئے **"الید العلیا خیر من الید السفلی"** اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ یعنی دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔

اور ایسے معاملہ میں جس میں اختلاف نہیں کیا جاتا آپ کے اس قول میں نظر کیجئے **"ولا ینتطح فیہ عنزان"** اس معاملہ میں دو مینڈھے ایک دوسرے کو سینگ نہیں مارتے) اس ضرب المثل کا مفہوم یہ ہے کہ اس مخصوص قضیئے میں کوئی اختلاف یا جھگڑا نہیں پایا جاتا۔

اللہ تعالیٰ کی اس زمین میں اس کی طرف سے عطا کردہ بھلائیاں تقسیم ہونے کے

سلسلے میں آپ اس قول میں تامل کیجئے "کل ارض بحصتہا" ہر خطہ زمین کے لیے رزق میں سے حصہ مقدر ہے۔ "و کل ارض بسمائہا" ہر ٹکڑا زمین کے اوپر آسمان کا ٹکڑا ہے۔ یعنی ہر حصہ زمین میں اس کے باسیوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی ضروریات کا سامان مہیا کر دیا ہے۔

ایک ہانکنے والا عورتوں کی سواریوں کو بڑی سختی کے ساتھ ہانک رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ نرمی کرنے کے بارے میں جو اس سے فرمایا اس پر غور کیجئے۔ وہ یہ ہے:

(رویدک رفقا" بالقواریر آرام سے چلئے۔ شیشوں پر رحم کیجئے۔ اس سے پہلے قاضی عیاض اور دیگر تمام اساتذۂ لغت اور ناقدین نے جس حقیقت کا اعتراف کیا تھا ابو زہرۃ بھی اس کی تصدیق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ تراکیب اور تعبیرات عربی زبان میں نت نئی ہیں۔ کسی سبقت کرنے والے نے ان کی طرف سبقت نہیں کی۔ ان کا معنی واضح ہے، مقصد و مطلب نمایاں ہے۔ عام آدمی کے لیے ان کو سمجھنا کچھ مشکل نہیں اور خواص کے کانوں پر بھی یہ بھاری نہیں (خاتم النبیین، الشیخ محمد ابو زہرۃ)

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق

میں محض اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق کی اعلیٰ اور عمدہ خصوصیات کی تکمیل کروں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے کامل محمدؐ پیدا فرمایا اور اخلاق کی عمدہ باتوں کی تکمیل کے لیے آپ کو اعلیٰ نمونہ بنایا۔ آپ کی تربیت کی اور اچھے طریقے سے کی۔ آپ کو رحمت اللعالمین بنایا۔ چنانچہ آپ تمام لوگوں کے لیے بطور ہدیہ دی گئی رحمت، ہدایت اور نور ہیں۔ آپ ان کو عدل، نیکی، رشتہ داروں کا حق ادا کرنے، بردباری، تواضع، سخاوت، سچائی، امانتداری، کمزوروں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنے، معاف کر دینے، پاکیزگی، وعدہ پورا کرنے اور عہد کی پاسداری کی طرف بلاتے ہیں۔ آپ ان کو ضبط نفس، غصہ پی جانے، سختی و درشتی سے باز رہنے، کینوں سے دل پاک کرنے، جاہلیت سے روگردانی کرنے اور جھگڑوں میں شدت اور بحث و جدال کو ترک کرنے کی

تعلیم دیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نورانی چہرے والے' ہمیشہ ہشاش بشاش رہنے والے اور نرم خو تھے۔ آپ سخت مزاج اور درشت خو نہیں تھے۔ نہ ہی شور مچانے والے' نہ ہی فحش گو' نہ ہی بہت زیادہ عیب لگانے والے اور نہ ہی بہت زیادہ مذاق کرنے والے تھے۔ ہمیں رب تعالیٰ کے اس قول کو سننا چاہیے جو سورہ آل عمران میں وارد ہوا ہے۔

فبما رحمة من الله لنت لهم و لو كنت فظا غليظ القلب لا نفضوا من حولك فاعف عنهم و استغفر لهم و شاورهم في الامر فاذا عزمت فتوكل على الله ان الله يحب المتوكلين (آل عمران ۱۵۹' القرآن الکریم)

تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب تم ان کے لیے نرم دل ہوئے اور اگر تند مزاج سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہو جاتے تو تم انہیں معاف فرماؤ اور ان کی شفاعت کرو اور کاموں میں ان سے مشورہ لو اور جو کسی بات کا پکا ارادہ کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو بے شک توکل والے اللہ کو پیارے ہیں۔

بے شک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اخلاق سے لوگوں کی محبت جیت لی تھی اور اپنی عمدہ اور شریفانہ کارگزاریوں کے باعث ان کے دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیا تھا اور اپنے بدترین دشمنوں کو بھی اپنے مشفقانہ رویہ اور کریمانہ افعال سے کفر و طغیان کی اندھیروں سے ایمان کی کھلی فضاؤں اور اس کی وسعتوں کی طرف نکال لائے تھے۔

بلکہ انہیں تو داعی اسلام بنا ڈالا۔ چنانچہ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک و بینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم (1)

"برائی کو بھلائی سے ٹال جبھی وہ کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی تھی ایسا ہو جائے گا جیسا کہ گہرا دوست"۔

غورث بن الحارث اچانک نبی کریمؐ کے پاس آن پہنچا۔ آپؐ دوپہر کے وقت ایک درخت کے نیچے محو خواب تھے اور دیگر تمام کے تمام لوگ بھی سو رہے تھے۔ جناب نبی کریمؐ کی آنکھ اس وقت کھلی جب تلوار غورث کے ہاتھ میں تنی ہوئی آپؐ کے سر مبارک پر لہرا رہی تھی اور وہ کہہ رہا تھا:

من یمنعک منی

"تجھے مجھ سے کون بچائے گا"۔

فقال اللہ آپؐ نے فرمایا "اللہ"

یہ سنتے ہی تلوار غورث کے ہاتھ سے گر پڑی اور وہ اسی جگہ جہاں کھڑا تھا خوف کے باعث سن ہو گیا۔ اب جناب رسول اللہؐ نے وہ تلوار اٹھائی اور فرمایا "اب تجھے مجھ سے کون بچائے گا"۔ غورث نے کہا "اے عبداللہ جانے دو بدلہ لینے میں اچھے ہو" (یعنی تلوار مجھ پر نہ چلاؤ) یہ سن کر آپؐ نے اس کو چھوڑ دیا اور اسے معاف کر دیا۔ چنانچہ غورث کا دل آپؐ سے متنفر اور دور ہونے کے بعد آپؐ کے قریب آ گیا اور انکار کے بعد نرم پڑ گیا۔ پہلے وہ معاذ اللہ آپؐ کو دھوکہ سے قتل کرنا چاہتا تھا مگر اب آپؐ کا داعی بن گیا اور اپنی قوم کی طرف واپس گیا اور یہ کہہ رہا تھا:

جئتکم من عند خیر خلق اللہ

"میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے سب سے بہتر کے ہاں سے تمہارے پاس آیا ہوں"

سارے کے سارے لوگ جناب رسول اللہ کے نزدیک کنگھی کے دندانوں کی طرح برابر تھے۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر فضیلت حاصل نہیں تھی۔ ماسوائے تقویٰ کے۔

اللہ تعالیٰ کے احکام سب پر یکساں نافذ کیے جاتے تھے۔ آپ کے ہاں کسی قریبی یا کسی بڑی شخصیت کے لیے تنفیذ احکام کے ضمن میں کسی قسم کی کوئی خاص نوازش، رعایت، محبت یا جانبداری نہیں پائی جاتی تھی اور اس حقیقت پر دلالت کرنے والی چیز آپ کے اس دن کے طرز عمل سے بڑھ کر اور کوئی نہیں جس دن فاطمہ مخزومیہ نے چوری کی اور آپ نے اس پر حد سرقہ لاگو کرنے کا حکم صادر فرما دیا۔ حالانکہ اس کا مرتبہ اور اس کے قبیلے کا مرتبہ ان دنوں سب قبائل میں سرفہرست تھا۔ قریش پر یہ بات بڑی گراں تھی کہ جناب رسول اللہ اس کا ہاتھ کاٹ دیں۔ چنانچہ انہوں نے اسامہ بن زید سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اس عورت کے لیے حضور کی خدمت میں بطور سفارشی جائیں تاکہ اس پر چوری کی حد جاری نہ کی جائے۔ جب اسامہ نے اس بارے میں آپ سے عرض کی تو جناب رسول اللہ پر اس کا بڑا برا اثر پڑا۔ آپ نے اسے سخت ناپسند کیا اور اسامہ سے فرمایا "کیا تو اللہ کی مقرر کردہ حدود میں سے ایک حد میں سفارش کرنے آیا ہے"۔ پھر آپ لوگوں کی طرف اٹھے اور انہیں یہ کہتے ہوئے خطبہ دیا:

> "ان لوگوں کا کیا حال ہے جو اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود میں سے کسی ایک حد میں سفارش کرتے ہیں۔ بے شک تم سے پہلے لوگ محض اس لیے ہلاک ہو گئے کہ جب ان کا کوئی اعلیٰ درجہ آدمی چوری کرتا تو وہ اس کو چھوڑ دیتے مگر جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیتے اور خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا"۔

یوں آپ اللہ تعالیٰ کے اس قول کو عملاً نافذ فرماتے ہیں:

خذ العفو وأمر بالعرف وأعرض عن الجاهلين

"اے محبوب معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو"۔

اور اللہ جل و جلالہ کے اس قول کو عملی جامہ پہناتے ہیں:

و لا تستوی الحسنۃ ولا السیئۃ ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک و بینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم

"اور نیکی اور بدی برابر نہ ہو جائیں گی اے سننے والے برائی کو بھلائی سے ٹال جبھی وہ کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی تھی ایسا ہو جائے گا گہرا دوست"۔

خاص طور پر آپؐ نے اپنے اس قول کریم کو فتح مکہ کے دن خوب عملی جامہ پہنایا اور اسے مکمل طور پر نافذ کیا جب کہ آپؐ نے ان لوگوں سے جنہوں نے طرح طرح کی آپؐ کو تکلیفیں دی تھیں اور آپؐ سے جنگ کی تھی یہ فرمایا:

اذھبوا فانتم الطلقاء "جاؤ آپ آزاد ہیں"

حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"میں جناب رسول اللہ کے ساتھ جا رہا تھا۔ آپؐ بڑی سخت اور کھردری قسم کی چادر زیب تن کیے ہوئے تھے۔ اسی اثنا میں ایک بدو نے آ لیا اور آپؐ کی چادر مبارک کو بڑی سختی کے ساتھ کھینچا۔ بعد ازاں جب میں نے جناب رسول اللہ کے کندھے مبارک کو دیکھا تو اس میں اس کے چادر کو زور سے کھینچنے کے سبب کناروں کے نشان پڑ گئے تھے۔ پھر اعرابی بولا اے محمد اللہ تعالیٰ کا مال جو آپؐ کے پاس ہے وہ مجھے عطا فرمانے کا حکم دیجئے۔ جناب رسول اللہ نے اس کی طرف توجہ فرمائی اور مسکرا دیئے۔ پھر اس کو مال دینے کا حکم دیا۔

اللہ کی رحمتیں تمہارے لیے ہوں یا رسول اللہ

کس قدر تکلیفیں آپؐ نے اٹھائیں اور راہ خدا میں کس قدر سختیاں جھیلیں اور کس قدر راہ اسلام میں طرح طرح کے بوجھ اٹھائے۔ ہاں اے اللہ تعالیٰ کے رسول

اور اس کے حبیب! بے شک آپ کو ابتلائے عذاب کیا گیا۔ آپ نے اپنی قوم کی طرف سے مشقتیں اٹھائیں، سخت تکلیفیں جھیلیں مگر آپ نے صبر کیا اور ان کو برداشت کیا اور جس وقت جبریل ملک الموت کی معیت میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ ان کی کارستانیوں کی سزا کے طور پر دونوں پہاڑ ان پر ڈال دیں تو آپ نے معاف کر دیا اور نرمی برتی اور فرمایا:

اللھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون

"اے اللہ میری قوم کو بخش دے بے شک وہ جاہل ہیں میری حیثیت کو نہیں سمجھتے ممکن ہے ان کی پشتوں سے ایسے لوگ نکلیں جو تجھ پر ایمان لانے والے ہوں"۔

چنانچہ دیکھو یہی ہوا جس کی آپ نے تمنا کی تھی اور عکرمہ بن ابی جہل اور ابو عبیدہ، جیسے لوگ ان سے پیدا ہوئے۔ یہ کیسی عظمت ہے۔ بے شک یہ اخلاق محمدیہ اور تربیت الٰہی کی عظمت ہے۔ انسانی کمال و تکمیل کے لیے ایک اعلیٰ نمونہ کی عظمت ہے۔ یہ اس کی عظمت ہے جس کو اس کے رب نے ادب سکھایا اور بہت ہی اچھی طرح سکھایا۔

یہ اس کمال کا عکس ہے جس کی وجہ سے اے اللہ کے رسول لوگ آپ سے محبت کرتے ہیں، آپ پر فریفتہ ہیں۔ یہ وہی چیز ہے جس نے انھیں آپ کی محبت میں اونچے درجے پر پہنچا دیا اور آپ کی اور ہر چیز سے بڑھ کر اس کی اطاعت میں لگا ہو جانے اور اس کی حفاظت کرنے کے لیے اپنی جان تک کی بازی لگا دینے پر آمادہ کر دیا۔

اور ہم میں سے کون ہے جو اس دینار کی عورت کو یاد نہیں رکھتا جس کے باپ، بھائی، خاوند اور بیٹا جنگ احد میں شہید کر دیے گئے۔ لوگوں نے جب اسے ان کی موت کی خبر پہنچائی تو اس نے کہا:

"جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا ہوا۔ انھوں نے کہا کہ وہ خیریت سے ہیں اور بحمد للہ ایسے ہیں جیسے تو چاہتی ہے اس پر وہ کہنے لگی مجھے حضور دکھائیے تاکہ میں ان کا رخ انور

جی بھر کر دیکھ لوں پھر اے اللہ کے رسول جب اس نے آپ کو دیکھا تو آپ کو سلامت دیکھ کر مطمئن ہو گئی اور اللہ تعالیٰ کی حمد بجا لائی اور کہنے لگی:

کل مصیبۃ بعدک جلل "تیرے بعد ہر مصیبت حقیر ہے"

اور زید بن الدثنہ قیدی کو کون یاد نہیں رکھتا جس کا صفوان نے پیچھا کیا تھا تاکہ اپنے باپ امیہ بن خلف کے بدلے اسے قتل کر دے وہ حرم کعبہ کے اندر تھے۔

انہوں نے قتل کے ارادہ سے ان کو حرم کعبہ سے باہر نکالا۔ اس تماشا کو دیکھنے کے لیے قریش کا ایک گروہ جمع ہوا۔ ان میں ابو سفیان بھی تھا جب وہ قتل کے لیے لاے گئے تو ابو سفیان نے ان سے کہا:

أنشدك الله یا زید أتحب ان یکون محمد عندنا الآن فی مکانک تضرب عنقہ وإنک فی اھلک فقال و اللہ ما أحب أن محمدا الآن فی مکانہ تصیبہ شوکۃ تؤذیہ وإنی جالس فی أھلی

"اے زید میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تو اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس وقت حضرت محمد تیری جگہ میں ہوتے اور معاذ اللہ ان کی گردن مار دی جاتی اور تو اپنے گھر والوں میں ہوتا انہوں نے جواب دیا بخدا! مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ حضرت محمد اب اپنی جس جگہ میں ہیں انہیں وہاں کانٹا بھی چبھے اور میں اپنے گھر والوں میں آرام سے رہوں"۔

ابو سفیان یہ سن کر بہت متعجب ہوا اور کہا:

ما رأیت أحدا یحب أحدا کحب أصحاب محمدٍ محمدا

میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ کسی دوسرے سے اتنی محبت کرتا ہو جتنی محبت حضرت محمدؐ کے ساتھی حضرت محمدؐ سے کرتے ہیں"۔

ہیبت جس میں تواضع و محبت نے لطافت پیدا کر دی تھی

جناب رسول اللہ کی ایسی ہیبت تھی کہ جب دشمنوں کے دلوں پر طاری ہوتی تو انہیں خوفزدہ کر دیتی اور ڈرا دیتی اور ان کے سارے منصوبوں اور تجویزوں میں شک اور خلل پیدا کر دیتی اور جب اسی ہیبت کا پرتو آپ کے اصحاب کے دلوں پر پڑتا تو تواضع اور حب کے رنگ میں انہیں رنگ دیتا۔ فتح مکہ کے دن مسلمان ہونے والوں میں سے ایک شخص آپ کے سامنے کھڑا ہوا اس پر کپکپی طاری ہو گئی اور وہ ان کھڑکھڑانے لگ گیا۔ جناب رسول اللہ اس کی طرف اٹھے اور آپ نے اس کو مطمئن کرتے ہوئے فرمایا:

و هون علیک فانی لست بملک انما انا ابن امراۃ من قریش کانت تا کل القدید

"مطمئن رہئے اور آسان جانیے میں بادشاہ نہیں ہوں میں تو قریش کی ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھے گوشت کے ٹکڑے کھایا کرتی تھی"۔ سبحان اللہ

تو وہ شخص آپ کی بات سن کر پر سکون اور مطمئن ہو گیا۔

"اے اللہ ہمیں آپؐ کا اچھے طریق سے اتباع کرنا سکھا اور آپ کی سچی محبت سکھا اور جو کچھ تو نے ہمیں سکھایا ہے اور ہم نے سیکھا ہے اس سے ہمیں بہرہ ور ہونے کی توفیق عطا فرما ہمیں علم میں ترقی عطا کر اور اپنی وسیع رحمت کے ذریعے ہم پر رحم کر بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے"۔

اس وقت
اے عمر رضی اللہ عنہ

ان لوگوں کا شمار عقلمندوں میں سے ہے جو یہ رائے رکھتے ہیں کہ محبت رسول اللہ کا کمال ایمان کے ساتھ بلاواسطہ تعلق ہے۔ جیسے یہ ہیں رسول کریمؐ جو اپنی محبت اور اس کی حدود و مدارج کی وضاحت فرماتے ہوئے ہمیں آگاہ کرتے ہیں:

لا یومن أحدکم حتی أکون احبّ الیہ من والدہ و ولدہ و الناس اجمعین

آپؐ ہمیں سکھاتے ہیں کہ کیسے آپؐ کی محبت ہونی چاہیے اور یہ ہیں خلیفہ ثانی حق و باطل میں فرق کرنے والے جو رسول اللہ سے عرض کرتے ہیں:

"اے اللہ تعالیٰ کے رسول آپ یقیناً مجھے ہر چیز سے بڑھ کر پیارے ہیں سوائے میری اپنی جان کے"۔

مگر آپ انہیں یہ جواب دیتے ہیں:

"نہیں قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے جب تک میں تمہیں تمہاری جان سے بھی زیادہ پیارا نہ ہوں اس وقت تک تم کامل الایمان نہیں ہو سکتے۔ حضرت عمر فاروق نے عرض کی یا رسول اللہ! اب آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ پیارے ہیں تو رسول اللہ نے فرمایا "اب اے عمر (آپ اس درجہ پہ پہنچے ہیں جو کمال ایمان کا درجہ ہے اور اب آپ کی محبت کامل محبت کہلانے کی مستحق ہے"۔

غار کے ساتھی اور چند دیگر جاں نثاران رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اور یہ ہیں ابوبکر صدیقؓ دو میں سے دوسرے۔ مکہ میں آپ لوگوں کو خطاب کرنے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔ آپ انہیں اسلام کی دعوت دے رہے تھے۔ کفار

نے ان کی چادر سے پکڑ کر انہیں کھینچا اور اتنا مارا کہ وہ بے ہوش ہو گئے۔ جب
قدرے افاقہ ہوا تو فرمایا مجھے حضرت محمدؐ تک لے چلو۔ جب ان کی والدہ انہیں دار ارقم
میں لے آئیں تو بولے:

زال عنی کل ما اجد برؤیتک یا رسول اللہ

"اے اللہ کے رسول آپ کا دیدار کر لینے کے بعد ہر تکلیف جو
میں محسوس کر رہا تھا مجھ سے دور ہو گئی"۔

اے رسول اللہ کے خلیفہ اللہ تم سے راضی ہو آپ یہ سب تکلیفیں برداشت
کرتے ہیں اور طرح طرح کی سختیاں جھیلتے ہیں مگر آپ کو ان کی فکر ذرا بھی نہیں ہوتی
اور یہ سختیاں آپ کو مضطرب نہیں کرتیں۔ اگر آپ کو فکر ہے تو محض سلامتی رسولؐ
کا فکر ہے اور آپ پریشان ہیں تو صرف اسی کے لیے اور جب آپ کا دل سلامتی
رسول سے مطمئن ہو جاتا ہے تو بس صرف اسی وقت اور اسی کے واسطے سکون آپ
کے جسم میں سرایت کر جاتا ہے۔

آپؓ خوشی سے جھوم اٹھتے ہیں اور آپ کے سارے دکھ درد اور سختیاں دور ہو
جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے حب صادق کے مفہوم کی کتنی پیاری اور دلکش تصویر
ہے یہ وہ حب جس نے جناب رسول اللہ کی سلامتی اور آپ کی عافیت کو اپنی سلامتی
و عافیت سے بھی زیادہ محبوب بنا دیا۔ بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم "اے ابوبکر
تجھے اس نفس اور تیری اس روح سے جو تیری دو پسلیوں کے درمیان ہے تجھے زیادہ
چاہتے ہیں۔ اے میرے سردار تجھے مبارک ہوں یہ اذیتیں و مصیبتیں و تکلیفیں اور جو تیرے
لیے باعث صد مسرت ہوں" اور مبارک ہو آپ کے لیے یہ کارنامہ جسے پیش کر کے
آپ ہمیں یہ سکھا رہے ہیں کہ رسول اللہ کی محبت کیسی ہونی چاہیے۔ اس میں کچھ
اچنبھے کی بات نہیں۔ آپ ہی وہ پہلی شخصیت ہیں جس نے سب سے پہلے آپؐ کی
تصدیق کی اور وہ پہلی ہستی ہیں جس نے آپؐ کی پشت پناہی کی اور ان سب سے پہلے
ہیں جنہوں نے آپ سے دوستی کا دم بھرا اور آپ کی امت میں سے جو آپ کے

جانشین بنے اور آپ کی سنت کو مضبوطی سے تھاما آپ ان سب سے زیادہ بہادر ہیں اور بے شک آپ کی خواہشات اور آپ کے سارے اعمال اس کے تابع تھے جو آپ لے کر آئے اور پھر اس میں کچھ انوکھا پن نہیں کہ لوگ اسی اس راستہ پر چلیں جس پر آپ چلے اور بینہ اس طریقہ کار کو آپ کی محبت کے سلسلہ میں اپنائیں جو آپ نے اپنایا۔ یہ انصار کی ایک عورت ہے جس کا بھائی' باپ اور خاوند جنگ احد میں شہید کر دیے گئے۔ وہ جناب رسول اللہ کی معیت میں جنگ کر رہے تھے۔ جب لوگوں نے اسے ان کی موت کی خبر سنائی تو اس نے کچھ پرواہ نہ کی۔ کیونکہ سلامتی رسول ہی اس کی تمنا اور اس کا مقصود زندگی تھا جو ہر چیز سے پہلے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر وہ ان سب کی معیت کے بارے میں سوچتی اسے مشغول کیے ہوئے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں دیکھتے ہی وہ چلا اٹھی:

ما فعل برسول اللہ

"رسول اللہ کے ساتھ کیا گیا"۔

وہ جناب رسول اللہ اور آپ کی سلامتی کے بارے میں افسوس و اضطراب میں مبتلا تھی مگر جب لوگوں نے اسے بتایا کہ آپ بحمد اللہ تیری خواہش کے مطابق بخیر و عافیت اور صحیح و سالم ہیں تو اسی وقت "کہا" فاتا" یہ خبر سن کر باوجود اپنی مصیبت کی شدت اور اپنی تکلیف کی زیادتی کے مطمئن ہو جاتی ہے اور کہتی ہے خدارا مجھے ان کا دیدار کرا دیجئے تاکہ میں ان کی طرف ایک نظر بھر کے دیکھ لوں۔ جب اس نے آپ کو دیکھا تو اپنا وہ مشہور کلمہ کہا جو ضرب المثل بن چکا ہے میں ادوار تاریخ کے ساتھ ساتھ ایک جگمگاتا ہوا نور ہے جو اس انصاری عورت کے ایمان پر گواہ ہے اور وہ یہ ہے:

کل مصیبۃ بعدک جلل یا رسول اللہ

"یا رسول اللہ تیرے ہوتے ہوئے ہر مصیبت حقیر ہے"۔

اس انصاری عورت کی ایمان کی یہ کتنی اعلیٰ تصویر ہے جس نے جناب رسول

اللہ کی محبت کی حدود اس کے مراتب و مدارج اور اس کے کمال کے بارے ہمیں ایک دوسرا سبق دیا ہے۔ جب ہم اس انصاریہ کا قصہ پڑھ رہے ہوتے ہیں تو ہم آج بھی اس محبت کے مراتب کو اور اس کی چاشنی کو محسوس کر رہے ہوتے ہیں۔

یہ وہ سچی محبت تھی جس کی مشک مہور تاریخ کے ساتھ ساتھ دم بدم تازہ بہ تازہ اور نو بہ نو ہوتی جا رہی ہے۔ اب سنئے زید بن الدثنہ کے بارے میں جس وقت انہیں مشرکین مکہ نے قتل کرنے کی غرض سے حرم شریف سے باہر نکالا تو ابو سفیان نے جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے ان سے کہہ گئے:

"اے زید کیا تو یہ پسند کرتا ہے کہ حضرت محمدؐ اس وقت ہمارے پاس ہوتے اور ہم معاذ اللہ ان کی گردن مار دیتے اور تو اپنے گھر والوں میں آرام سے ہوتا۔ زید نے جو جواب دیا وہ اسلامی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ وہ کچھ یوں تھا نہیں ہرگز نہیں خدا کی قسم میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ حضرت محمدؐ کو کانٹا چبھے اور وہ تکلیف میں ہوں اور میں اپنے گھر والوں میں آرام سے بیٹھا رہوں۔ یہ سن کر اس وقت ابو سفیان بول اٹھا میں نے لوگوں میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں دیکھا جو کسی سے اتنی محبت رکھتا ہو جتنی محمدؐ کے اصحاب محمدؐ سے رکھتے ہیں"

تنعیم میں سولی چڑھتے وقت بعینہ ایسا ہی قصہ، ایسی ہی ثابت قدمی اور ایسی ہی محبت حضرت خبیب کے بارے میں منقول ہے۔

اسی طریقہ سے صحابہ کرام جناب رسول اللہ کی مدافعت میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کیا کرتے اور آپ پر قربان ہونے کے لیے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا کرتے اور آپ کی خوشی اور آپ کی راحت کی خاطر ایک دوسرے سے مسابقہ کرتے اور تکلیف کو آپ سے دور کرنے میں ایک دوسرے سے جلدی کرتے۔

اور یہ خوش بخت ہیں جب کہ انہوں نے جناب رسول اللہ کو اپنے جسم کے ساتھ

ڈھانپ لیا اور آپ کے اوپر لیٹ گئے وہ کسی جنگ میں آپ کا دفاع کر رہے تھے۔ تیر آپ کی پشت پر آ کر لگتے تھے۔ وہ جناب رسول اللہ کے اوپر جھکے ہوئے تھے اور ابھی تک حضور کے سر مبارک کے اوپر ہی تھے کہ انہیں شہید کر دیا گیا۔

جنگ احد کے موقع پر حضرت طلحہؓ نے عرض کیا:

نحری دون نحرک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

"یا رسول اللہ آپ کے سینہ مبارک کے بدلے میرا سینہ حاضر ہے"

چنانچہ اسی دن ان کا ہاتھ شل ہو گیا۔ ابو دجانہ نے بھی ایسا ہی کیا تھا تو ان کے پیٹھ میں ایک تیر آ کے لگا اور ایسے ہی حضرت قتادہ کی زبان سے نکلا تھا اور ان کی ایک آنکھ میں ایک تیر آ کے لگا۔ جناب رسول اللہ نے اسی وقت ان کی آنکھ کو درست فرما دیا۔ چنانچہ ان کی یہ آنکھ دوسری آنکھ کی بہ نسبت زیادہ خوبصورت ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے:

رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه

"یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کے ساتھ اپنے کیے گئے عہد کو اچھی طرح نبھایا اور جناب رسول اللہ کی محبت میں سچے ثابت ہوئے۔ اپنے محبوب رسول کی سلامتی کے لیے بڑی فراخدلی کے ساتھ اپنے مال، اپنی اولاد اور اپنی جانیں نچھاور کر دیں"۔

یہ ان کی محبت کی صداقت اور ان کی وفا کی انتہا ہے۔ عقیدہ میں پختگی اور ثابت قدمی ہے۔

ماشاء اللہ انہوں نے ہمارے لیے محبت کی خوبصورت ترین تصویریں نقش کر دی ہیں۔ انہیں اس بات کا یقین کامل تھا کہ بے شک نبی کریم مومنین کی جانوں کی بہ نسبت بھی ان کے زیادہ قریب ہیں۔ (اللہ ان سب سے راضی ہو)

اور وہ اس بات پر بڑا حرص رکھتے تھے کہ آپ کی [illegible] خواہشات اور ان سے

تمام تصرفات محض اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے رسول کی محبت اور اللہ تعالیٰ کے
اس حکم پر لبیک کہنے کے لیے ہوں:

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

اور زمانہ صلح اور زمانہ امن میں بھی وہ حضرات آپ کے اتباع میں ایسے ہی
ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوششیں کیا کرتے تھے جیسے جنگوں میں آپ کی
مدافعت میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی تمنا رکھتے تھے۔

اصحاب السیر نے ذکر کیا ہے کہ قریش نے جناب رسول اللہ کی خدمت میں ایک
سفارت بھیجی۔ اس وقت آپؐ حدیبیہ میں مقیم تھے ان کے سفیر نے جناب رسول
اللہ کو دیکھا کہ آپ وضو فرما رہے ہیں اور صحابہ کرام جناب رسول اللہ کے وضو کے
بچے ہوئے پانی کو اپنے جسموں پر مل رہے ہیں۔ جب وہ مکہ واپس گیا تو مکہ والوں سے
یوں مخاطب ہوا:

"اے اہل مکہ حضرت محمدؐ کا خون کیسے بہایا جا سکتا ہے۔ ان کے اصحاب تو ان
کے وضو کے قطروں کو بھی زمین پر نہیں گرنے دیتے۔ وہ ان کے وضو کا پانی حاصل
کرنے کے لیے ایک دوسرے سے لڑ پڑتے ہیں جس کو اس پانی سے کچھ نہ ملے وہ
اپنے ساتھی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے چہرے پر پھیر لیتا ہے۔"

اور یہ حضرت علی بن ابی طالب ہیں۔ آپ ان کی صفت فرماتے ہیں:

کان رسول اللہ احب الینا من اموالنا و اولادنا و
ابائنا و امھاتنا من الماء البارد علی الظماء

"جناب رسول اللہ ہمیں اپنے مالوں، اپنی اولاد، اپنے باپوں، اپنی
ماؤں اور سخت پیاس کے وقت ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ
پیارے تھے"۔

آپؐ پر اللہ کی طرف سے درود و سلام ہو۔ اے میرے سردار، اے اللہ کے
رسول بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اور آپ کو خلق عظیم پر پیدا فرمایا ہے اور مومنین کے ساتھ بہت نرمی کرنے والا اور رحم کرنے والا بنایا ہے۔

اسی حقیقت کو قرآن یوں بیان فرماتا ہے:

وانک لعلیٰ خلق عظیم

"اس میں کچھ الجھا پن نہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو چن لیا ہے

خود اور اس کے فرشتے آپ پر درود بھیجتے ہیں۔ اس نے تمام رسالتیں آپ پر ختم کر دیں اور آپ کو اس دن منصب شفاعت سے نوازے گا جس دن اس کے حضور اس کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کی سفارش نہیں کر سکے گا اور اس کی کرسی آسمانوں اور زمینوں پر پھیلا ہے (یعنی اس کا علم وسیع و لامتناہی ہے)

ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین امنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما

"بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی آپ پر درود پڑھو اور خوب سلام کرو"۔

امام مسلم نے حضرت واثلہ بن الاسقع سے روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ میں نے جناب رسول اللہ کو فرماتے ہوئے سنا:

"بے شک اللہ تعالیٰ حضرت اسماعیل کی اولاد سے کنانہ کو چن لیا اور کنانہ سے قریش کو چن لیا اور قریش سے بنی ہاشم کو بنی ہاشم سے مجھے"۔

تب تو اس بات میں ذرا بھر بھی شک نہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہی تکمیل ایمان ہے اور یہی وہ محبت تھی جس نے ان صحابہ کرام اور جو ان کے راستہ پر چلے ان کے نزدیک اللہ کے دین کی خاطر اور نبی کریم سے مالفت میں قربانی دینے کو اور اپنی جانیں نچھاور کرنے کو محبوب بنا دیا۔ اور اسی قاعدہ کلیہ کے

مطابق مسلمان کا ہر عمل بجز حب رسول کے ناقص رہتا ہے اور اس کا ایمان نامکمل ہوتا ہے۔

یہاں اس کی یہ وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ ایک مسلمان سے مطلوب ہے کہ اس کا ایمان اس کے دل اور اس کے جوارح میں کامل صورت میں موجود ہو۔ ناقص ہرگز نہ رہنے پائیں۔

لیکن ایسا ایک ہی دفعہ فوری طور پر نہیں ہو جاتا۔ بیشک اس کی ابتداء قبول اسلام سے ہوتی ہے۔ جب کہ ایک فرد اپنی زبان اور اپنے وجود کو دین کے تابع بنا دیتا ہے اور اس کے اعضاء کلمہ توحید اور جو کچھ جناب رسول اللہ لے کر آئے اس کے مطیع ہو جاتے ہیں۔ پھر اس کے بعد ایمان کا نمبر آتا ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ صحیح تربیت کا ہونا ضروری ہے اور یہی وہ صحیح تربیت ہے جو لوگوں کے دلوں میں حب رسول کو اجاگر کرتی ہے اور اس ایمان کامل کی طرف ان کی راہنمائی کرتی ہے جو محبت رسول پر قائم ہے۔ یہ وہ قرآن ہے جو ان اشخاص کو مد نظر رکھتے ہوئے مذکورہ بالا حقیقت کو واضح کرتا ہے جو پہلی دفعہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ انہوں نے اسلام تو قبول کر لیا تھا مگر مکمل ایمان ان کے دلوں میں راسخ نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ انہیں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَٰكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ (حجرات: ۱۴)

گنوار بولے ہم ایمان لائے۔ تم فرماؤ تم ایمان تو نہ لائے ہاں یوں کہو کہ ہم مطیع ہوئے اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں کہاں داخل ہوا۔

بے شک کمال ایمان بجز آپ کی محبت اور بجز آپ کی تعظیم کے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے متحقق نہیں ہوتا۔ یہ تعظیم، تعظیم ہے جس میں نہ تو شرک کی آمیزش ہوتی ہے اور نہ ہی آپ کی ذات شریفہ میں اعتقاد الوہیت ہوتا ہے جیسا کہ

حدیث میں وارد ہوا ہے:

"میری مدح میں اس طرح غلو نہ کرو جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کے بارے میں کہا کہ وہ (معاذ اللہ) اللہ کے بیٹے ہیں اور وہ تین میں تیسرے ہیں۔ اور یہ بہتان اور شرک عظیم ہے۔ بے شک یہ ایک پاکیزہ اور عمدہ موقع ہے اس میں گھڑی بھر کے لیے ہم اپنے ایمانوں کو جناب رسول اللہ کی محبت اور آپ کی سیرت کی حلاوت اور آپ کے خصائص و فضائل سے آگاہی کے جذبہ و شوق سے بھر دیتے ہیں۔ خصوصاً اس وقت جب کہ آپ کا ماہ ولادت ہم پر جلوہ افروز ہوتا ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں آپ کا نور اس کائنات میں جلوہ فگن ہوا اور اسی نے ساری کائنات کو روشن و منور کر دیا"۔

اسے سعادتوں سے بہرہ ور کیا (سبحان اللہ) اسے کفر کی اندھیریوں سے اسلام کی روشنیوں کی طرف نکال لایا۔ کیا ہی خوب ہے یہ یاد؟ ہمیشہ ہمیشہ اور تا ابدالآباد مبارک ہو مسلمان کو آپؐ کا یہ سچا محبت اور پھر یہ یاد اس مہینہ میں سبحان اللہ کیا شرف عظیم ہے یہ؟ سوموار کے دن روزے رکھنے کے بارے میں ایک سائل کے سوال کے جواب میں حدیث میں یوں آتا ہے:

فقال رسول اللہ هذا يوم ولدت فيه و انزل علیّ فيه

"یہ وہ دن ہے جس میں میری ولادت ہوئی اور اسی دن میں مجھ پر وحی نازل کی گئی"۔

اور اسی طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سکھاتے ہیں کہ نعمت والے دن (یعنی جس دن نعمت ملی ہو) نعمت کا یاد کرنا ایک امر مشروع ہے اور لائق ستائش فعل ہے۔ آپ پر صلوٰۃ و سلام ہو اے میرے سردار! اے اللہ کے رسول۔

بہت جلد چھپ کر ایک نئی کتاب

دونوں جہاں میں سرخروئی
اور کامیابی کی ضمانت

محبت و اطاعتِ نبوی ﷺ
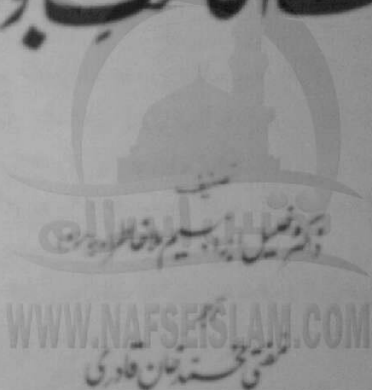
مصنف

ڈاکٹر [illegible]

مفتی محمد خان قادری

حجاز پبلیکیشنز

مرکز الاویس دربار مارکیٹ
گنج بخش روڈ لاہور

دو شہروں میں
بڑا آدمی

بعض اوقات بڑائی اور غرور ایک متکبر انسان کے حقیقت کے مشاہدے کی راہ میں آڑے آ جاتے ہیں اور حقیقت کا خواب اور الہام اس سے پردے میں رہتا ہے اور یہ فخر و غرور اسے اتباع حق سے باز رکھتے ہیں بلکہ بعض دفعہ اسے محض عناد و عداوت کی وجہ سے ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دیتے ہیں۔ پس وہ نہ تو حق کو بطور حق دیکھنے پر قادر ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے پیروکاروں میں شمار ہوتا ہے۔ اسی سبب سے اس کے لیے بہتر دعا درج ذیل ہے اور اسی کا اسے ورد کرتے رہنا چاہیے۔

"اے اللہ ہمیں حق، حق کی صورت میں دکھا۔

اور اس کی پیروی نصیب کر اور باطل کو باطل کی صورت میں اور اس سے بچنے کی توفیق عطا کر۔" انسان کی اس بڑائی، تکبر اور اونچی کھینچ کا قصہ اتنا ہی پرانا ہے جتنا کہ اس کی اپنی آفرینش کا دن۔ اس قصہ کی ابتدا اس دن سے ہوئی جس دن اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تو اس حکم کے بموجب:

> سب فرشتوں نے سجدہ کیا ایک ایک کر کے حتیٰ کہ کوئی بھی باقی نہ رہا مگر ابلیس نے ——— اس نے غرور کیا۔ اور وہ تو تھا ہی کافروں میں۔ فرمایا اے ابلیس تجھے کس چیز نے روکا کہ تو اس کے لیے سجدہ کرے جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ کیا تجھے غرور آ گیا تو تھا ہی مغروروں میں بولا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے پیدا کیا۔ فرمایا تو جنت

سے نکل جا کہ تو راندہ ہوگیا اور تجھ پر میری لعنت ہے قیامت تک۔ ابلیس نے اپنی اس غلطی کے جرم اور اس کے خطرے کو پہچان لیا تھا۔ چنانچہ اس کے بدلے اس نے اپنے دشمن حضرت انسان کو بہکانا شروع کر دیا اور وہ اسے حشر بپا ہونے کے دن تک بہکاتا ہی رہے گا۔

چنانچہ اس نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ جل جلالہ کی قسم کھا کر کہا تھا:

فبعزتک لأغوینہم أجمعین الا عبادک منہم المخلصین

"مولا تیری عزت کی قسم ضرور میں ان سب کو گمراہ کردوں گا مگر جو ان میں سے تیرے چنے ہوئے بندے ہیں"۔

اسی سبب سے اللہ تعالیٰ نے تکبر و غرور سے ڈرایا ہے اور فرمایا:

الکبریاء ردائی فمن تردی بہ قصمتہ (الحدیث القدسی)

"بڑائی میری چادر ہے جس نے اسے اوڑھا میں اس کی کمر توڑ دوں گا"۔

یہ ہیں وہ سرداران قریش جن کی دانائی، عقل اور قیادت نے ان کو (زمانے وحی میں سبقت و امتیاز) کی گمراہی سارے عرب نے دین حق میں جا پہنچنا تھا کہ اس دین متین کی طرف وہی سبقت کرنے والے ہوتے مگر تکبر و غرور ان کے اور حقیقت کے مشاہدے کی راہ میں حائل ہوگیا۔ باوجود اس کے کہ انہیں آپ کے صدق اور آپ کی امانت کا یقین تھا مگر اس کے باوجود بھی انہوں نے آپ کو جھٹلایا، آپ سے جنگیں کیں، گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دی۔ ضلالت کو صراط مستقیم پر، برائی کو اچھائی پر اور حق کا انکار کیا۔ حالانکہ اس کو اچھی طرح پہچانتے تھے۔ وہ اپنے تکبر و غرور اور اپنی عداوت میں سرمست رہے۔ یہاں تک کہ اس نے ان کو ہلاکت کے گھاٹ پر لا کھڑا

کیا۔ وہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی، خاندانی اور نسبی حیثیت کو پہچانتے تھے اور آپ کی ثابت قدمی کی عظمت سے بھی خوب واقف تھے اور اس بات کا بھی انہیں ادراک (شعور) تھا کہ قریش کا کوئی بھی تو نیکی، بزرگی اور شرافت میں آپؐ کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا۔

آپؐ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد، حضرت اسماعیل کی کھیتی اور مضر کا منصر ہیں۔ آپؐ کے گھر والے بیت اللہ کے محافظ اور اس کے حرم کے نگہبان تھے۔ مگر باوجود اس کے برائی اور فخر نے مشاہدہ حق سے انہیں اندھا کر دیا تھا وہ اپنے بتوں پر آسن مارے بیٹھے رہے اور وہ چیز جو انہیں پریشان کرتی تھی اور جس میں انہیں تعجب تھا وہ صرف یہ تھی کہ نبوت محمد علی صاحبہا السلام میں کیسے ظہور پذیر ہوئی؟ اور یہ کہ قرآن کریم دیگر بڑے لوگوں کو چھوڑ کر ان پر کیوں نازل کیا گیا۔ وہ تو یہ چاہتے تھے کہ کاش یہ کسی بڑے آدمی پر نازل ہوا ہوتا اور ایسے ہی انہوں نے اس عظمت کو اپنے ہی لوازمات اور اپنے ہی پیمانوں میں دیکھا اور ایسے ہی ان کے نفوس نے انہیں ورغلایا۔ جو حسد، تکبر، شقی، بد حالی اور غرور سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ کہنے لگے:

(لولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم

بیہقی نے اس کے ساتھ ابو اسحاق سے روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابو جہل اور ابو سفیان کے پاس سے گزرے۔ وہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔ ابو جہل نے کہا اے بنی عبد شمس! کیا یہ ہیں تمہارے نبی؟ ابو سفیان بڑا متعجب ہوا اور کہنے لگا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم میں سے کوئی نبی ہو۔ نبی تو ان میں سے ہو گا جو ہم میں سے تعداد میں کم اور گھٹیا ہیں۔ ابو جہل بولا نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر ایک عجیب بات یہ ہے کہ بوڑھوں کو چھوڑ کر ایک لڑکا نبی بنے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم ان کی باتیں سن رہے تھے۔ آپؐ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اے ابوسفیان جہاں تک تیرا تعلق ہے تو اللہ اور اس کے رسولؐ کی خاطر غضبناک نہیں ہوا۔ تو نے اصل (ذات) کی حمایت کی ہے اور جہاں تک تیرا تعلق ہے اے ابوالحکم خدا کی قسم تو تھوڑا ہنسے گا اور بہت روئے گا۔ اس نے کہا اے میرے بھتیجے یہ کتنا برا وعدہ ہے جو تم اپنی نبوت کے ذریعے میرے ساتھ کر رہے ہو۔

اسی مضمون مذکورہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

واذا راوک ان یتخذونک الا هزوا اهذا الذی بعث اللہ رسولا

"اور جب تمہیں دیکھتے ہیں تو تمہیں نہیں ٹھہراتے مگر ٹھٹھا کیا یہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے"۔

وہ اکثر دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ میں سے عمار' خباب' اور ابوفکیہہ یسار مولیٰ صفوان بن امیہ جیسے اپنے کمزور اور مسکین ساتھیوں کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے۔ ان کے متکبر نفوس اس بات کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے تھے کہ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے [illegible] اسی سبب سے وہ اکثر یہ سوال کیا کرتے اھولاء من اللہ علیھم من بیننا "کیا یہ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے احسان کیا ہم میں سے" اور ایسے ہی ان کے نفوس نے انہیں یہ بات کہنے پر اکسایا کیوں کہ ان کے معیارات کے مطابق رسالت وہ امانت نازل نہیں ہوا کرتی۔ مگر صرف امراء اور عظماء پر اور اس خیال باطل نے انہیں آپ کی تکذیب پر آمادہ کیا۔ حالانکہ وہ آپ کی سچائی کو جانتے تھے اور اس کے معترف تھے۔ امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی ہے۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا:

"جب قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت **وأنذر عشیرتک الاقربین** نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفا کی طرف تشریف لائے۔ اس پر چڑھ کر پکارا۔ یا صباحاہ (اس سے بچو) یہ سنتے ہی لوگ آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ کوئی تو خود آپ کی طرف آ رہا تھا جو خود نہ آ سکا اس نے اپنا ایلچی آپ کی طرف بھیجا۔ جب سب جمع ہو گئے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے اولاد عبدالمطلب اے فہر کی اولاد" اے بنی کعب تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر میں تمہیں بتاؤں کہ اس پہاڑ کے دامن سے ایک لشکر تم پر حملہ کیا چاہتا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ سب نے یک آواز اثبات میں جواب دیا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا میں سخت عذاب آنے کا تمہیں ڈر سناتا ہوں" ابو لہب لعنہ اللہ نے کہا معاذ اللہ تمہارا ہاتھ سارا دن شل رہے کیا اسی لئے تم نے ہمیں بلایا ہے تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرمائی **تبت یدا ابی لھب و تب** (بخاری و مسلم نے اس حدیث کی روایت کی ہے)

اس میں کوئی نزاع نہیں کہ ابو الحکم (عمرو بن ہشام) یا ابو جہل جیسا کہ مسلمانوں نے اس کا نام رکھا ہوا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت سخت اور انتہا درجہ مخالف تھا۔ شیطان اس کے سر پر سوار تھا۔ اس کی آنکھوں پر اس نے غرور کا پردہ ڈالا ہوا تھا۔ نتیجہ کے طور پر وہ حق کو دیکھنے سے اندھا ہو گیا۔ جب ایک دفعہ اس کے خفیہ طور پر قرآن سننے کے بعد اس کے دوستوں نے اس کی رائے پوچھی تو برگشتہ ہو کر کہنے لگا:

"ہمارے اور بنی عبد مناف کے درمیان اقتدار کی جنگ جاری

ہوئی۔ انہوں نے لوگوں کو کھلایا پلایا تو ہم نے بھی ایسا کیا۔ انہوں نے لوگوں کو سوار کرایا تو ہم نے بھی سوار کرایا۔ انہوں نے مال عطا کیے تو ہم نے بھی کیے حتیٰ کہ جب ہم برابر ہو گئے اور ایسے ہو گئے جیسے شرط پر دوڑائے جانے والے دو گھوڑے ہوتے ہیں تو اچانک وہ کہنے لگے ہم میں نبی آئے ہیں اور آسمان سے انہیں وحی آتی ہے تو اب اس کی مثال ہم کیسے پائیں۔ مگر اتنا ضرور ہے کہ لات کی قسم ہم کبھی بھی ان پر ایمان نہیں لائیں گے اور نہ ہی ان کی تصدیق کریں۔۔۔

اس طرح اس نے محض براہ تکبر، بڑائی، فخر اور جاہ پسندی کے حق کو ٹھکرا دیا۔ ابوجہل کے بعد اس بڑائی، تکبر، درشتی، فخر و غرور، اسلام دشمنی، ایذائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ایذائے صحابہ میں حد درجہ کوشش کے لحاظ سے نضر بن حارث یا شیطان قریش جیسا کہ مسلمان اس کا نام رکھتے تھے کا نمبر آتا ہے۔ وہ بھی وہی ابوجہل والا راستہ اپناتا ہے۔ ابن ہشام اپنی کتاب کی پہلی جلد ص ۲۹۸ میں لکھتے ہیں:

"نضر نے حیرۃ کا سفر کیا تھا۔ وہاں سے اس نے ایرانی بادشاہوں کے افسانے اور رستم و اسفندیار کی داستانیں سیکھی تھیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجلس لگاتے، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے اور اپنے ساتھیوں کو اللہ تعالیٰ کے اس غضب سے ڈراتے جس کا شکار سابقہ نافرمان قومیں ہو چکی تھیں اور جب آپ کی مجلس برخواست ہوتی تو یہ بھی وہاں آ دھمکتا اور آ کر لوگوں سے کہتا میری گفتگو ان کی گفتگو سے بہتر ہے۔ میری طرف آؤ میں تمہیں شاہان فارس کی باتیں سناؤں گا اور رستم و اسفندیار کی خبریں تم سے بیان کروں گا۔ پھر کہتا وہ کونسی خصوصیت ہے جس کی وجہ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو کے لحاظ سے مجھ سے بہتر ہیں۔ ابن اسحاق نے کہا حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ جہاں تک مجھے معلوم

ہو سکا ہے نضر بن حارث کے حق میں قرآن کریم کی آٹھ آیات نازل ہوئیں جو اللہ عز و جل کے اس قول پر ختم ہوتی ہیں "اذا تتلی علیه ایاتنا قال اساطیر الاولین" "جب اس پر ہماری آیات پڑھی جائیں تو کہتا ہے اگلوں کی کہانیاں ہیں"۔

جناب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کمال انسانی کی اعلیٰ ترین صورتوں اور خوبی بشری کی خوبصورت ترین شکلوں میں ایک نمونہ کی حیثیت رکھتے تھے اور ایسا کیوں نہ ہوتا ذات علیم و خبیر نے آپؐ کا انتخاب فرمایا تھا تاکہ آپ خاتم الانبیاء و المرسلین بنیں اور تمام مخلوقات کی طرف اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام لے جانے والے بنیں بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام دنیا کی طرف نیکوکاروں کو جنت کی خوشخبری دینے والا" بدکاروں اور نافرمانوں کو جہنم کا ڈر سنانے والا" سیدھی راہ دکھانے والا" رہنمائی کرنے والا" چمکتا ہوا چراغ اور حق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والا بنا کر بھیجا ہے اور آپؐ کو رحمۃ للعالمین اور روز جزا کا شفیع بنا کر بھیجا ہے۔ پھر آپؐ سے فرمایا وانک لعلی خلق عظیم

بے شک اللہ جل جلالہ کی مشیت یہ ہوئی کہ حق باطل پر غالب رہے اس کا سر کچل دے اور وہ چاہتا تھا کہ سب جنہوں نے تکبر کیا" وہ جنہوں نے جھٹلایا" جنہوں نے اذیتیں پہنچائیں اور جنہوں نے محض برائے تکبر اس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے انکار کیا ان سب کے حق میں اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہوئی کہ ان سب کے مقابلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرے اور اپنی تائید سے آپ کو نوازے اور یہ بھی اس اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مشیت میں تھا کہ وہ لوگ اپنے اسی فخر و غرور کے نشہ میں سرمست رہیں اور تکبر کے آخری درجہ پر پہنچ کر قتل و ہلاکت کا سامنا کریں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابوجہل جنگ بدر کے دن ہلاک ہوا۔ نضر بن حارث اور دیگر متکبر' سرکش اور مغرور سرداران قریش کو بھی ہلاکت کا سامنا ہوا۔ اس منظر کی یہ کتنی ہی پیاری تصویر ہے کہ جنگ بدر کے دن کامیابی کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہ بدر کے دہانے کھڑے ہو کر مقتولین کی نعشوں کو پکارتے ہوئے

کہتے ہیں:

"کنویں والو! تم اپنے نبی کا کتنا برا خاندان تھے تم نے مجھے جھٹلایا، جب کہ دوسرے لوگوں نے میری مدد کی، تم نے مجھے ملک بدر کیا جب کہ دوسروں نے مجھے پناہ دی۔ تم نے مجھ سے لڑائی کی جب کہ دوسروں نے میری مدد کی۔ کیا تم نے اس وعدہ کو سچا پایا جو میرے رب نے تمہارے ساتھ کیا تھا میں نے تو وہ وعدہ جو میرے رب نے میرے ساتھ کیا تھا سچا پا لیا ہے"۔

مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائدین قریش، فخر اور متکبرین و مغروروں کے ایک گروہ کو ان کے نام لے لے کر پکارا اور فرمایا "ھل وجدتم ما وعدکم ربکم حقا" حاضرین نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ ایسی قوم کو پکار رہے ہیں جو اب مردار نعشیں بن چکی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ما انتم باسمع لما اقول منھم و لکنھم لا یستطیعون ان یجیبوا"

"جو کچھ میں ان سے کہہ رہا ہوں تم اس کو ان کی بہ نسبت زیادہ نہیں سن سکتے ہو البتہ ایک بات ہے کہ وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے"۔

اس طرح ان لوگوں نے اپنے تکبر و غرور کا بدلہ پا لیا اور انہوں نے اپنے اس فخر و تکبر کے نتائج بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیے قرآن کریم ان کی زبان اور ان کے شہر میں نازل ہوا تھا۔ اگر انہوں نے اس عظیم حقیقت کی قدر کی ہوتی تو وہ نہ تکبر کرتے اور نہ ہی کسی قسم کے غرور میں مبتلا ہوتے مگر انہوں نے تو وہی کچھ کیا جو کچھ شیطان نے کیا تھا۔ جس دن اللہ تعالیٰ نے اس کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا حکم دیا تھا اس نے انکار کیا۔ بڑائی چاہی اور کہنے لگا "انا خیر

سے "میں ان سے بہتر ہوں"۔ کاش اس معزز عہدہ میں ہم خود بھی عجز و انکساری اپنا سکیں اور اپنے بیٹوں کو بھی تواضع کی محبت سکھائیں اور انہیں اس حقیقت سے آگاہ کریں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند فرما دیتے ہیں۔

اے ابوھریرہ رضی اللہ عنہ
ہمیں معاف کیجیے

جس وقت ثقافتی میدان میں عقلی فضا چھا جاتی ہے جو فکر و ثقافت کے ساتھ علمی اسلوب کے ذریعے معاملہ کرتی ہے تو یہ ایک ایسا صحتمندانہ رویہ سمجھا جاتا ہے جو دنیائے فکر کو گہرائی اور وسعت سے روشناس کراتا ہے اور حیات عقلیہ جو پیہم زمانوں کے ساتھ متصل اور رواں دواں ہے اس کے آسمان سے وہ بادل چھٹ جاتے ہیں جن کی ظلمتوں نے ماضی کو تاریک بنا دیا تھا اور جن کے سائے میں علمی و عقلی ورثہ کی وہ چمک دمک اپنی ہر اس چیز کے ساتھ جس کو وہ تاریخ' حال اور مستقبل کے لیے پیش کر رہی تھی غائب ہو گئی تھی۔ امت اسلامیہ کی فقہی' علمی اور فکری ورثے کی تحقیق اور اس کا تجزیاتی مطالعہ کرنے والا ان علمی معارف اور خزینوں کا کھوج لگاتا ہے جو اس ورثہ کا شاخسانہ ہیں اور اپنے آغاز سے ہی تہذیب اسلامی کی تصویر' اس کی ترقی' اس کے جمود اور اس کے تحرک و بیداری کا مع ان طوفانوں اور مراحل جن کا اپنے ہر دور میں اسے سامنا رہا ہو۔ عکس پیش کر رہے ہیں اور عنقریب اہل عقل یہ ملاحظہ کریں گے کہ تہذیب کے اس اتار چڑھاؤ اور سیلاب کو ہمیشہ سے حتی کہ اس کے اپنے زمانہ عروج میں بھی پا بہ زنجیر کرنے والے پھسلاووں و بہلاووں کا سامنا رہا ہے۔ جن کا مقصد واحد اس کو تھام لینا یا اسے مسخ کر دینا یا کم از کم جو کچھ یہ پیش کر رہا تھا اس کا انتقام لینا تھا اور وہ حضرات واضح طور پر اس کا بھی مشاہدہ کریں گے کہ قدیم اسرائیلیات کے وقت سے لے کر جدید اسرائیلیات تک طعن و تشنیع کی ابتدا اسلامی تہذیب کے مآخذ اور بنیادوں پر سے شروع ہوئی اور عظیم لوگ اور علماء جو اس تہذیب کے سرخیل' اس کے ستون اور اس کے ترجمان تھے ان کو نقصان پہنچانے کی

کوششیں کی گئیں۔ پھر صلیبی جنگوں کے ذریعے اس کو بالکل زندہ درگور کر دینے کا تہیہ کر لیا گیا۔ فی الحقیقت ہر اسلامی کردار کا سرے سے انکار ہی مقصد تھا۔

عالم اسلام کی تیخ کنی اور مغرب کی طرف سے عیب جوئی کے عزم و پیمان کے بعد مغرب پر مسلمانوں کی فضیلت کے اعتراف کا شعور پیدا ہوا۔ وہ مغرب جس نے اس معاملہ میں ابھی تک نرم رویہ اختیار کر رکھا تھا اب ان لوگوں کے علاوہ جنہوں نے کینہ، حسد کی وجہ سے مسلمانوں کے کسی بھی کردار کی نفی کر دی تھی وہ لوگ بھی ظاہر ہوئے جو ان کی فضیلت و سبقت کو یونانی اور رومانی تہذیب کے نقل و ترجمہ کے دائرہ تک محدود کرتے ہیں۔ ایسے ہی وہ لوگ بھی منصہ شہود پر آئے جو کمزوریوں اور ہر قسم کے احساس کمتری اور کینہ سے ماورا تھے اور عدل و انصاف کے زیور سے آراستہ تھے انہوں نے مسلمانوں کی فضیلت کے اعتراف میں اس قدر غلو سے کام لیا کہ یورپ کو متمدن بنانے اور تاریک زمانوں اور اس کے اکھڑپن سے اسے صحیح تمدن و حضارت اور اس کے نور کی طرف منتقل کرنے کا ذمہ دار ہی مسلمانوں کو گردانا اور اس کا سہرا انہیں کے سر باندھا۔

اسلام کے خلاف ان کا یہ کینہ پرور کردار جاری و ساری رہا (حیرت کی بات تو یہ ہے کہ اسلامی دنیا اس وقت پستی و تنزل کی گہری نیند میں ڈوبی ہوئی تھی)

محض اس خیال سے کہ بظاہر اسلام ہی عالم اسلام کا استوار قوت ہے جس کی حدیں دور دراز تک پھیلی ہوئی تھیں اس کے خلاف کینہ کے بیج بو دیئے گئے۔ حتیٰ کہ یورپی طریقہ ہائے تعلیم و تربیت بھی اسی رنگ میں رنگے گئے۔ جنہوں نے صلیبی جنگوں سے ورثہ میں حاصل کردہ نفرت و کراہیت پر قانونی چھاپ لگا دی۔

اب یورپ اس سے نجات حاصل کرنے کی غرض سے اپنی بعض کوششوں کی تصدیق کرتا ہے۔ تاریخی طور پر جب ان کی ان کوششوں کا اس نفرت کے ساتھ امتزاج ہوا جو دین عیسوی کے لیے ان کے دلوں میں موجود تھی تو ان کا یہ خیال اور بھی پختہ ہو گیا کہ دین ہی ان کی پسماندگی، جمود اور ان کی ترقی و بیداری کے خلاف

ہے بلکہ ان کے خلاف عداوت رکھنے کا واحد ذمہ دار ہے۔ چنانچہ نتیجتاً یہ خبیث تصور اسی طرح کی دینی عداوت کی شکل میں ہماری ان اقوام اور ہمارے ان عوام میں بھی منتقل ہو گیا۔ جو اپنی لمبی نیند سے اب بیدار ہونے کے خواہاں تھے۔ ان کا مذکورہ بالا خیال اس بات کے پیش نظر تھا کہ وہ یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ دین نام کی ہر چیز ترقی و تمدن کے خلاف ہے۔ چنانچہ اسی لیے وہ تہذیب و تمدن کو پروان چڑھانے میں اسلام کے کردار سے نابلد رہے۔ مگر عیسائیت کے برعکس اسلام نے تہذیب و تمدن کی تعمیر و ترقی میں جو کردار ادا کیا اس سے انھیں کچھ غرض نہ تھی انھوں نے اسلام اور مسیحیت میں کوئی فرق روا نہ رکھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سطحی اور حسی اثرات اتنے گہرے ہوئے کہ بہت ساری شخصیات جنہوں نے اپنی تعلیم یورپ میں حاصل کی تھی ان کی رگ و پے میں رچ بس گئے اور پھر لطف کی بات یہ ہے کہ یہی شخصیات تعلیمی، ثقافتی، قانونی اور اقتصادی تحریکات کی قیادت کا بیڑا اٹھانے کے لیے یورپ سے اپنے وطن واپس آ گئیں۔ اور ان میں سے بعض وہ سامنے آئیں جن کا نظریہ یہ تھا کہ اسلام کو ایک جانب پھینک دیئے بغیر عالم اسلام کی ترقی ممکن نہیں یا اس مقصد کے حصول کے لیے اسلام کو کم از کم عملی زندگی سے تو ضرور معزول کر دینا چاہیے۔ اور ان میں سے چند ایک کا عقیدہ تو یہ تھا کہ اہل مغرب کے طریق اور تہذیب کی پیروی لازم ہے خواہ وہ اچھے ہوں یا برے، موافق ہوں یا غیر موافق۔ مغاربہ بلاد اسلامی پر ہمیشہ فوجی قبضہ قائم رہنے کی مشکل کا پتہ دیتا ہے۔ اسی لیے منصوبہ بندی ان عقول پر غلبے کے ذریعے سے ہی افکار کی دنیا میں اپنے قبضہ کو ہمیشہ قائم رکھنا چاہتی ہے۔ وہ عقول جو حقیقتوں کو مسخ کرتے ہوئے اور اسلام دشمن طاقتوں کا روپ دھارتے ہوئے سامراجی طاقتوں کی محبت اور غلامی کا دلوں میں شوق پیدا کر دیتی ہیں اور اس منصوبہ بندی کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا جب تک اسلام کو کمزور نہ کیا جائے اور اس کی نشانیوں اور ارکان کو منہدم نہ کر دیا جائے اور یہ سلسلہ طعن و تشنیع عیسائی خرافات اور اساطیر کے قدیم ادوار سے لے کر جدید زمانے تک برقرار رہا اور اس طعن و طنز اور مضحکہ خیزی کا

نشانہ اسلامی سرچشمے اور ان کی شاخیں تھیں۔ بایں صورت فکری اختیار، علمی دعوے، آزادیٔ رائے، تنقید، علمی تحقیق اور اس قبیل کی دیگر چیزیں اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوششوں کے سلسلہ میں عصر حاضر کے اہم حربے اور چالیں ہیں۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسرائیل کی جانب سے فلسطینی اور لبنانی اقوام پر آخری کھلم کھلا ظلم اور دست درازی نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ جنگ دراصل قلع قمع، انکار کینہ اور دائمی عداوت کے مختلف طریقوں کا نام ہے۔ اگر غیر معمولی توجہ دے کر ان کی ترکیب و ترتیب کا اعادہ کیا جاتا ہے تو وہ اس لیے نہیں کہ موجودہ دور کی بھونڈی اور بچی کچی عبارات کے پردہ میں ان کو چھپایا جائے بلکہ اس لیے کہ قتل، بربادی، تخریب اور بے رحم و کمال پست و نابود کرنے کے ضمن میں ٹیکنالوجی کے فیضان اور اس کے ثمرات سے واضح استعمال میں لا کر مستفید ہوا جائے۔ یہ آج کی اور یہ وحشیانہ قتل و غارت ان حوادث اور حقائق کو بیان کرتے اور ان سے پردہ اٹھاتے ہیں جن کو مہذب دنیا خوشی اور جوش یا تنقیدی عبارات یا محض خالی خولی انکار ناپسندیدگی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ دیکھ رہی ہے۔ اب ہم اسلام پر حملہ آور ہونے کی خاطر موجودہ زمانے کے پوشیدہ ہتھکنڈوں اور چالوں کا دوبارہ ذکر چھیڑتے ہیں۔ اس گفتگو میں ہم ایک ایسا نمونہ پیش کرنا چاہتے ہیں جس کی اصل میں صاحب مرتبت اور عظیم ہستیوں کی کردار کشی ان کی تنقیص اور ان پر طعن و تشنیع کی کوشش کی ایک عملی مثال اور اس کے خطرناک آثار بیان کریں گے۔ پہلے پہل یہ واضح امر ہے کہ جب کوئی قوم اپنے دشمنوں کی طرف سے اس کے ہیروؤں اور عظیم ہستیوں کو زک پہنچانے کے لیے طرح طرح کے حیلوں اور فریب کاریوں کا سامنا کرتی ہے تو وہ ان کے دفاع کے لیے سینہ سپر ہو جاتی ہے۔ یہ اقدام ہر میدان میں اس امت کے جہاد، اس کے تاریخی آثار، اس کی فکر اور اس کے ارتقاء کی علامات بن جاتے ہیں اور یہ کارروائی بذات خود ذات سے دفاع اور اس کی بنیادی قدروں سے تمسک اور اس کی قدردانی کا نام ہے اور اس قسم کی کوئی بھی کوشش یک ایسے شعور کی رو

عمل پیدا کرتی ہے جس کا محرک دشمنوں کے مقاصد سے آگاہی ہوتا ہے۔ مگر امت کے خلاف اس قسم کی مذموم کوششیں جب اس کے اندر سے اور اس کے اپنوں کے ذریعے سے بروئے کار لائی جاتی ہیں تو یہ بہت زیادہ خطرناک اور مہلک ہوا کرتی ہیں اور ایک متعدی بیماری کی طرح قوموں میں سرایت کر جاتی ہیں۔ عام طور پر عوام لوگ اپنے بھائیوں (ہم قوموں) سے نہ تو خوف زدہ ہوتے ہیں اور نہ ہی ان سے خیانت کی توقع رکھتے ہیں اور جب تک اپنے دشمنوں سے امن میں رہیں اس وقت تک وہ اپنے ماضی، حال اور مستقبل کو محفوظ سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر بسوئے اتفاق دشمن ان کے اپنوں سے ہی پیدا ہو جائے تو اس سے آگہی حاصل کرنے کے لیے وقت درکار ہوا کرتا ہے۔ جیسا کہ اعیاذاً باللہ کسی خطرناک بیماری کی صحیح تشخیص اور اس کے علاج کے لیے وقت درکار ہوتا ہے۔ مناسب وقت ہاتھ سے نکل جانے سے پیشتر بیداری اور معاملہ بینی میں جس قدر تندی و تیزی اور پختگی ارادہ ہوگی اسی قدر امید بھی ہوگی۔ یہی وہ چیز تھی جس کا امت مسلمہ کے دشمنوں نے ادراک کر لیا تھا۔ اسی وجہ سے انہوں نے اس کے اندر سے ہی اس پر حملہ آور ہونے کی ٹھان لی اور ایسے عناصر کا سہارا لیا جن کی عقلوں اور ارادوں پر ان کو مکمل غلبہ حاصل ہو چکا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ یہ عناصر بطور ان کے نائبین کے ان کے اس طے کردہ عمل کو سر انجام دینے کا بیڑا اٹھائیں۔ میں اس مسئلہ کو عملی شکل میں پیش کرنے اور اس کی وضاحت کے لیے عنقریب ایک ہی مثال بیان کروں گا۔

یہ ہیں وہ صحابی جلیل اور مرد صالح جن کو ابو ہریرہؓ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ سنت نبویہ علی صاحبہا السلام کی انتہا درجہ محافظت پر حریص ہونے کے باعث کوئی بھی مسلمان ایسا نہیں جو اس یکتائے دوراں عالم کی فضیلت کا معترف نہ ہو اور اس کے ساتھ ساتھ یہ وہ ہستی ہیں جو صدق ایمان، تقویٰ مومن، اخلاق اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تلقین کردہ آداب و اخلاق کے ساتھ آراستہ و پیراستہ ہونے اور پرہیزگاری و تقویٰ کے اس درجہ پر فائز ہیں کہ اصحاب صفہ کے حق میں

قرآن کریم کی اس آیت "**یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف**" کے بعد بڑا کوئی درجہ ہے ہی نہیں۔ صحابہ کرام میں سے کسی کو بھی اس قدر دشنام طرازی، طعن و تشنیع اور جامہ تلاشی کا سامنا نہیں ہوا۔ جس قدر حضرت ابو ہریرہؓ کو ہوا۔ یہاں تک کہ معاندین میں سے بعض نے تو کوئی معیوب اور دل آزار قول تک بھی نہ چھوڑا جو ان کی ذات پر چسپاں نہ کیا ہو اور ان کی عزت کو مجروح کرنے کی کوشش نہ کی ہو۔

یہ ظالمانہ حملے عظام اور اس جیسے لوگوں کے وقت سے ان پر کیے جا رہے ہیں اور قدیمی ہیں۔ ان کے حملوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ابن قتیبہ رحمتہ اللہ علیہ کو مقرر فرمایا۔ یہ وہ شخصیت ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی خدمت کا کام لیا۔ جو "تاویل مشکل القرآن" کی صورت میں ہمارے سامنے آئی۔ اسی طرح انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی خدمت کے پیش نظر "تاویل مشکل الحدیث" نامی کتاب لکھی۔ جس میں انہوں نے محدثین اور خصوصاً حضرت ابو ہریرہؓ کا دفاع کیا ہے اور ان سے جاہلین اور دشمنان دین کے شر اور مکارانہ چالوں اور اعتراضوں کو دور کیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ان جیسے قدماء حضرات اور اسلاف نے اس جذبہ اور ان بنیادی خیالات کا پردہ چاک کیا ہے۔ جن کو ان کینوں اور عداوت اسلام نے پروان چڑھایا۔ جو کینے اور عداوتیں بعض زندیقوں کے دلوں میں گڑے ہوئے تھے۔ پھر مستشرقین نے ان میں پھونک بھری۔ بعد ازاں اس کینہ پروری کی راہ پر وہ لوگ چل نکلے ہیں جو فکری جنگ تقلید اور نقص جدل کے محاورہ کے اسیر (پابند) ہیں۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے اس حد تک ظلم و زیادتی کا ارتکاب کیا ہے کہ اس نے براہ تمسخر آپ کو "شیخ المضیرۃ" کے نام سے موسوم کیا ہے۔ مگر اس کی تحقیر شان کے پیش نظر ہمیں اس کا نام لینا بھی گوارا نہیں۔ کوئی شخص ہرگز ہرگز یہ گمان نہ کرے کہ بعض اشخاص کی طرف سے حضرت ابو ہریرہؓ پر جو یہ رکیک حملے ہوئے ہیں، ہماری طرف سے ان کا ذکر اشاعت و تشہیر کی غرض سے ہے۔ حاشا وکلا بے شک جو شخص اس قدر اعلیٰ مرتبت اور بلند و بالا قدر و منزلت کا

مالک ہو اس طرح کے خرافات اور اباطیل، اس کی خاک پا تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔ ہماری یہ خواہش ہے کہ نوجوان خصوصی طور پر یہ جان لیں کہ علم کے نام پر یا آزادی رائے اور اس قبیل کی دیگر چیزوں کے نام، طعنہ زنی محض ایک جھوٹی اور بناوٹی پردہ پوشی ہوتی ہے جو عداوت اسلام کو اپنے اندر چھپائے ہوئے ہوتی ہے۔ انسان جو بھی ہو اور جیسا بھی ہو کیا اس کے لیے یہ عیب کی بات ہے کہ کسی کھانے کی رنگت اور شکل اسے بھلی معلوم ہو کیا ہوا اگر ابوہریرہؓ کو "مضیرہ" پسند آگیا۔ مضیرہ ہے کیا؟ یہ شوربا کی ایک قسم ہے جس کی کھٹے دودھ کے ساتھ آمیزش کر دی جاتی ہے اور کبھی کبھی اس میں تازہ دودھ بھی ملا دیا جاتا ہے۔ بھلا اس کا بھلا لگنا کوئی عیب کی بات نہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ دشمنی اور بغض رکھنے والوں کا افسانہ ہو۔ جب وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ کھانا تو حضرت معاویہؓ کے ساتھ کھاتے تھے مگر جب نماز کا وقت ہوتا تو نماز سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پیچھے پڑھتے تھے۔ ایک دفعہ جب اس بارے میں آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ "مضیرہ" حضرت معاویہؓ کا زیادہ چکنائی والا اور زیادہ اچھا ہوتا ہے۔ مگر نماز حضرت علیؓ کے پیچھے افضل ہے۔ یا وہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ نماز حضرت علیؓ کی جماعت میں پڑھتے تھے اور کھانا حضرت معاویہ کی جماعت میں کھاتے تھے۔

جب صفین کی لڑائی کے موقع پر جنگ کا بازار گرم ہوا آپ ایک پہاڑ کے ساتھ لگ گئے اور فرما رہے تھے:

علیؓ اعلم و معاویہؓ ادسم و الجبل اسلم

"علی کرم اللہ وجہہ زیادہ علم والے، معاویہ رضی اللہ عنہ کا مضیرہ زیادہ چکنائی والا ہے اور پہاڑ زیادہ سلامتی والی جگہ ہے"۔

یہ نہ تو کوئی کلام ہے اور نہ ہی علمی تنقید، ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ ابوہریرہؓ کے لیے یہ کیسے ممکن ہوا کہ وہ مضیرہ تو شام میں کھائیں اور نماز حضرت علیؓ کے پیچھے

عراق میں پڑھیں اور سکونت پذیر حجاز میں ہوں۔ تو پھر یہ کیسے ان سے ہو سکا کہ وہ ایک ایسی لڑائی میں جس میں وہ شریک ہی نہیں ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ لڑنے والے شخصوں کے ساتھ بیک وقت بنا کے رکھیں۔ بصورت دیگر اگر شریک ہوتے بھی تو ایسا کرنا ان کے لیے کیسے ممکن ہوتا۔

یہ مسئلہ نہ تو تنقیدی ہے اور نہ ہی کسی قسم کی علمی بحث پر مبنی ہے۔ بلکہ یہ تو جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک صحابہ پر طعنہ زنی کے روپ میں ہے۔ اگر ایسا ہو تو پھر تو یہ اسلام کو منہدم کرنے کی ابتدائی کوشش ہے اور اس میں ذرا بھر بھی مبالغہ نہیں۔ اسلام نے بلاشبہ ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم ان صحابہ کرام کا احترام کریں جنہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل ہوا ہے اور وہ سب کے سب ثقہ ہیں۔ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر عملاً جھوٹ نہیں بولتے اور ان کے لیے اچھائی اور بہتت (فضیلت) قرآن کریم سے ثابت ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کنتم خیر امۃ اخرجت للناس

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

والسابقون الاولون من المہاجرین و الانصار

مذکورہ بالا آیت سب صحابہ کو شامل ہے

ہمیں جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی ہے کہ ہم صحابہ کرام کے شرف اور ان کے مقام و مرتبہ کو پہچانیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

> میرے صحابی کو گالی نہ دو، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کر ڈالے تو پھر بھی ان میں سے کسی ایک کے خدا کی راہ میں خرچ کیے گئے ایک مد یا اس کے نصف کے

برابر بھی نہیں پہنچ سکتا"۔

اور فرمایا:

"میرے صحابہ کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔ میرے بعد ان کو نشانہ نہ بنا لینا۔ جو ان سے محبت کرتا ہے وہ محض میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ محض میرے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بھی بغض رکھتا ہے۔ جس نے ان کو تکلیف پہنچائی بے شک اس نے مجھے تکلیف پہنچائی اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی اس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف دی اور جس نے اللہ کو تکلیف دی تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی گرفت کرے"۔

صحابہ میں سے کسی ایک پر حملہ صحابہ کے اس حصار محبت و شرف کو منہدم کرنے کے مترادف ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے قائم فرمایا۔

اس سے تو پھر دیگر صحابہ پر ٹوٹ پڑنے اور زبان طعن و تشنیع دراز کرنے کا دروازہ بھی کھل جاتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے اور تیسری یہ کہ ان کی طعن و تشنیع اور تنقیص کا یہ سلسلہ اس سنت رسول علی صاحبہا السلام تک بھی پہنچتا ہے۔ جس کی نقل و روایت انہوں نے ہم تک کی ہے۔ جب سنت کو اس کے راویوں اور ثقہ حضرات پر طعن کر کے منہدم کر دیا گیا تو پھر اسلام کی دوسری بنیاد بھی گر گئی اور سنت تو قرآن کی شرح کرنے والی، اس کی وضاحت کرنے والی اور اس کی قانون سازی کی ذمہ دار ہے۔ بے شک جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب تعالیٰ کی کتاب ہم تک پہنچائی اور جو کچھ ان پر اتارا گیا تھا ان کی ان حضرات سے وضاحت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر اپنی کتاب اتاری اور اس کے ساتھ حکمت بھی نازل کی۔ یعنی سنت بھی قرآن کریم کی طرح آپ پر اتاری گئی۔

جیسا کہ محدث الشیخ الب[illegible] نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ

جب معاندین نے حافظین حدیث اور اس کے ثقہ رواۃ ناقلین اور ان یگانہ روزگار محققین جنہوں نے حفاظت و صیانت حدیث کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دی تھیں میں سے بلند مرتبت شخصیات کی تنقیص کی تو بے شک انہوں نے قرآن و سنت کے ابطال کے لیے ہمارے گواہوں کی تنقیص کی۔ جناب شیخ ابو شہبہ نے اپنی مستند کتاب "دفاع عن السنۃ" میں کیا ہی خوب محققانہ بات کی ہے۔ جب کہ انہوں نے امام ابو زرعہ الرازی کا مقالہ نقل کیا جس میں وہ لکھتے ہیں:

"جب تو کسی ایسے شخص کو دیکھے جو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان گھٹاتا ہے۔ تو جان لے کہ وہ مرتد ہے اور یہ اس لیے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برحق ہیں۔ قرآن اور جو کچھ آپ لائے ہیں برحق ہیں اور یہ سارا کچھ ہم تک صحابہ کرام نے ہی پہنچایا ہے اور یہ لوگ تو چاہتے ہیں کہ کتاب و سنت کو باطل کرنے کے لیے ہمارے ان گواہوں پر طعن و تشنیع کریں۔ در حقیقت طعن و تشنیع تو ان کا طرہ امتیاز اور ان کے زیادہ لائق ہے کیونکہ وہ مرتد ہیں۔ یہ کچھ عجیب نہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے پہلی بار حضرت ابوہریرہ کی شخصیت پر اپنے حملے سے ابتداء کی دوسری بار ان احادیث پر حملہ کیا جو انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیں اور سہ بارگی وہ بذات خود سنت پر حملہ آور ہوئے اور اس میں شکوک و شبہات پیدا کیے۔ پھر جب [illegible] اہل السنۃ کی طرف پلٹے تو اس کے معتقدات کو ضعیف خیال کیا اور اس قسم کی حماقت جہالت اور بے اصلی کا اظہار کیا تو کھل کر سامنے آ گئے۔ تو پھر اس میں کچھ اچنبے کی بات نہیں کہ اگر صرف ایک ہالنڈ کی بجائے بہت سارے مستشرقین کی زبانوں پر ان حملوں کے الفاظ گونج رہے ہوں اور ان کا سرگروہ کوئی یہودی ہو تاکہ اسرائیلیات قدیمہ اور اسرائیلیات جدیدہ کا آپس میں ربط رہے۔ خواہ نام مختلف ہی کیوں نہ ہوں۔

یہ سارے کے سارے بھول گئے یا انہوں نے بھول جانے کا بہانہ بنایا جیسا کہ محمد زیان عمر کہتے ہیں کہ عظمت اسلامیہ جناب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محض نقل روایت کے جذبہ
سے متاثر نہیں تھی بلکہ ان کا اصل مقصد حدیث کی تحریف سے
حفاظت تھی اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن تھا کہ روایت
کے قوانین کا اہتمام کیا جاتا اور کم سے کم روایت کرنے کے
اصول کو اپنایا جاتا اور اس میں خوب تحقیق کی جاتی اور اسی
سبب سے راویوں کے علم کا آغاز ہوا جسے جرح و تعدیل کے علم
سے یاد کیا جاتا ہے، وجود میں آیا۔ جس کو مصطلحات حدیث کے
علم کے لیے ریڑھ کی ہڈی کہا جاتا ہے اور یہ سند (سلسلہ
راویان) کے مطالعہ کے ذریعے ہی ممکن تھا اور سند سے مراد وہ
محدثین حضرات ہیں جنہوں نے یکے بعد دیگرے جناب سیدنا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک حدیث پہنچائی"۔ (کتاب "
دراسات تاریخیہ ص ۲۰ اور اس کے بعد کے صفحات)

راویوں کی جرح و تعدیل کے میزان کی بنیاد پر اصطلاح حدیث کے علم نے متن
کی صحت کی تحقیق کے لیے کوئی شرائط وضع کی ہیں۔ جرح و تعدیل کے میزان سے
مراد ان پر جرح کرنا ان کی کج روی یا ان کی عدالت و استقامت کا اثبات مقصود
ہے نیز متن کا اسی طرح کا امتحان لینے کے لیے بھی مختلف شرائط ہیں۔ کہ کیا یہ متن
نصوص قرآنیہ سے موافقت رکھتا ہے یا کیا یہ روح اسلام کے مخالف تو نہیں یہ شرائط
واقعات کی درستگی کو ثابت کرنے کے سلسلے میں جدید مورخین کے طریقہ ہائے کار کی
بہ نسبت زیادہ محکم و مستند (شرائط ہیں) ان جدید مورخین کے طریقہ ہائے کار کا دار
ومدار خود مورخ کے اجتہاد اس کے فلسفہ اور ان معیارات اور ان بنیادی اصولوں پر
ہوتا ہے جس پر وہ خود ایمان رکھتا ہو۔ حتیٰ کہ یہ کہنا ممکن ہے کہ تاریخ کی کتابت کا
نئے سرے سے اعادہ ممکن ہے۔ مگر نتائج اور ثمرات مختلف ہوں گے۔ کیونکہ ایسے
واقعات جنہیں دوام حاصل ہے ان کی مختلف تفسیریں کی جاسکتی ہیں۔ بشرطیکہ کہ انہیں

نئے اسلوب میں پیش کیا جائے اور ایک ایسے دائرہ کار (Frame Work) کے اندر
ان کی حفاظت کے عمل کو دہرایا جائے جو مورخین کی نظر و فکر میں اختلاف کے
باعث مختلف ہوگا۔ جہاں تک علم حدیث' اس کے راویان اور اس کے متون کی صحیح
کا تعلق ہے تو معاملہ مختلف ہے۔ جہاں تک روایت کا تعلق ہے تو اس کو تو اسناد
(سلسلہ راویان) اور قانون جرح و تعدیل محکم بناتا ہے اور یہ بہت سخت اور منصفانہ
قانون ہے۔ اس کے ذریعے بغیر ثبوت کے کسی کی تنقیص نہیں کی جاتی اور نہ ہی بغیر
استحقاق کے کسی کو ثقہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ صحیح روایت صحیح متن تک پہنچاتی ہے۔
لیکن علم حدیث محض اسی پر اکتفا نہیں کرتا۔ بلکہ نص پر بھی حکم لگاتا ہے اور متن کو
اس کے مضمون کے ذریعے نص قرآنی سے اتفاق یا انحراف کی بنا پر پرکھتا ہے۔ وہ
قرآن جس کی طرف باطل راہ نہیں پاسکتا یا پھر روح اسلام سے اتفاق یا انحراف کی
بناء پر جیسا کہ مسلمانوں کے عظیم القدر اور ثقہ علماء نے سمجھا ہے اور اسے اپنی رگ
و پے میں سمویا ہے۔ جب ہم حضرت ابوہریرہؓ کی شخصیت کو اپنا مطمح نظر بنائے ہوئے
ہیں جو ایک صحابی جلیل ہیں تو پھر ضروری ہے کہ ہم قرآن کریم کی بہت ساری آیات
کی طرف بھی اشارہ کریں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے ثقہ ہونے کا
پتہ دیتی ہیں۔ ان آیات کا صحابہ کرام کی طہارت و تقویٰ پر اجماع ہے اور ان کی
نزاہت اور ثقاہت پر فیصلہ کن موقف ہے۔ صحابہ کرام کی ثقاہت کی اللہ تعالیٰ کی
طرف سے گواہی کے بعد جو ان کی نیات سے بھی مطلع ہے کسی اور کی گواہی کی
ضرورت نہیں۔ ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ صحابہ کرام کے بارے میں شک و شبہ
پیدا کرنا خواہش نفس پر مبنی فعل ہے اور یہ ان کی طرف سے احادیث کے اسناد اور
متن میں چھان بین یا انہیں اسلامی طریقہ ہائے کار کے مطابق پرکھنے کی بنا پر نہیں۔
پھر کیا یہ بھی عجیب بات نہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ کی محض اس بنیاد پر گرفت کی جائے
کہ انہوں نے بکثرت روایت کی بقیہ بن مخلد کی مسند پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴)
ان احادیث پر مشتمل ہے جو ابوہریرہؓ کی روایت سے ہیں۔ ہاں ہاں' بے شک یہ چیزیں

جس قدر روایت کی گئیں اسی قدر دشمنان اسلام کی دشمنی کو ابھارتی ہیں۔ اس صورت حال کے پیش نظر ہم پر فرض ہے کہ ہم دو باتوں پر خاص طور پر زور دیں جو اس تہمت کو بے فائدہ اور لغو بنا دیں یا اسے ایک ایسی سازش ثابت کریں جو محض خواہشات نفسانی پر قائم ہے۔

ان میں سے پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہؓ کی نسبت زیادہ قریب رہتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ تیمی میں پلے بڑھے اور مسکینی کی حالت میں یمن سے ہجرت کی، عمر بھر کنوارے رہے۔ لہذا لگاتار تین سال جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان اور مصاحب رہے۔ ان حالات کے پیش نظر یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ ان کو روایت حدیث میں وافر حصہ ملا ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اکثر ان سے کہا کرتے تھے "اے ابوہریرہؓ آپ ہم سب سے بڑھ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کو لازم پکڑنے والے اور ہم سب سے زیادہ آپ کی احادیث کے عالم ہیں" اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر ہم (جیسا کہ پروفیسر محمد ضیاء الرحمن الاعظمی اپنی ایک مستند کتاب میں لکھتے ہیں) ان احادیث کو ان دنوں پر تقسیم کریں جن دنوں میں ابوہریرہؓ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے تو ہمیں یہ معلوم ہو جائے گا کہ وہ روزانہ جو کچھ آپ سے سیکھتے تھے اس کا تناسب یومیہ ایک حدیث یا نصف حدیث بنتی تھی۔ جن میں صحیح اور ضعیف دونوں قسم کی احادیث شامل ہیں اور یہ تناسب بڑی حد تک معقول ہے۔

ان مذکورہ بالا دونوں باتوں کی روشنی میں ہم یہ ملاحظہ کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ پر کثرت کے ساتھ احادیث روایت کرنے کی تہمت بے سند اور بے بنیاد ہے۔ اگر کثرت روایت صحیح بھی ہو تو پھر بھی اس میں نہ کوئی اچنبے کی بات اور نہ خوف زدہ ہونے کی۔

اس پر مزید ہم یہ کہتے ہیں۔ احادیث کا وافر حصہ جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی

ہے اور ان کی طرف منسوب ہے وہ دیگر راویوں سے بھی منقول ہے جہاں تک صحیح احادیث کا تعلق ہے جن کی روایت میں ابوہریرہؓ منفرد و ممتاز ہیں وہ تقریباً دو سو بیس سے متجاوز نہیں۔ تو پھر کیا مذکورہ احادیث کی یہ تعداد بھی ابوہریرہؓ پر کثرت روایات کا الزام سچا ثابت کر سکتی ہے۔ جب اس قدر روایت سے کثرت روایت کا الزام ہی ثابت نہیں ہو سکتا تو چہ جائیکہ یہ کہا جائے کہ کثرت روایت کا یہ عمل کسی قسم کے مبالغہ، غرض، طبعی میلان یا خواہش نفسانی کا آئینہ دار تھا۔ اب ملاحظہ کیجئے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اس شہادت کا جو حضرت ابوہریرہؓ کے روایت حدیث میں والہانہ طرز عمل اور ان کی امانتداری کی بابت ہے۔

ایک بار ان سے پوچھا گیا کہ کیا ابوہریرہؓ کی کثرت روایت کو آپ بہ نگاہ ناپسندیدگی دیکھتے ہیں؟ فرمایا "بات یہ نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے تو اس سلسلہ میں سبقت کی اور ہم پیچھے رہ گئے"۔

ہمارے نزدیک اہم و اصل چیز صحت حدیث ہے۔ نہ کہ اس کی عددی کثرت۔ بلاشبہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے ہم پر بڑا احسان ہے کہ اس نے حضرت ابوہریرہؓ جیسی ایک شخصیت کو اس عظیم کام کے لیے وقت نکالنے کی توفیق بخشی۔ جب کہ دیگر صحابہ اس وقت تجارت یا دیگر کاموں میں مصروف رہتے تھے۔ آیئے اس سلسلہ میں بخاری و مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ سے جو کچھ روایت کیا ہے اسے بغور سنیں اور ہم اس بات پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتے ہیں کہ اس مسئلہ نے صحابہ کے زمانے میں سر اٹھایا۔ مگر اسے ٹال دیا گیا۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ ہمارے اس زمانے میں اس کا جواب دیا جائے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ بارہا یہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر قرآن کریم میں یہ درج ذیل دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں کوئی حدیث بیان نہ کرتا۔

ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینٰت والهدی من

بعد ما بیّناہ للناس فی الکتاب اولئک یلعنہم اللہ و یلعنہم اللاعنون الا الذین تابو و اصلحوا و بینو فاولئک أتوب علیہم و أنا التواب الرحیم

"بے شک وہ جو ہماری اتاری ہوئی روشن باتوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں بعد اس کے کہ لوگوں کے لیے ہم اس کتاب میں وضاحت فرما چکے ہیں ان پر اللہ کی لعنت ہے اور لعنت کرنے والوں کی لعنت مگر وہ جو توبہ کریں اور سنوار دیں اور ظاہر کریں تو میں ان کی توبہ قبول فرماؤں گا اور میں ہی ہوں توبہ قبول کرنے والا مہربان"۔

بے شک ہمارے مہاجر بھائی بازاروں میں خرید و فروخت میں مصروف رہتے اور ہمارے انصار بھائیوں کو اپنے مال و اموال کی تجارت مصروف کیے رہتی۔

مگر ان کے برعکس ابوہریرہ سائے کی طرح اپنے پیٹ کی تسکین کے لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لگے رہتے۔ یہی سبب ہے کہ آپ وہ کچھ پیش کر سکتے تھے جو دیگر صحابہ نہیں کر سکتے تھے اور وہ کچھ یاد رکھتے جو انہیں یاد نہیں تھا۔ مسلمان جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک کی تحقیق کے سلسلہ میں بہت تحقیق اور باریک بینی سے کام لیا کرتے تھے اور اس میں ذرہ بھر بھی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ مثال کے طور پر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے جب کہ انہوں نے ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سنی۔ یہ مطالبہ کیا کہ وہ اپنے ساتھ کوئی گواہ لائیں جو یہ گواہی دے کہ انہوں نے یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ ان سے یہ بھی فرمایا کہ "اے ابوموسیٰ سنو میں تم پر تہمت نہیں لگا رہا ہوں چونکہ یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا معاملہ ہے اس لیے آپ سے یہ کہہ رہا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ مروان نے بھی اسی طریقہ کار کے

مطابق عمل کیا تھا"۔ یہ سب کچھ ابو ہریرہؓ کی شخصیت میں شک کی وجہ سے نہیں بلکہ اسی لیے کہ یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا معاملہ ہے۔ قصہ یوں ہے جیسا کہ مروان کا کاتب بیان کرتا ہے کہ ایک دفعہ مروان نے حضرت ابو ہریرہؓ کو بلا بھیجا اور ان سے باتیں کرنے لگا اور مجھے اپنی چارپائی کے پیچھے بٹھا دیا تاکہ جو کچھ ابو ہریرہؓ کے منہ سے نکلے میں وہ لکھتا جاؤں۔ میں نے سب کچھ لکھ لیا۔ ایک سال بعد مروان نے ان کو دوبارہ بلا بھیجا اور ان سے ان باتوں کے بارے میں پوچھا جو ایک سال پہلے ان سے کہی تھیں اور مجھے حکم دیا کہ میں غور کروں کہ وہ کیا بتاتے ہیں۔ چنانچہ من و عن انہوں نے وہی باتیں سنا دیں اور ایک حرف کی بھی ان میں تبدیلی نہیں کی۔ کیا ہی یہ امتحان تھا اور کیا ہی یہ تحقیق تھی؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابو ہریرہؓ سے فرمایا کرتے تھے آپ ہم سب سے بڑھ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے والے اور ہم سب سے زیادہ آپ کی حدیث کی معرفت رکھنے والے ہیں۔ حضرت امام شافعی سے اللہ راضی ہو۔ فرماتے ہیں:

"ابو ہریرۃؓ أحفظ من روی الحدیث فی عصرہ" (ابو ہریرہؓ اپنے زمانہ کے تمام راویان حدیث سے زیادہ حدیث کے حافظ تھے) یہ قبیلہ دوس کا وہ لڑکا تھا جو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے مشرف بہ ایمان ہوا۔ جب آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے ایک ایسے علم کی دعا کی تھی جو بھلایا نہ جائے۔ حضرت ابو ہریرہؓ اپنی ماں کے ساتھ انتہا درجہ نرمی کرنے والے اور ان کے فرمانبردار تھے۔ یہی وہ چیز ہے جو ان کے ایمان و اخلاق کی گہرائی کا پتہ دیتی ہے۔ ابو مرۃ مولیٰ عقیل سے مروی ہے کہ مروان اکثر اوقات حضرت ابو ہریرہؓ کو اپنی نیابت سونپ دیتا تھا اور حضرت ابو ہریرہؓ ذوالحلیفہ میں ہوتے تھے۔ ان کی ماں ایک مکان میں رہتی تھیں اور وہ خود دوسرے میں۔ راوی کہتے ہیں کہ جب ابو ہریرہؓ باہر جانے کا ارادہ کرتے تو دروازے پر کھڑے ہو کر کہتے السلام علیک یا اماہ و رحمۃ اللہ و برکاتہ (اے ماں تجھ پر سلامتی ہو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو اس کی برکت ہو) وہ جواب میں کہتیں و علیک یا بنی و

رحمتہ اللہ و برکاتہ (اے میرے بیٹے تجھ پر سلام ہو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو اس کی برکت ہو) وہ جواب میں کہتے **رحمک اللہ کما ربیتنی صغیرا** (اللہ تعالیٰ تجھ پر ایسے رحم کرے جیسے تو نے بڑے رحیمانہ اور مشفقانہ انداز میں بچپنے میں میری پرورش کی ہے) وہ پھر جواب میں کہتیں **رحمک اللہ کما بررتنی کبیرا** (اللہ تعالیٰ تجھ پر ایسے رحم کرے جیسے تو نے بڑا ہو کر میرے ساتھ احسان کیا۔ بعد ازاں جب کبھی بھی وہ اپنی ماں کی زیارت کے لیے آتے تو ایسے ہی کہتے **(الادب المفرد للبخاری)**

بیان کیا گیا ہے کہ ایسا آپ اللہ تعالیٰ کے اس قول مبارک **"وقل رب ارحمہما کما ربانی صغیرا"** کے نازل ہونے کے بعد کیا کرتے تھے۔ کیا یہ حضرت ابوہریرہؓ کا دفاع ہے؟ خدا ہرگز نہیں۔ وہ اس سے کس قدر بے نیاز ہیں یہ تو فقط قدیم و جدید کے حق میں لمحہ فکریہ ہے۔ اس کے بارے میں دل سے یہ حقیقت محو نہیں ہوتی کہ بعض عقول پر تسلط حاصل کر لینا اور انہیں اسرائیلیات قدیمہ اور جدیدہ کی خدمت میں لگا دینا عظیم اور بلند مرتبت شخصیات کوئی خفیہ نشانہ بنانا نہیں ہے بلکہ نشانہ اس کو بنانا ہے جو وہ پیش کرتے ہیں۔ تاکہ ذاتی و فکری احساس شکست خوردگی پیدا ہو۔ ارکان دین منہدم ہو جائیں' امت کا اپنی ذات اور اپنی تاریخ میں اعتماد متزلزل ہو جائے اور ماضی کی یادوں سے محو ہو جانے کے بعد اس کے بنیادی قواعد و اصولوں کا اختلاف و انتشار اور حل پذیر ہونا پایہ تکمیل کو پہنچ جائے۔ وہ امت جس کی نہ مضبوط بنیادیں ہوں' نہ اس کی اپنی کوئی ثقافت ہو' نہ اصول ہوں اور نہ ہی کوئی عقیدہ ہو وہ تباہ شدہ امت ہے اور ایسی امت کا کوئی مستقبل نہیں ہوتا۔ اس طرح کی امت ایک ایسے مجاہد کی سی شخصیت میں ڈھل جانے کے قابل ہوتی ہے جس نے اپنا تشخص مٹا دیا ہو اور اس کے باوجود فقط یہی انتہا نہیں بلکہ:

و لن ترضی عنک الیھود و لا النصاری حتی تتبع ملتھم

"اور ہرگز تم سے یہود و نصاریٰ راضی نہ ہوں گے جب تک تم
ان کے دین کی پیروی نہ کرو"۔

اور جب کہ ہم اس صحابی جلیل کے بارے محو گفتگو ہیں تو ہمیں معاف فرمایئے اے ابو ہریرہؓ میرے لیے یہ بس ہے کہ میں وہ کلمات بیان کروں۔ جو آپ کی تعریف میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان حق ترجمان سے نکلے تھے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح کے باب "الحرص علی الحدیث" میں ابو ہریرہؓ سے مروی ایک حدیث بیان کی کہ ایک دفعہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ وہ کونسا شخص ہوگا جس کو آپ کی شفاعت نصیب ہوگی۔ فرمایا اے ابو ہریرہؓ مجھے معلوم تھا کہ کوئی بھی شخص آپ سے پہلے اس بارے میں مجھ سے سوال نہیں کرے گا۔ کیونکہ حدیث پر آپ کا حریص ہونا مجھے معلوم ہے۔ تو سنو قیامت کے دن میری شفاعت اس شخص کو نصیب ہوگی جس نے دل و جان اور خلوص کے ساتھ "لا الٰہ الا اللہ" پڑھا ہوگا۔ جناب رسول اللہؐ کی طرف سے ابو ہریرہ کے حق میں اس گواہی کے بعد نہ کسی اور قائل کے قول کی گنجائش رہتی ہے اور نہ کسی اضافہ چاہنے والے کے اضافہ کی۔

یہ تیرے
خاندان
سے نہیں ہے

اسلام اس لیے آیا کہ لوگوں کی از سر نو تربیت کرے اور ان کے مابین ربط و تعلق کے معیار کو بلند کرے مگر بلا عصبیت اور ان کے آپس میں ایک دوسرے کے تعلقات کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرے مگر جذبۂ تعلّی نہ ہو۔ ان کی آزادیوں کو رفعتوں سے ہمکنار کرے، مگر سوائے حق کے تسلط کے ان پر کسی کا تسلط نہ ہو۔ پس توحید ہی مکمل آزادی کا حقیقی و اصلی سبب ہے۔ اسلام ایک ایسے وقت میں آیا جب کہ انسانی علاقات میں انسانی فطرت کے تقاضا کے مطابق اور زمانہ قدیم سے بہت ساری قابل اعتناء چیزیں کار فرما تھیں۔ جن میں ہمیشہ سے اہم ترین چیز نسلی و خونی رشتے اور قرابت کے بندھن، خاندان اور رحمی اور قبائلی تعلقات رہے۔ افراد ہمیشہ کے پے در پے چلنے والے خاندانی دائروں سے منسلک رہے۔ نیز خطہ ہائے ارض سے ان کا تعلق رہا اور یہ وابستگیاں یا تو کسی جنگل سے تھیں یا کسی گاؤں میں شہری آبادی سے یا کسی ملک کے کسی شہر سے یا کسی حکومت سے یا قوم سے۔ پھر یہ تعلقات زندگی، اعمال اور تغیر مکانی کے دائرۂ کار کی وسعت کے لحاظ سے وسیع تر ہوتے چلے گئے۔ مثال کے طور پر ایک کنبہ کے درمیان اختلاف اور ایک خاندان کے اندر بہت سارے کنبوں کے مابین اختلاف یا ایک قبیلہ کے دائرۂ کار میں کنبوں میں اختلافات ایسے معاملات ہیں جن کے کئی پہلو ہیں اور ان کے کئی حل بھی ہیں۔ جو غالباً تقالید اور ورثہ میں حاصل کی گئی بنیادی قدروں اور رسم و رواج کے تابع ہوتے ہیں۔ جن کے مصادر بعض اوقات متعدد ہوا کرتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ یہ اکثر خونی رشتوں کے زیر اثر ہوتے ہیں مگر جونہی دائرہ وسیع ہوا اور مختلف کنبوں کے افراد کے درمیان یا خاندانوں اور مختلف قبائل میں کنبوں کے درمیان اختلافات جڑ پکڑ گئے تو آناً فاناً

عصبیت و حمیت اپنے کی رگوں میں جلوہ گر ہوئی۔ جس میں نوبت خون ریزی، قتل
نفس، بربادی نسل و کھیتی تک جا پہنچی اور اگر آپ اس صورت کا بالتفصیل اور
بالاستیعاب جائزہ لیں تو آپ اسے حالات کے مطابق انسانی تاریخ کے ارتقاء کے
مراحل میں پھوٹتا اور بڑھتا دونوں طرح پائیں گے اور تم اس کی تعبیر اور اس کی مختلف
قوموں کے ادب، ان کے اشعار، ان کے آپس کے جھگڑوں اور جنگوں میں دیکھ پاؤ گے
اور جب کبھی بھی حق نزاع اور جنگ و جدل کا محور بن جاتا ہے تو آپ یہ ملاحظہ
کریں گے کہ اکثر اوقات خاندانی، قبائلی اور جنسی عصبیت ان لڑائیوں اور جھگڑوں کا
محرک ہوا کرتی ہے۔ اکثر اوقات قبیلہ کے کسی ایسے فرد کی مدد کے لیے جو زیادتی کا
نشانہ بنتا تھا یا قتل کر دیا جاتا تو اس کا بدلہ لینے کے لیے آپس میں جھگڑے اور
نوک جھونک بپا ہو جاتیں اور قتل و قتال کی آگ بھڑک اٹھتی۔ خواہ فی الحقیقت وہی
زیادتی کا مرتکب ہی کیوں نہ ہو تک۔ شاعر کا درج ذیل قول ایک ایسی ہی صورت حال کا
ترجمان ہے:

"نحن قوم لانسئل من دعنا لایة حرب اولای نزال"

ہم ایک ایسی قوم ہیں کہ جو ہمیں کسی بھی جنگ یا مقابلہ کی دعوت دے تو ہم
اس دعوت دینے والے سے اس دعوت کی وجہ نہیں پوچھتے۔

اکثر اوقات قبائل اور خاندانوں کے مابین جنگیں کسی پانی کے بانٹنے یا کسی ایسی
بکری یا اونٹ جو اپنے مالک کے علاوہ کسی دوسرے کی چراگاہ میں چر رہا ہوتا تھا، کی
وجہ سے بپا ہو گئیں۔ یا حسبی، جنسی اور ملی تعصب کے جوش یا دوسرے لفظوں میں اپنی
ملی اور اپنی سرزمین کے ساتھ محبت اور تعلق میں مبالغہ کے سبب کسی قطعہ زمین پر
ہو گئیں یا سرحدوں کے تعین پر جھگڑا ہو جانے کے باعث چھڑ گئیں۔ اگرچہ اس
انتساب اور اس رشتہ کے سلسلہ میں آپس کی خونریزی بعض اوقات حاکمیت حق سے
بھی خالی نہیں ہوتی تھی۔ کیونکہ حق واضح راستے رکھتا ہے اور اس کے لیے ہر حال
میں یہ ضروری ہوتا ہے کہ فریقین میں سے کسی نہ کسی فریق کے ساتھ ہو۔

اسلام نے لوگوں اور انسانیت کے ساتھ کیا کیا؟ حالانکہ جب اسلام اس کے پاس گیا تو ساتھ تنگیوں اور انسانی عادات و رسم و رواج کی وجہ سے موروثی ظلم و فساد اس کی بنیادوں میں جا گزیں ہو کر انھیں متزلزل کر چکا تھا اور افراد اور سوسائٹیوں کے آپس کے تعلقات پر بھی چھا چکا تھا۔ انسانی نفس ہمیشہ فطری طور پر خونی تعلق اور نسبی اور رحمی رشتہ کے ساتھ شفقت و الفت سے پیش آنے کی طرف میلان رکھتا ہے خواہ حق اس کا طرفدار نہ بھی ہو تو اور اگر نفس انسانی ناحق ایسے تعصب اور ایسے میلان کا مطالبہ کرے تو وہ عاری از عقل قرار پائے گا۔ لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم اسی قسم کے مسئلہ کے بارے نازل ہوتا ہے اور عمل کی سطح پر ہمیں ان سلبی (منفی) احساسات سے پاک و صاف کر دیتا ہے اور یہ اعلان کرتا ہے:

و لا یجرمنکم شنآن قوم علی الا تعدلوا اعدلوا هو اقرب للتقوی

و اذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل

جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔

ابو شوذب سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ جنگ بدر کے دن ابو عبیدہ بن الجراح کا والد اپنے بیٹے ابو عبیدہ کا آمنا سامنا کرنے لگا۔ مگر ابو عبیدہ ان سے کنارہ کش ہونے کی کوشش کرتے رہے۔ لیکن جب اس کی طرف سے اس رکاوٹ اور مخالفت میں اضافہ ہوا تو ابو عبیدہ نے اس کا رخ کیا اور اس کا کام تمام کر دیا۔ جب انہوں نے اپنے باپ کو قتل کر دیا تو اللہ تعالی نے یہ آیات نازل فرمائیں:

لا تجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حاد اللہ و رسولہ و لو کانوا آباءھم او ابناء ھم او اخوانھم و عشیرتھم اولئک کتب فی قلوبھم الایمان

"تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مخالفت کی۔ اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں۔

یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان نقش فرما دیا۔ اسحاق بن عاصم بن عمر بن قتادہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عبداللہ بن ابی بن سلول رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کی یا رسول اللہ مجھے خبر ملی ہے کہ آپ اس گستاخی کی پاداش میں جس کی اطلاع آپ کو ملی ہے میرے باپ کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اگر آپ کا واقعی یہ ارادہ ہے تو مجھے حکم دیجئے میں خود اس کا سر قلم کر کے خدمت عالیہ میں پیش کر دوں گا۔ بخدا خزرج والے اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ مجھ سے زیادہ اپنے والد کا فرمانبردار کوئی نہیں اور مجھے یہ ڈر ہے کہ آپ اس کے قتل کا کسی اور کو حکم دیں گے' وہ اس کو قتل کر دے گا تو مجھ سے یہ برداشت نہیں ہو سکے گا کہ میں عبداللہ بن ابی کا قاتل لوگوں میں چلتا پھرتا دیکھوں اور ایک کافر کے بدلے ایک مومن کو قتل کر بیٹھوں اور جہنم میں داخل کیا جاؤں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسی کوئی بات نہیں ہم اس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں گے اور جب تک وہ ہمارے ساتھ ہے ہم اس کے ساتھ رابطہ رکھیں گے۔

(اسلام خونی رشتوں کی بیخ کنی چاہتا ہے تاکہ اس کی جگہ عقیدت پر مبنی ایک نیا رشتہ پروان چڑھائے)۔

ابن ہشام نے ابوعبیدہ اور دیگر اہل مغازی (جنگوں) کا علم رکھنے والے صحابہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سعید بن العاص سے فرمایا اور آپ اس وقت ان کے قریب سے گزر رہے تھے۔ اے سعید میں تیرے بارے میں یہ دیکھتا ہوں کہ تیرے دل میں میرے بارے میں کچھ کھچ ہے۔ میرا تیرے بارے یہ خیال

ہے کہ تو یہ سوچتا ہے کہ غالباً میں نے تیرے باپ کو قتل کیا ہے۔ سن لے اگر میں نے واقعی اس کو قتل کیا ہوتا تو میں اس کے قتل سے تجھ سے عذر خواہی نہ کرتا مگر میں نے تو اپنے ماموں عاص ابن ہشام ابن مغیرہ کو قتل کیا ہے۔ جہاں تک تمہارے باپ کا تعلق ہے وہ اس وقت ایسے زمین کھود رہا تھا جیسے ایک بیل اپنے سینگوں سے کھودتا ہے۔ میں نے اس سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ اسی اثناء میں اس کے چچا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا قصد کیا اور اس کو قتل کر دیا۔ "البدایتہ و النہایتہ" میں ایسے ہی وارد ہوا ہے **الاستیعاب** اور **الاصابتہ**میں یہ اضافہ ہے کہ سعید بن العاص نے جواب میں کہا:

لو قتلتہ لکنت علی الحق و کان علی الباطل

"اگر آپ نے اسے قتل کر دیا ہوتا تو آپ حق پر ہوتے اور وہ باطل پر"۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کا یہ قول بہت پسند آیا۔

ابن جریر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالہ سے یوں روایت کی ہے: حضرت عائشہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولین بدر کے بارے میں حکم صادر فرمایا کہ انہیں گھسیٹ کر چاہ بدر میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ انہیں بموجب حکم اس میں پھینک دیا گیا۔ بعد ازاں آپ اس کنوئیں کے دہانے پر کھڑے ہوئے اور کنوئیں والوں سے یوں مخاطب ہوئے کہ اے کنوئیں والو کیا تمہارے رب نے جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ تم نے سچا پا لیا ہے؟ بے شک میں نے تو وہ وعدہ جو میرے رب نے میرے ساتھ کیا تھا سچا پا لیا ہے۔ یہ سن کر صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ مردہ قوم سے گفتگو فرما رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا بے شک انہوں نے جان لیا ہے کہ ان کے رب تعالیٰ نے ان سے جو وعدہ فرمایا تھا وہ سچا ثابت ہوا ہے۔ جب ابو حذیفہ نے دیکھا کہ ان کے باپ عتبہ کو گھسیٹ کر کنوئیں میں ڈالا جا رہا ہے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہرے پر آثار

ناپسندیدگی دیکھ کر فرمایا اے ابو حذیفہ گویا آپ جس چیز کو دیکھ رہے ہیں اس کو ناپسند کر رہے ہیں۔ عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے شک میرا باپ ایک سمجھدار آدمی تھا۔ مجھے امید تھی کہ اس کا رب اسے اسلام کی راہ دکھائے گا مگر جب اس کا یہ انجام ہوا تو اس نے مجھے مغموم کر دیا۔ چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے حق میں بھلائی اور خیریت کی دعا فرمائی۔

ہم مسئلہ توحید کو خواہ وہ کتنا ہی عقیدہ کے ساتھ جڑا ہوا کیوں نہ ہو فی الحقیقت تمام شرائع اسلام کا محور اور ان کا جامع پاتے ہیں۔ وہ ہر مبدا اور ہر قانون کی اصل ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ انسانی جان کی آزادی میں اس کا جو کردار ہے وہ ان قوانین کی سربلندی کے لئے اصلی اور پائیدار مرکز فراہم کرتا ہے جو ایک فرد، خاندان، سوسائٹی، حکومتوں اور قبائل کی نگرانی کرنے والے ہیں۔ اس میدان میں وہ فی الفور خونی قرابت کے کردار کو اس کی تمام تر قوت سمیت بے دست و پا کر دیتا ہے۔ تاکہ اس کی جگہ وہ اسی قسم کا رشتہ لے لے جو عقیدہ والا رشتہ ہے۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ اس نے انسانی فطری روابط و تعلقات کو قربان کر دیا ہے۔ بلکہ اس نے تو الٹا ان کی حفاظت کی ہے اور انہیں مضبوط بنیادوں پر استوار کیا ہے۔ البتہ ان کا حل خصوصی اور سطح نظر ہوتا ہے اصل و بے بنیاد قرار دیا ہے اور انہیں محض ایک وسیلہ و ذریعہ کی حیثیت دی ہے اور ان سے منسوب ہونے کی [illegible] سے منسوب ہونے کی سطح تک پہنچا دیا ہے جو حق سے اقتدار مطلق حاصل ہے۔

اور ان کو خونی، جنسی یا قبائلی تعصب یا ملکی و نسلی اثرات سے پاک کر دیا ہے اور ان کو اس سطح تک بلند کر دیا ہے کہ وہ صرف اور صرف حق اور اس کے بنیادی اصولوں اور مثال اعلیٰ کے لئے تعصب رکھیں۔ ایسی مثال اعلیٰ (اعلیٰ نمونہ) جس میں نسب و قرابت کا کوئی دخل نہیں اور اس کے برعکس ایسی مثال اعلیٰ جس میں رشتہ و قرابت کا عمل دخل ہو تو اس میں عمل کے معیار بھی مختلف ہوتے ہیں یا اس لئے مختلف ہوا کرتے ہیں کہ مختلف اداروں اور فیصلوں پر اثر ڈالنے والے اور غالب

نے والے متعدد روابط و صلات ہیں۔ اس مناسبت سے حاکمیت مطلقہ خدا تعالیٰ کے
کلمات یعنی حق کے بنیادی اصولوں کے حصہ میں آئی جن کا منبع شریعت الٰہیہ ہے۔ وہ
کسی انسان کے لکھوائے ہوئے نہیں۔ اسلام نے فطری طور پر اسی طریقہ کار کے
مطابق مسلمانوں کی تربیت شروع کر دی۔ کیونکہ انسانوں میں بنیادی چیز مساوات ہے
جیسا کہ قرآن کریم میں وارد ہے:

"اے لوگو! اگر تمہیں قیامت کے دن جینے میں کچھ شک ہو تو یہ
غور کرو کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا مٹی سے پھر پانی کی بوند سے پھر
خون کی پھٹک سے پھر گوشت کی بوٹی سے نقشہ بنی اور بے بنی
تاکہ تمہارے لیے اپنی نشانیاں ظاہر فرمائیں اور ہم ٹھہرائے
رکھتے ہیں ماؤں کے پیٹ میں جسے چاہیں ایک مقررہ میعاد تک
پھر تمہیں نکالتے ہیں بچہ پھر اس لیے کہ تم اپنی جوانی کو پہنچو اور
تم میں کوئی پہلے ہی مر جاتا ہے اور کوئی سب میں نکمی عمر تک
ڈالا جاتا ہے کہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے اور تو زمین کو دیکھے
مرجھائی ہوئی پھر جب ہم نے اس پر پانی اتارا تر و تازہ ہوئی اور
ابھر نکلی اور ہر رونق دار جوڑا اگا لائی"۔

کسی طرح بھی کسی انسان کی یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ اس عالمگیر اصل کے دائرہ سے
نکل سکے۔ یہ بھائی چارہ جو اسلام کا قائم کردہ ہے وہ ایمانی بھائی چارہ ہے۔ چنانچہ فرمایا
گیا: **انما المؤمنون اخوۃ** "سوا اس کے نہیں کہ مسلمان ایک دوسرے کے بھائی
بھائی ہیں"۔ اس کی برتری کا پیمانہ تقویٰ بنایا گیا نہ کہ حسب و نسب اور جاہ کو۔ اللہ
تعالیٰ وہ ذات ہے جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔

معاشی و مادی تفاوت ایک دوسرا معاملہ ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام اس کا
اعتراف کرتا ہے مگر ایک طبقے اور دوسرے طبقے کے مابین یا ایک قوم اور دوسری قوم
کے درمیان، اسی طرح ایک جنس اور دوسری جنس کے درمیان امتیاز کا قائل نہیں۔

وگرنہ بنیادی قضیہ سے ہمارا ٹکراؤ ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وفوق کل ذی علم علیم بعض توجیہات یہاں بعض کا لفظ انفرادی امتیاز کا پتہ دے رہا ہے نہ کہ طبقاتی اور جنسی تفاوت کا۔ ضروری تھا کہ اسلام اپنے کارکنوں کی تربیت خلوق کے مابین مساوات ایمانی "بھائی چارے" حق کی نگرانی میں اس بھائی چارے کی بالادستی اور برتری کے اس معیار کے مطابق کرے جس کی بنیاد تقویٰ اور عمل صالح ہے۔ قرآن پاک نے جو قصے بیان کیے ہیں وہ ہمارے لیے سامان عبرت ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے لقد کان فی قصصهم عبرة بے شک ان کی قصوں سے عقلمندوں کی آنکھیں کھلتی ہیں۔ ان کا مقصد آپ کی ثابت قدمی تھی۔

وکلا نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت به فؤادک

"اور سب کچھ ہم تمہیں رسولوں کی خبریں سناتے ہیں جس سے تمہارا دل ٹھہرا ہو"۔

یہ ہیں حضرت نوح علیہ السلام جو اپنی قوم میں دعوت الی اللہ دیتے ہوئے ساڑھے نو سو سال گزارتے ہیں تو جب ان کی قوم پر عذاب نازل ہوا تو مثال کے طور پر کیا ان کی دلجوئی کی خاطر انہیں اس لفظ سے مستقل قرار دے دیا کہ ان کے جگر گوشے سے درگزر کیا جائے اور اسے معافی مل جائے۔ ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کی نجات کے لیے یہ دعا کرتے ہوئے رب تعالیٰ کے حضور متوجہ ہوتے ہیں۔ اور عرض کرتے ہیں **رب ان ابنی من اهلی** "اے میرے رب میرا بیٹا بھی تو میرا گھر والا ہے" یہ تھا تقاضائے بشریت مگر دین کے زیر سایہ اپنے بیٹے کے واقعی اہل ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں وحی آسمانی کے ذریعے آپ نے اس وقت رہنمائی حاصل کی۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے اس بات کی وضاحت فرمادی کہ طبعی و نسبی رابطہ اور تعلق دین کے زیر سایہ ہی ترقی کی منازل

طے کرتا ہے اور پھر وہ رابطہ آسمانی اور عمل صالح کے تعلق و رابطہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی دعا کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں **انه لیس من اهلک انه عمل غیر صالح** پھر اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہوئے انہیں دعا سے روک دیتے ہیں:

> **فلا تسئلن ما لیس لک به علم انی أعظک ان تکون من الجاهلین قال رب انی اعوذ بک ان اسألک ما لیس لی به علم والا تغفرلی و ترحمنی اکن من الخاسرین**
>
> "تو مجھ سے وہ بات نہ مانگ جس کا تجھے علم نہیں میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ نادان نہ بن عرض کی اے رب میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ تجھ سے وہ چیز مانگوں جس کا مجھے علم نہیں اور اگر تو مجھے نہ بخشے اور رحم نہ کرے تو میں خطا کار ہو جاؤں"۔

ہاں بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت تو موجود تھی مگر کافر کے لیے نہیں صرف مومن کے لیے جب کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اسی رحمت کے پیش نظر یہ حیثیت ہوئی کہ یہ خوفناک منظر حضرت نوح علیہ السلام کی آنکھوں سے اوجھل رہے۔ چنانچہ آپ کی بوڑھی آنکھ اپنے بیٹے کے غرق ہونے کے اس غم زدہ منظر کا مشاہدہ نہ کر سکی جو ان کے پدری جذبات کو ٹھیس پہنچا سکتا تھا چنانچہ ایک لہر اٹھی اور اس نے غرقابی کا یہ منظر آپ کی آنکھوں سے اوجھل کر دیا۔ **و حال بینهما الموج فکان من المغرقین** "اور ان کے بیچ میں موج آڑے آئی تو وہ ڈوبتوں میں سے ہو گیا"۔

انبیاء علیہم السلام کے قصے ان حقائق سے بھرے پڑے ہیں۔ بس ان سے حصول عبرت کے لیے صرف بیدار مغزی اور سوجھا دینے والی توجہ کی ضرورت ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ باپ مومن ہے اور اس کی دعوت کا انکار اس کا قریب ترین یعنی بیٹا کر رہا ہے۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام

کے قصہ میں معاملہ برعکس ہے۔ یہاں ہم باپ کو کفر کا حامی پاتے ہیں بلکہ وہ تو اس کے خادمین میں سے ہے۔ اسی طرح دیکھئے اب حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کو کہ وہ اہل ایمان کی نظرگاہ سے کنارہ کش ہو جاتی ہے اور کفر کی چھاؤنی میں آہن مارے بیٹھ رہتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو نجات عطا فرماتے ہیں اور سوائے ان کی بیوی کے باقی گھر والوں میں سے اس نجات سے کسی کو مستثنیٰ قرار نہیں دیتے۔ اس ضمن میں قرآن یوں ارشاد فرماتا ہے:

فانجیناہ و اھلہ الا امراتہ کانت من الغابرین

"تو ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو نجات دی مگر اس کی عورت رہ جانے والوں میں سے ہوئی"۔

یعنی وہ اگرچہ آپ کی بیوی تھی مگر اس کے کافر ہونے کے باعث اسے آپ کے گھر والوں میں شمار ہی نہیں کیا گیا۔ اس کے بعد اس موازنہ کی تصویر ہمیں ایک اور خاتون میں نظر آتی ہے اور وہ ہیں فرعون کی بیوی۔ جنہے وہ اپنے ازدواجی تعلقات کے خلاف بغاوت کر دیتی ہیں کیونکہ ان کا ایمان انہیں اس سے ایک اعلیٰ و ارفع تعلق تک پہنچا دیتا ہے اور وہ حالت ایمان میں خدا تعالیٰ کے حضور خواستگاری کرتی ہیں کہ وہ انہیں فرعون اور اس کے عمل سے نجات عطا فرمائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرتی ہیں کہ وہ اپنے پاس جنت میں ان کے لئے گھر بنا دیں جیسا کہ قرآن کریم میں وارد ہوا ہے:

رب ابن لی عندک بیتا فی الجنۃ

"اے میرے رب میرے لئے اپنے پاس جنت میں گھر بنا"۔

کتنا ہی شیریں ہے ان کے حق میں ابن قیم کا یہ قول کہ انہوں نے دار (گھر) سے پہلے جار (پڑوسی) کا انتخاب کیا۔ جب کہ انہوں نے یہ کہا عندک بیتا (تیرے پاس گھر) ولم تقل بیتا عندک اور یہ نہ کہا ایک گھر تیرے پاس یعنی پہلے گھر عطا کرنے والے کا ذکر کیا اور بعد میں گھر کا۔ جب اللہ تعالیٰ ہمارے لئے اس قسم کی

مثالیں بیان فرماتے ہیں تو ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ حسن و خوبی کے نشان ہائے راہ ہمارے سامنے اجاگر ہو جائیں اور ہم اپنی زندگیاں اور پھر ہر سطح پر اپنے خاص و عام تعلقات اللہ تعالیٰ کے اس طریقے کے مطابق استوار کر لیں جس کے مطابق اس نے ہماری تربیت فرمائی ہے۔

مسلمان وحی کے اسباق سیکھتے تھے اور ان سے صرف خوش ہی نہیں ہو جاتے تھے اور بس اور یہ بھی نہیں ہوتا تھا کہ ان کی زندگیوں یا ان کے حالات و واقعات زندگی میں ان کا کوئی حصہ نہ ہو، بلکہ اس کے برعکس مکمل طور پر اعلیٰ نمونے" بنیادی قواعد اور معرفت و حکمت کے کرشمے جو اسلام ان کے سامنے پیش کر رہا تھا فوراً ہی ان کی عقلوں" ان کے دلوں اور ان کی زندگی کے واقعات و حالات پر اثر انداز ہوتے تھے۔ انہوں نے انبیاء علیہم السلام اور غیر انبیاء حضرات میں سے جو حق و ایمان کے علمبردار رہے" کی طرف سے ان سب نمونوں اور امثال قرآنی کے بارے میں سنا تو انہوں نے اپنی زندگیوں میں انہیں عملی جامہ پہنایا۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دینے اور اس کا شریک نہ ٹھہرانے کے بعد اسلام نے کسی چیز پر اتنی شدت اختیار نہیں کی" جتنی شدت والدین کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں کی۔ مگر ایک بات ضرور ہے کہ اگر ایک مومن پر یہ ظاہر ہو جائے کہ والدین کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ایک ایسا معاملہ بن چکا ہے جس سے ان کے ساتھ حسن معاملت اور فرمانبرداری کا مسئلہ خطرے میں پڑ چکا ہے تو پھر اس وقت اسلام اس گمان کی تصحیح کا بیڑا اٹھاتا ہے اور مسلمان کو حکم دیتا ہے کہ وہ ایمان جیسے عظیم مسئلہ میں ان کی اطاعت سے باز رہے مگر اس کے ساتھ ساتھ اس بات کا ضرور خیال رکھے کہ اچھے طریقہ سے اور موافق شرع ان کے ساتھ ہم رکابی اور دمسازی میں خلل نہ آنے پائے۔

چنانچہ قرآن کریم میں اس نقطہ نظر پر یوں روشنی ڈالی گئی ہے:

وان جاهداک علی ان تشرک بی مالیس لک به علم

فلا تطعهما

اس تعلق کے قوی ہونے کا ایک پہلو یہ ہے کہ اس کی جڑیں طبیعت و فطرت سے پھوٹتی ہیں اس کے ساتھ ساتھ اس رابطہ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ اس خونی، نسبی اور قبائلی تعصب جس کا جاہلی معاشرہ شکار تھا کی روح اور اصل سے موافقت رکھتا ہے۔ اس حقیقت کی روشنی میں ہم اس تعلق میں جس کو اسلام نے اعلیٰ و ارفع بنا دیا ہے عظیم تبدیلی محسوس کرتے ہیں۔

اس کی مثال وہ واقعہ ہے جو صحابی جلیل حضرت سعد بن ابی وقاص اور ان کی والدہ کے مابین پیش آیا۔ جب ان کی ماں کو خبر پہنچی کہ وہ مشرف بہ ایمان ہو چکے ہیں اور انہوں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اختیار کر لیا ہے تو اس نے ان کو دھمکی دی کہ اگر وہ اپنے آباؤ اجداد کے دین کی طرف واپس نہ آئے تو وہ بھوک ہڑتال کر دے گی۔ اور جب تک دم میں دم ہو گا نہ کچھ کھائے گی، نہ پئے گی۔ تاوقتیکہ موت کی آغوش میں نہ چلی جائے، اور کہنے لگی کہ اگر ایسا ہوا تو میری وجہ سے تمہیں ہمیشہ عار دلایا جاتا رہے گا اور تمہیں اپنی ماں کے قاتل کے نام سے پکارا جائے گا۔ یہ کتنی بڑی خوفناک بات تھی۔ مگر اس کے مقابلہ میں وہ کیا کرتے ہیں فی الحقیقت مسئلہ ایمان کے سامنے اس خوف کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ جب انہیں یقین ہو گیا کہ ان کی والدہ اپنی اس دھمکی میں سنجیدہ ہیں تو بیٹے جیسی شفقت اور مومن جیسے یقین کے ساتھ اس سے کہا اے ماں کیا تو جانتی ہے کہ خدا کی قسم اگر تیری سو جانیں بھی ہوں اور وہ ایک ایک کر کے نکل جائیں تو بھی میں اس دین سے نہیں پھروں گا۔ جب ماں نے حق کی شدت دیکھی تو اپنے فیصلے سے دست بردار ہو گئی۔ ابن سعد الزہری نے روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب ابو سفیان بن حرب جناب رسول کریمؐ کی خدمت میں مدینہ منورہ آئے اس وقت آپؐ مکہ معظمہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ ابو سفیان نے یہ پیشکش کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صلح حدیبیہ کی میعاد میں توسیع فرما دیں۔ مگر جناب رسول کریمؐ نے اس کی طرف کوئی توجہ

نہ دی۔ وہ اٹھے اور اپنی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے۔ جب جناب نبی کریم کے بستر مبارک پر بیٹھنے لگے تو انہوں نے اس کو تہہ کر دیا۔ ابو سفیان نے کہا اے بیٹی کیا مجھ سے یہ بستر دور کر رہی ہو یا مجھے اس بستر سے دور رکھنا چاہتی ہو۔ تو وہ بولیں یہ تو جناب رسول کریمؐ کا بستر مبارک ہے اور آپ نجس اور مشرک انسان ہیں۔ اس نے کہا اے بیٹی میرے گھر سے رخصت ہونے کے بعد تم مصیبت میں مبتلا ہو گئی ہو۔ ایسے ہی "البدایہ" میں آیا ہے۔ ابن اسحاق نے بھی بغیر اسناد کے اس طرح کی حدیث روایت کی ہے۔ مگر اس میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے **فلم احب ان تجلس علی فراشہ** "میں یہ پسند نہیں کرتی کہ تو آپ کے بستر مبارک پر بیٹھے"۔

اس منہج اور طریقہ کار کے مطابق تربیت حاصل کرنے کے بعد جس میں مسلمان ان انسانی خواہشات سے بلند تر ہو گئے جو ان پر مکمل طور پر غالب تھیں اور اس کے بعد اب وہ ایک اعلی و ارفع مثال اور نمونہ زندگی کی طرف منتقل ہو گئے جو ان کے تمام جاہلانہ زندگی" کے ادوار، صلاحیتوں اور خواہشات پر حق کے نام سے پوری طرح اثر انداز و کار فرما ہیں تو یہ تربیت بلاشبہ مثال اعلی کی رفعتوں کا ہی ایک شاخسانہ ہے اور ان کا مادہ اعلی نمونہ کی رفعتیں ہی ہو سکتی ہیں۔ پہلا تعلیمی تجربہ دار ارقم میں مکہ کی گھاٹیوں اور وادیوں میں حقیقی رشتہ داری" ایمانی اخوۃ اور مدرسہ نبویہ کی ابتدائی اور بنیادی تعلیمات پر مشتمل تھا۔ بعد ازاں مدینہ میں یہ تجربہ ہوا۔ اس کے اثرات ان کے شعور میں اس بانگ بلند کے ساتھ گونج رہے تھے: "ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے وہ اسے دشمن کے سپرد نہیں کرتا اور نہ ہی اسے بے مدد چھوڑ دیتا ہے۔ کوئی بھی مسلمان جو کسی دوسرے مسلمان بھائی کو کسی ایسے موقع پر بے مدد چھوڑ دے جہاں اس کی حرمت کا پردہ چاک ہونے کا اندیشہ ہو اور اس کی عزت میں بٹہ لگتا ہو تو یقینا اللہ تعالی ایسے موقع پر اسے بے مدد چھوڑ دیں گے جہاں وہ یہ پسند کرے گا کہ اللہ تعالی کی مدد اس کے شامل حال رہے"۔ اور جو بھی مومن جب کسی ایسے موقع پر اپنے دوسرے مومن بھائی کی مدد کرتا ہے اور اس کی عزت کو

بچانے کی کوشش کرتا ہے جہاں خود اسے اپنی پردہ دری کا خطرہ ہو اور اس کی عزت کو بٹہ لگتا ہو تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ ایسے موقع پر اس کی مدد فرماتے ہیں جہاں وہ اس کی مدد کا طالب اور متمنی ہوتا ہے۔ دار ہجرت میں بھائی چارے کا عمل ایک دوسرے تجربے کی حیثیت سے سامنے آیا۔ اس موقع پر وہ اخوت ایمانی' طبیعت اور شعور میں جو مستحکم ترین اور مضبوط ترین چیز تھی اس پر بھی سبقت اور برتری حاصل کر گئی اور یہ اسی کا مصداق تھا کہ ایک انصاری اپنے مہاجر بھائی سے کہتا ہے "یہ میرا مال حاضر ہے۔ میں نے اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ تو اس میں سے اپنا حصہ لے لے اور یہ میری دو بیویاں ہیں ان میں سے جو بہتر ہے تو چن لے۔ میں اسے تیری خاطر طلاق دے دیتا ہوں وہ عدت گزارے گی اور مدۃ عدت گزرنے کے بعد اس سے نکاح کر لینا"۔ مگر مہاجر بھائی لالچ میں آ کر یہ نہیں کہتا کہ "لائیے" بلکہ اس کے برعکس اس پیشکش کا یوں جواب دیتا ہے "جزاک اللہ خیرا" (اے میرے بھائی اللہ تعالیٰ تجھے نیک بدلہ دے) میں تو ایک تاجر آدمی ہوں مجھے بس بازار کا راستہ بتا دیجئے۔ چنانچہ وہ وہاں جا کر کام کرنے لگ جاتا ہے اور اس نئے بھائی چارے کے زیر سایہ اپنی ایک نئی مبارک زندگی کا آغاز کرتا ہے۔ اس کے بعد اس ایمانی اور دینی رشتہ کا بہت سخت اور کڑا امتحان ہوتا ہے۔ معرکہ بدر پیش آ جاتا ہے۔ ایک آدمی کفر کے لشکر میں شامل ہے۔ وہ میدان جنگ میں اسلامی لشکر میں شامل اپنے بھائی' اپنے باپ یا قریبی رشتہ دار کو اپنے قریب اور اپنے سامنے دیکھ پاتا ہے۔ مگر اس سے کنارہ کشی اختیار کر لیتا ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ خونی اور خاندانی تعلق ہے۔ اب ہم اس معرکہ کی روئیداد اس کے ایک عینی شاہد کی زبانی سنتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بیٹوں میں سے ایک بیٹا اپنے باپ سے کہتا ہے کہ۔ میں آپ کو میدان بدر میں دیکھتا تھا۔ مگر آپ سے منہ پھیر لیتا تھا۔ ان کا وہ بیٹا اس وقت مشرکین کی فوج میں شامل تھا۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے کیا ہی خوب جواب دیا۔ فرمایا "سو بخدا اگر میں تجھے دیکھ پاتا تو یقیناً تمہیں موت کے گھاٹ اتار دیتا"۔ مشرکین تو اپنے رشتہ داروں کو

چھوڑ دیتے ہیں اور ان سے کنارہ کشی کر لیتے ہیں مگر مسلمان تمام لوگوں میں سے اپنے قریب ترین کو بھی قتل کرنے میں ہرگز تردد نہیں کرتا کیونکہ وہ اب اس کا قریبی رہا ہی نہیں۔ اور اس کی بجائے اس کا ایک مسلمان بھائی اسلامی اخوت کی وجہ سے اس کا قریبی بن چکا ہے۔ اب خونی قرابت عقیدہ کی قرابت میں بدل گئی ہے۔ لیجئے سنئے ایک مسلمان کی جو ایک مشرک کو قیدی بنا لیتا ہے اور اس کے فدیہ کا خواہش مند ہوتا ہے۔ چنانچہ اس دن ابوعزیز بن عمیر کو قیدی بنا لیا گیا۔ یہ مصعب بن عمیر کا باپ کی طرف سے بھائی تھا اور یہ محرز بن فضلہ کے ہتھے چڑھ گیا۔ مصعب نے محرز کو ہدایت کی کہ اس پر اپنی گرفت سخت رکھنا۔ کیونکہ اس کی ماں مکہ میں ہے اور بہت مالدار ہے۔ یہ سن کر ابوعزیز نے اس سے کہا اے میرے بھائی کیا میرے حق میں آپ کی یہی وصیتیں ہیں؟ مصعب نے جواب دیا تیری بجائے اب محرز میرے بھائی ہیں۔ جب اس کی ماں کو خبر پہنچی تو اس کے لیے بطور فدیہ چار ہزار درہم یا دینار بھیجے۔ جنگ بدر کے قیدیوں کے معاملہ میں صحابہ کرام نے جناب رسول پاکؐ کی خدمت اقدس میں کیا کیا عرض داشتیں پیش کی تھیں۔ سنئے یہ عبداللہ بن رواحہ ہیں جو ان کو زندہ جلا دینے کا مشورہ دیتے ہیں اور یہ حضرت ابوبکرؓ ہیں جنہوں نے اگرچہ رشتوں اور قرابت کا پاس کیا مگر صرف اسی قدر جس قدر انہیں اللہ تعالیٰ سے یہ امید تھی کہ وہ ایمان کے لیے ان کے سینے کھول دیں گے اور انہیں نعمت ایمان نصیب ہوگی۔ نیز ان کی طرف سے ادائیگی فدیہ مسلمانوں کے لیے مالی تقویت کا باعث بھی بنے گی۔ اس سے ثابت ہوا کہ اسلام نے رشتہ داری کے تعلق اور نسبت کو بالکل باطل نہیں کیا مگر اسے ایک وسیع دائرہ میں داخل کر دیا تاکہ اس کی پاس داری اور اس کا استعمال ایک سند اور ایک سرٹیفکیٹ کی حیثیت حاصل کر لے جسے مجموعی اسلامی قوت کے ساتھ ضم کر دیا جائے۔ پھر یہ ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو اس معنی و مقصد کو اور پختہ بناتے ہیں جس کے بارے میں ہم بات کر رہے ہیں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اس آزادانہ انداز کے ساتھ مخالفت کرتے ہیں جس کے مطابق جناب

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تربیت فرمائی تھی۔ عرض کرتے ہیں نہیں خدا! یا رسول اللہ ان قیدیوں کے معاملہ میں میری رائے وہ نہیں جو حضرت ابوبکر کی ان کے بارے میں ہے۔ بلکہ میری رائے تو یہ ہے کہ فلاں شخص کو میرے قبضہ میں دے دیجئے (یہ حضرت عمرؓ کا رشتہ دار تھا) میں اس کی گردن مار دوں گا۔ حضرت علیؓ کے قبضہ میں عقیل کو دے دیجئے وہ ان کی گردن مار دیں گے۔ اسی طرح حضرت حمزہ کو اپنے بھائی پر قادر بنائیے وہ اس کو قتل کر دیں تاکہ اللہ تعالیٰ یہ مشاہدہ فرمائے کہ ہمارے دلوں میں مشرکین کے لیے کوئی نرمی نہیں۔ آج جب ہم بحیثیت افراد اور اقوام اور ممالک کے مسلمانوں کی حقیقت حال پر غور و فکر کریں تو ہمیں عملی تگ و تاز اور طریقہ کار سے ہٹ کر لسانیت ہی تنگ دائرہ کار میں گھٹیا احساسات کی طرف حتی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ کیا قومیت نے دین سے بالاتر قاعدہ اٹھایا ہے؟ کیا قبیلہ و جنسیت پر مسلط ہو چکا ہے؟ کیا ملک پر حق ہمارے نظام حیات میں دائمی اور ابدی اصولوں سے سرکشی اختیار کر چکی ہے۔ ہم مال کی وجہ سے ایک دوسرے سے کٹ چکے اور برسرپیکار ہیں۔ وطن کے نام پر نازاں ہیں اور قومیت کو عقیدہ پر غالب کرتے ہیں۔ سو ہر فرد، ہر جماعت اور ہر مسلمان قوم کے لیے وقت آن پہنچا ہے کہ وہ ایمان اور عقیدہ پر حق قرابت کے جھنڈے کو بلند کریں اور اپنے وطن سے پہلے "اخوت حق" بڑی قومیت اور خونداری سے پہلے کے ساتھ وسیع اہل عقیدہ کے ساتھ اپنی نسبت اور دین اسلام کے لیے اپنی محبت و صداقت رکھنے کا برملا اعلان کرتے ہوئے کہے:

انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح

"اور اپنے ایک مسلمان بھائی سے کہے یہ میرا اسلامی بھائی ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم
مکہ مکرمہ میں
پیدا ہوئے

کیا ہی کہنے اس قطعہ زمین کے جس کو اللہ تعالیٰ نے مبارک بنایا ہے اور اس کا انتخاب اس لیے کیا ہے کہ وہ اس کے محبوبوں میں سے محبوب ترین اور رسولوں میں سے قریب ترین اور اپنی ساری مخلوق میں سے برگزیدہ ہستی (صلوات اللہ علیہ و سلامہ) کی جائے ولادت بنے تو ضروری تھا کہ وہ ایک ایسا شہر ہو جس کی وضع قطع اور ہیئت وہ خود تیار کرے اور اس کی منزل و مکان کو اس شرف سے فیض یاب ہونے کا اہل بنائے جس کے اوپر کوئی شرف ہے ہی نہیں۔ وہ ایک ایسے سورج کا مطلع بنے جس کی مثل آسمان ہدایت اور آسمان صالحات میں کبھی بھی کوئی سورج طلوع ہوا ہی نہیں اور نہ ہوگا۔ جب تک کہ لوگ رب العالمین کے حضور نہ کھڑے ہو جائیں اور یہ زمین اور آسمان بدل نہ جائیں۔ مکہ معظمہ سے بڑھ کر اس سعادت مندی اور فیض یابی کے لائق اور کون سی جگہ ہو سکتی ہے جہاں اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر موجود ہے۔ وہ سب سے عظیم گھر ہے جو لوگوں کے لیے بنایا گیا ہے۔ بلاشبہ صرف اور صرف مکہ ہی وہ جگہ ہے جو اس لائق تھی کہ وہاں خاتم الانبیاء اور اعظم الرسل کی ولادت مبارک ہو اور یہ وہ رسول ہیں جو تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیے گئے ہیں اور جن سے پہلے کوئی بھی رسول تمام مخلوق کے لیے رسول بنا کر نہیں بھیجا گیا تھا اور جب کہ مکہ ہی وہ مبارک سرزمین ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے چنا ہے کہ وہاں کے ساکنین کو امن والے حرم میں جگہ دے۔ حالانکہ ان کے ارد گرد کے لوگ اچک لیے جاتے ہوں۔ تب تو وہ اکیلا ہی اس لائق ہے کہ اس ہستی کی جائے ولادت ہونے کا شرف حاصل کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے چن لیا ہے اور اسے تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ جب افضلیت کا اعتبار ہے تو پھر کیوں نہ مدینہ منورہ آپ کی جائے ولادت بنا۔ مگر صحیح بات یہ ہے کہ علماء کے درمیان مکہ مکرمہ کے افضل ہونے کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان میں سے کچھ علماء وہ ہیں جن کی رائے یہ ہے کہ مدینہ منورہ افضل ہے کیونکہ اگرچہ آپؐ پیدا تو مکہ میں ہوئے مگر مدفون مدینہ منورہ میں ہیں اور اس پر طرہ یہ کہ مکہ معظمہ نے تو آپ کو نکالا مگر مدینہ

منورہ نے آپ کو پناہ دی اور آپ کی مدد کی۔ اس کے علاوہ اور بھی حقائق ہیں مگر راجح یہ ہے کہ مکہ مکرمہ ہی زمین کے سب حصوں سے افضل ہے سوائے اس حصہ کے جو آپ کے جسم اطہر کو مدینہ منورہ میں اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ ضابطہ و قانون یہ ہے کہ ہمیشہ جگہیں اس شخصیت سے برکت حاصل کرتی ہیں جس کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہوتی ہیں۔ اس ضمن میں اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد ہے: **و اتخذوا من مقام ابراہیم مصلی** "ابراہیم علیہ السلام کے موضع قیام کو اپنی نماز کی جگہ بناؤ"۔ ارشاد ربانی ہے: **لمسجد اسس علی التقوی من اول یوم احق ان تقوم فیہ رجال یحبون ان یتطہروا** "اس مسجد کی برکت محض اسی پر ہی نہیں کہ پہلے دن سے ہی اس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تھی بلکہ یہ برکت ان ہستیوں کی وجہ سے بھی زیادہ ہوتی رہی جو یہ پسند کرتی تھیں کہ پاکیزگی حاصل کریں"۔ فیصلہ کن قول کے پیش نظر اور صحیح رائے کے مطابق یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے کہ سب جگہوں سے افضل جگہ وہ ہے جس کو آپ کا جسد شریف مس کر رہا ہے۔ اسی طرح راجح یہ ہے کہ باقی جگہوں سے مکہ افضل ہے۔

کعبہ مسلمانوں کا قبلہ اور آپ ﷺ کی ذات اسلام کا قبلہ ہے

مگر یہاں ہم جس چیز کے درپے ہیں اور جو چیز ہمارا محور فکر ہے وہ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ لوگوں کے دلوں کے جھکنے کی جگہ ہے اور وہ قبلۃ المسلمین ہے۔ نماز میں اگر کسی نے قبلہ کے علاوہ کسی اور طرف منہ کر لیا تو اس کی نماز قبول نہیں ہوگی اور آپ کی ذات رسول اسلام ہے جس نے آپ کے علاوہ کسی اور کا رخ کیا وہ گھاٹے میں رہا اور جس نے اسلام کے علاوہ کوئی اور دین چاہا۔۔ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔ اس پہلو سے آپ کے اور مکہ مکرمہ کے درمیان تعلق کامل ہے۔

اس کے علاوہ کیا سوا نہیں کا اس پر اجماع ہے کہ مکہ مکرمہ آپ کی جائے ولادت

ہے؟ آپ اس سوال کا جواب مثبت بھی دے سکتے ہیں اور منفی بھی۔ ہم کہتے ہیں کہ نہیں کیونکہ مورخین سے آپس میں اختلاف منقول ہے۔ اور ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ "ہاں" آپ کی ولادت مکہ معظمہ میں ہوئی۔ مورخین کا اس پر اجماع ہے کیونکہ اختلاف کی کوئی قیمت اور وزن نہیں۔ حافظ مغلطائی الحنفی اپنی کتاب "الاشارة الی سیرة المصطفیٰ و تاریخ من بعدہ من الخلفاء" (حرم مکی شریف کی لائبریری کے مخطوطات سے ہے) میں کہتے ہیں: وقال برمضان یعنی بیان کیا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں پیدا ہوئے مگر توجہ طلب امر یہ ہے کہ وہ اس روایت کو کمزور صیغہ کے ساتھ لائے ہیں جو اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ وہ نہ تو اس کا قول کرتے ہیں اور نہ ہی اس کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ ایک صیغہ کے ساتھ روایت ہمیشہ ضعیف ہوا کرتی ہے۔ غالباً وہ لوگ جو یہ رائے رکھتے ہیں کہ آپ رمضان میں پیدا ہوئے باوجود اس روایت کو کمزور سمجھنے کے وہ اس کا سہارا لیتے ہیں کہ حضرت عبدالمطلب حضرت آمنہؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ حاملہ تھیں۔ انہوں نے اس لشکر کی طرف سے جو ابرہہ حبشی کعبہ شریف کو منہدم کرنے کے ارادہ سے لایا تھا انہیں تکلیف پہنچنے کے خطرہ کے پیش نظر ان سے مطالبہ کیا کہ وہ قریش کے دیگر افراد کے ہمراہ شہر مکہ سے مکہ کے پہاڑوں اور گھاٹیوں کی طرف کوچ کرنے کی تیاری کر لیں۔ مگر حضرت آمنہؓ نے اپنے گھر سے نکلنے سے انکار کر دیا۔ ان پر یہ بات سخت ناگوار گزری کہ وہ بیت الحرام سے دور اپنے باپ کے گھر کے علاوہ کسی اور جگہ اپنا بچہ جنیں۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے لگ گئیں کہ وہ ابرہہ اور اس کے لشکر کو شکست سے دوچار کر کے ذلیل و رسوائی کے ساتھ مکہ مکرمہ اور اس کے کعبہ مشرفہ سے بھگا دے۔ اس علی و قدیر نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ابرہہ اور اس کے لشکروں کو شکست فاش دی اور انہیں ان ابابیل پرندوں کے ذریعے جو ان پر چھوڑے گئے تھے اور وہ انہیں سوکھی مٹی کے پتھروں سے مارتے تھے کھائے ہوئے بھس کی مانند بنا دیا۔ اب جو سوال ہمارے ذہن میں ابھرتا ہے وہ یہ ہے کہ جب آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ نے

حبشی کے خوف و ہراس کے دوران مکہ چھوڑنا گوارا نہ کیا اور ابرہہ اور اس کے لشکر کی آمد پر بھی نہ گھبرائیں اور ایمان و ایقان کے ساتھ مکہ مکرمہ رہنے پر ہی مصر رہیں تاکہ اپنے بچہ کو اپنے باپ کے اس گھر میں جنم دیں جو حرم کعبہ کے پڑوس میں واقع تھا تو پھر کیا یہ بات عقل میں آ سکتی ہے کہ اب خطرہ آپؓ کے سر سے ٹل گیا ہو تو اس وقت آپ مکہ کو خیرباد کہہ کر عسفان جا کر اپنے بچے کو جنم دیں اور حال یہ ہو کہ وہاں آپ اکیلی ہوں، مسافرہ اور اجنبیہ ہوں اور اپنے گھر والوں اور بچہ کے گھر والوں سے دور ہوں اور اس پر مزید اس کمزوری کو بھی لیجئے جو زمانہ حمل میں عموی طور پر عورتوں کو لاحق ہوا کرتی ہے۔ یہ چیز بھی حضرت عبدالمطلبؓ کی طرف سے آپ کو گھر چھوڑنے کی نصیحت کی راہ میں رکاوٹ کا سبب بنی ہوگی۔ اس سے بڑھ کر وہ خوف جو بچہ کے بارے آپ کو تھا کہ کہیں معاذ اللہ بچہ سفر کی مشقت، تھکاوٹ اور حرکت کے باعث ساقط نہ ہو جائے، مانع ہوا۔ مکہ مکرمہ سے دور آپ کی پیدائش کے قائلین کے قول کو کمزور ثابت کرنے والی چیزوں میں سے وہ چیز بھی ہے جس کی طرف بعض آیات شریفہ کا مفہوم اشارہ کر رہا ہے چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں:

> وکأین من قریۃ ھی اشد قوۃ من قریتک التی اخرجتک اھلکنٰھم فلا ناصر لھم (سورہ محمد آیت ۱۳ القرآن الکریم)
>
> "اور کتنے ہی اس شہر سے قوت میں زیادہ تھے جس نے تمہیں تمہارے شہر سے باہر کیا ہے ہم نے انہیں ہلاک فرمایا تو ان کا کوئی مددگار نہیں"۔

مفسرین کرام کا اس حقیقت پر اجماع ہے کہ اس آیت کریمہ میں حبیبہ قریہ شہر مکہ مکرمہ ہی ہے۔ تاریخ بھی اس کی گواہی دیتی ہے اور اس میں کسی دو کا بھی اختلاف نہیں۔ قریہ کی اضافت کے پیش نظر ہم نے اللہ تعالیٰ کے اس قول "من قریتک" کا مشاہدہ کیا ہے اور ہم اس حتمی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اس میں ضمیر خاطب

کے مصداق جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ یہ نسبت و اضافت اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ یہی وہ شہر ہے جہاں آپ کی ولادت مبارکہ ہوئی۔ ویسے عرف عام میں تو اس قریہ یا بلد کی نسبت اس انسان کی طرف نہیں کی جاتی جس میں وہ پیدا ہی نہ ہوا ہو۔ بلکہ عموماً اس قسم کی اضافت سے یہ مراد ہوتا ہے کہ وہ بستی جس کی نسبت اس کی طرف کی گئی ہے اس کا موضع ولادت اور محل پیدائش ہے۔ اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

ان الذی فرض علیک القرآن لرادک الی معاد

مفسرین حضرات کا اس پر اجماع ہے کہ آیت کریمہ میں کلمہ "معاد" سے اگر کوئی شہر مراد لیا جائے تو وہ مکہ معظمہ ہی ہو سکتا ہے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ شہر مکہ مکرمہ ہی آپ کی جائے ولادت نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ آپ کو یہ بشارت نہ دیتے کہ وہ آپ کو ایک نہ ایک دن اس کی طرف واپس لوٹا لائیں گے۔ اس آیت شریفہ کے نزول کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کی جدائی گوارا کر لی حالانکہ وہ آپؐ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے تمام شہروں میں سے محبوب ترین شہر تھا۔ یہ رضامندی اور قبولیت محض اسلام کی اشاعت اور دولت اسلامیہ کی بنیادوں کو مستحکم بنانے کے پیش نظر تھی اور وہ بھی اس وقت جب کہ قریش کی ایذا رسانی، ان کے عناد، انکار، ہٹ دھرمی اور کفر پر اصرار کے باعث یہ چیز مشکل ہو گئی تھی۔ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفیق صدیق کی معیت میں جب کہ وہ دونوں حضرات بہ ارادہ ہجرت نکلے مکہ مکرمہ اور اس کے بیت عتیق کی طرف نظر بھر کے دیکھا اور فرمایا "بخدا اللہ تعالیٰ کی ساری زمین سے بڑھ کر تو مجھے عزیز ہے۔ اگر تیرے ساکنین نے مجھے اپنے ہاں سے نکال نہ دیا ہوتا تو میں از خود وہاں سے نہ نکلتا" یا تھوڑی دیر سفر کرنے کے بعد آپ کے دل مبارک میں مکہ معظمہ کا بہت اشتیاق پیدا ہوا۔ آپ نے اپنی جائے ولادت کو یاد کیا تو جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور آپؐ سے پوچھا "کیا آپؐ کو اپنے شہر اور اپنی جائے ولادت کا شوق ہوا

ہے" تو آپ نے فرمایا "ہاں بے شک"۔ تو یہ آیت اتری **ان الذی فرض علیک القران لرادک الی معاد** اب جو بات ہمارے لیے ضروری قرار پائی ہے اور جس پر ہمیں اپنی توجہ مرکوز کرنا چاہیے، جبریل علیہ السلام کا یہ قول ہے **اشتقت الی بلدک و مولدک** "کیا آپ اپنے شہر اور اپنی جائے ولادت کے مشتاق ہوئے ہیں"

جبریل علیہ السلام نے مکہ معظمہ کو آپ کا شہر اور موضع ولادت قرار دیا ہے اور ہے بھی وہ بلاشبہ ایسا۔ اور ایسے ہی قرآن کریم سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ مکہ مکرمہ ہی آپ کا شہر اور آپ کی جائے ولادت ہے۔ (صلوات اللہ و سلامہ علیہ) اسی طرح سے حدیث شریف سے بھی اسی قسم کا اشارہ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بخاری میں ثوبیہ کی آزادی کا قصہ وارد ہوا ہے۔ یہ ابولہب کی لونڈی تھیں جو کہ یہ اپنے آقا کے پاس ولادت کی خوشخبری لے کر پہنچیں اس نے اس کو آزاد کر دیا۔ یہ بات قرین قیاس معلوم نہیں ہوتی کہ جس گھر میں ولادت مبارکہ پایہ تکمیل کو پہنچی وہ گھر اگر ابولہب کے گھر سے دور ہوتا تو ثوبیہ اسی وقت کیا "فاٹا" یہ خبر وہاں نہ پہنچا سکتیں پھر ایک اور حقیقت جو اس بات کی تصدیق کرنے والی ہے وہ یہ ہے کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دولت کدہ اور ابولہب کا گھر ایک ہی گلی میں ایک دوسرے کے پڑوس میں واقع تھے اور یہی وہ روایت ہے جو ابولہب کی بیوی ام جمیل سے مروی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ام جمیل اس طرح کیونکر خود اونچیوں کا بوجھ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے سامنے ڈالتی اور جب آپ کا وہاں سے گزر ہوتا تھا تو کیسے لکڑیاں اور کانٹے اٹھا کر آپ کے راستہ میں پھینک رہی تھی۔ یہ سارا قصہ "سورہ مسد" میں وارد ہوا ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

تبت یدا ابی لہب و تب ما اغنی عنہ مالہ و ما کسب سیصلی نارا ذات لہب و امراتہ حمالۃ الحطب فی جیدھا حبل من مسد

یہ سب کچھ اس پر دلالت کرتا ہے کہ دونوں گھر ایک دوسرے کے قریب تھے۔

اسی وجہ سے فوری طور پر آپؐ کے لیے ولادت کی خبر پہنچانا آسان ہو گیا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ہمارے سردار حضرت محمدؐ کا دولت کدہ مکہ مکرمہ میں موجود تھا اور اسی میں آپؐ پیدا ہوئے تھے۔ اس پر وہ دلیل شاہد ہے جو واضح دلائل میں سے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور یہ وہ گھر تھا جس پر آپؐ کے مدینہ منورہ ہجرت فرما جانے کے بعد عقیل بن ابی طالب نے قبضہ کر لیا تھا اور اسی کی طرف حدیث شریف اشارہ کرتی ہے۔ "اور کیا عقیل نے کوئی گھر چھوڑا" جا اسی کی بنیاد پر ابن قیم نے "زاد المعاد" میں کہا لا خلاف فی انہ ولد بجوف مکۃ "اس میں کچھ اختلاف نہیں کہ آپؐ کی ولادت مبارکہ شہر مکہ کے گرد میں ہوئی"۔ ابن قیم اچھی طرح جانتے تھے کہ اس میں اختلاف پایا جاتا ہے مگر ان کا خیال تھا کہ یہ اختلاف ایک ایسا اختلاف ہے جو لائق ذکر ہی نہیں۔ مگر علمی امانت کے طور پر اس کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ نہ کہ بحث و جدال کے لیے۔ ایسے ہی طرابلسی نے بھی کہا ہے وہ ان جگہوں کا نقشہ پیش کرتے ہیں جن کی زیارت مستحب ہے اور ان میں سے سر فہرست وہ گھر ہے جس میں سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ ہوئی اور ہجرت کے زمانہ میں اس پر عقیل بن ابی طالب نے قبضہ کر لیا۔ اسی طرح مورخین کا آپؐ کی ولادت کے بارے میں بھی اس بات پر اختلاف پایا جاتا ہے کہ کیا آپ کی ولادت اندرون مکہ ہوئی یا بیرون مکہ۔ اسی طریق سے مکہ مکرمہ میں خاص جگہ کے تعین میں بھی اختلاف ہے۔ اس بارے ان کے بہت سارے اقوال مروی ہیں۔ ہم انشاء اللہ مناسب وقت میں اس موضوع کی طرف دوبارہ لوٹیں گے جو بات اس وقت ہمارا ہدف اور مطمح نظر ہے وہ یہ ہے کہ کیا یہ اختلافات ان مختلف النوع آرا میں سے کسی معین رائے کی صحت پر پختہ یقین کو ناممکن یا کم از کم مشکل بناتے ہیں؟ خصوصاً جیسا کہ عبداللہ العیاشی المغربی جن کی وفات گیارھویں صدی ہجری کے اواخر میں ہوئی کہتے ہیں کہ ولادت باسعادت چونکہ زمانہ جاہلیت میں ہوئی اور اس زمانہ میں عرب لوگ جگہوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے تھے اور نہ ہی انہیں اپنے حافظہ میں برقرار رکھتے۔ بلکہ ایسا کرنا ان سے

لیے کوئی آسان کام بھی نہ تھا۔ خصوصاً اس وقت جب کہ ان جگہوں کے ساتھ ان کی کوئی ذاتی مصلحت اور غرض وابستہ نہ ہوتی تھی کہ اس وقت تک بھی جب اسلام کا ظہور ہوا اور مسلمان جہاد اور شریعت کی محافظت میں مصروف ہو گئے تو وہ بھی ان عمارات اور اماکن سے لاپرواہ ہو گئے۔ سوائے ان کے جن کے ساتھ کسی عمل شرعی کا تعلق تھا۔ تو پھر کیا یہ حقیقت اس مکان کے تعین کو جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے ناممکن یا مشکل بناتی ہے۔ اگر آپ کی ولادت مبارکہ کے ساتھ بہت ساری چیزیں متعلق نہ ہوتیں جو اس کے محل وقوع کے عام ہونے کو ناممکن بناتی ہیں اور یقینی طور پر اس کی تعیین کے سلسلہ میں بحث کو دور کرتی ہیں تو یہ ممکن تھا کہ ہم اس حقیقت کو تسلیم کر لیتے خواہ مبداء کی حیثیت سے ہی اور یہ بات محتاج بیان نہیں کہ واقعات کے ساتھ جب ادھر ادھر کے امور متعلق ہوں تو حافظہ میں ان کی پختگی میں اضافہ ہو جاتا ہے اور تاریخ میں وہ اور زیادہ واضح مقام حاصل کر لیتے ہیں۔ ان واقعات کا انسانی ذہنوں اور یادوں میں نقش ہو جانا اور تاریخ میں ایک مقام حاصل کر لینا اس شخص یا اشخاص کی اہمیت کے مطابق ہوا کرتا ہے جس کے آسمان میں یہ واقعات گردش کرتے ہیں اور انہیں سے متعلق ہوا کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا آپؐ کے نقوش پا کی تلاش میں رہنا

کیا آپ دیکھتے نہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہر اس مسجد جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی ہوتی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوش پا کی چھان بین کیا کرتے اور ہر وہ راستہ جس سے جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا تھا اپنی اونٹنی کو روک کر اس میں فکر و تامل کرتے۔

جیسا کہ انہوں نے خود فرمایا ہے کہ میں یہ اس لیے کرتا تھا کہ کہیں خدانخواستہ میری اونٹنی کے کھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی مبارک کے کھروں کے بعض نشانات کے اوپر نہ پڑ جائیں۔ اسے زبیر بن بکار نے بیان کیا ہے۔ (دیکھئے

تاریخ بغداد' ج ۱' ص ۱۶۳)

نافع سے روایت ہے کہ ابن عمر ہر اس جگہ میں جہاں آپؐ نے کبھی نماز پڑھی ہوتی وہاں نقوش پا کی تلاش کرتے اور ان کا پیچھا کرتے۔ حتیٰ کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ ایک درخت کے نیچے تشریف فرما ہوئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر اس درخت کی حفاظت اور دیکھ بھال کیا کرتے۔ اس کی جڑوں میں پانی ڈالا کرتے کہ کہیں خشک نہ ہو جائے۔ (اسد الغابۃ' ج ۳' ص ۲۳۳' سیر انبلاء' ج ۳' ص ۲۱۳)

ابن وہب نے روایت امام مالک جنھوں نے ان سے حدیث بیان کی تھی روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم' آپ کے آثار اور آپؐ کے حالات کا اتباع کیا کرتے۔ اور ان کا بڑا اہتمام رکھتے۔

عاصم الاحول محمد سے روایت ہے۔ انھوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمر کو جب کوئی دیکھتا تو ان کے آثار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی شدت کے ساتھ پیچھا کرنے کی وجہ سے کہتا کہ انھیں کچھ ہو گیا ہے۔ اور حضرت عائشہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتی ہیں: کوئی شخص بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوش پا کی آپ کی قیام گاہوں میں ایسی پہچان نہیں کرتا تھا جتنی حضرت عبداللہ بن عمر کیا کرتے۔ ہم نے اس میں سے جس قدر مشاہدہ کیا ہے وہ تو سمندر میں سے ایک قطرہ ہے۔ بے شک اماکن اور آثار کے ساتھ جب خارجی امور کا تعلق پیدا ہو جائے تو یہ ان کی مضبوطی کا سبب بنتے ہیں اور ان کی صحت پر واضح دلیل ہوا کرتے ہیں۔

حضور کی ولادت سے متعلقہ دیگر واقعات

آپ کی ولادت مبارکہ کے ساتھ بہت ساری چیزیں تعلق رکھتی ہیں جو اعداد و شمار سے بالا ہیں۔ ان میں سے ایک تو ثویبہ نامی لونڈی کا قصہ ہے جس کو ابولہب نے اس وقت آزاد کیا جب اس نے اس کے بھتیجے کی اسے خوشخبری سنائی۔ وہ بھتیجا

سید الاولین والآخرین حضرت محمد مصطفیٰ صلوات اللہ علیہ وسلم تھا۔ یہ آپ کی جائے ولادت کو اجاگر کرتا ہے۔ اور اس پر کامل انداز میں روشنی ڈالتا ہے اور اسے لوگوں کے اذہان میں پختہ اور راسخ بناتا ہے۔ خصوصا اس لحاظ سے کہ اس قصہ کا محور کوئی عام شخص نہیں ہے۔ بلکہ وہ شخص ہے جس نے تاریخ کا رخ موڑ دیا اور عمومی طور پر ساری دنیا اور خاص طور پر جزیرہ عرب میں وہ گونج پیدا کی اور ایسا تہلکہ مچایا کہ جس کی مثال تاریخ عالم نے کبھی نہ دیکھی اور آپ کی پیدائش سے متعلقہ اشیاء میں سے ایک وہ بھی ہے جس کا ابن ہشام نے اس عنوان کے تحت ذکر کیا ہے۔ "اعلام جدہ عبد المطلب بولادتہ صلی اللہ علیہ وسلم" "آپ کی ولادت کی آپ کے دادا عبد المطلب کو اطلاع دینا"۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب آپؐ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو جنم دیا تو اسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا کی طرف پیغام بھجوایا کہ آپ کا پوتا ہوا ہے تشریف لایئے اور ان کی زیارت کر لیجئے۔ وہ تشریف لائے۔ آپ کو جی بھر کر دیکھا نیز دوران حمل آپ کی والدہ ماجدہ نے جن خلاف عادت باتوں کا مشاہدہ کیا تھا اور جو آپ کا نام رکھنے کے بارے میں ان کو حکم دیا گیا تھا یہ سب کچھ انہوں نے ان سے بیان کیا۔ یہ سن کر آپؐ کے دادا بہت خوش ہوئے۔ آپ کو گود میں لیا اور بیت اللہ شریف کے اندر لے گئے اور درج ذیل اشعار پڑھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے لگے اور جو نعمت اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی تھی اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لانے لگے۔

الحمد للہ الذی اعطانی هذا الغلام الطیب الاردان
قد ساد فی المهد علی الغلمان اعیذه بالبیت ذی الارکان
حتی اراه بالغ البنیان اعیذه من شر ذی شنان
من حاسد مضطرب الجنان

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں جس نے مجھے یہ لڑکا عطا فرمایا ہے جو پاکیزہ آستینوں والا ہے اس نے پالنے میں بھی بچوں پر سرداری کی ہے میں اسے

ستونوں والے گھر کی پناہ میں دیتا ہوں تاکہ میں اسے دیکھوں کہ وہ ترکیب جسمانی کے لحاظ سے تام و کامل ہو جائے میں اسے ہر حملہ آور کے شر اور ہر پریشان قلب حاسد کے شر سے کعبہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔

اس کے بعد حضرت عبدالمطلب نے اس معزز و مکرم نومولود کو اپنی والدہ ماجدہ کی طرف واپس لائے۔ پھر حکم دیا کہ قربانی کے جانور ذبح کیے جائیں۔ دعوتوں کا اہتمام کیا جائے اور حرم شریف میں لوگوں کو کھانا کھلایا جائے۔ بے شک ایک ایسی ہی ہستی جس کی ولادت باسعادت پر ایسی خوشی منائی جاتی ہے اور جس کی پیدائش پر خلاف عادت کام کیے جاتے ہیں وہ اس لائق ہے کہ اس کی جائے پیدائش کو نہ بھلایا جائے۔ خصوصاً اس وقت جب کہ مجد و شرافت دونوں اطراف (یعنی ددھیال اور ننھیال) سے اسے ورثے میں ملی ہو۔ تاریخ کے صفحات میں وہ اس کے وسیع ترین ابواب میں سے داخل ہو چکا ہو اور اپنے سے پہلے سب داخل ہونے والوں سے سبقت لے جا چکا ہو اور ان سے بھی جو اس کے بعد تاقیامت اس میں داخل ہوتے رہیں گے تاکہ اللہ تعالیٰ زمین اور اس کے ساکنین کو ختم نہ کر دیں۔

ولادت مبارکہ سے متعلقہ کچھ وہ حیران کن امور بھی ہیں جن کا مشاہدہ عثمان بن ابی العاص کی والدہ نے سوموار کی رات صبح کی گھڑیوں میں کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں بوقت جنم حضرت آمنہ کے ساتھ تھی۔ جونہی صبح کا نور چمکا حضرت آمنہ نے اپنا وہ معزز و مکرم بچہ جنا۔ جس کے نور سے گھر کی ہر چیز جس پر بھی میری نظر پڑتی تھی چمک اٹھی۔ میں جب ستاروں کو دیکھتی تھی تو وہ بھی مجھے اپنے قریب آتے ہوئے نظر آتے تھے۔ یہاں تک کہ میں خوف کی وجہ سے یہ کہہ اٹھی کہ وہ مجھ پر گر پڑیں گے۔

"شفا" نے بھی اسی کی مانند اپنی مشہور حدیث میں ذکر کیا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ ولادت کے وقت وہ حضرت آمنہ کے پاس موجود تھیں۔ انہوں نے ایک نور دیکھا جو دنیا کی تمام اطراف اور جہات پر چھایا ہوا نظر آ رہا تھا اور فرشتے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہہ رہے تھے "رحمک اللہ" (اللہ تم پر رحم کرے)

اس میں کوئی شک نہیں کہ سارے کا سارا گھر بقعۂ نور بن جاتا ہے۔ پھر یہ نور یہاں سے نکل کر تمام اطرافِ عالم میں پھیل جاتا ہے۔ پھر بوقتِ پیدائش جو عورتیں وہاں موجود تھیں ان کو ستارے اپنے اتنے قریب آتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ عثمان بن ابی العاص کی والدہ بول اٹھتی ہیں کہ یہ یقیناً ہم پر گر جائیں گے۔ بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے ساتھ ان کے علاوہ بھی دیگر بہت سارے امور متعلق ہیں۔ جن کو تاریخ ہمیشہ یاد رکھے گی۔

اے مخاطب کیا اس سب کچھ کے بعد بھی تجھے کسی دلیل کی ضرورت ہے اور اگر دن کو ثابت کرنے کے لیے بھی کوئی دلیل چاہتے ہو تو پھر اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ ذہن کسی چیز کو قبول کر ہی نہیں سکتے۔ ان میں در حقیقت خلل و فساد ہے۔ اب اپنا دھیان ذرا اس کی طرف بھی لگائیے جو سیدہ حلیمہ ذکر کرتی ہے وہ کہتی ہیں کہ میں بنی سعد بن بکر کی عورتوں کے ہمراہ گھر سے نکلی۔ ہم اس قحط زدہ سال میں اپنے لیے کوئی سہارا تلاش کر رہی تھیں۔ اسی تلاش میں ہم مکہ معظمہ آن پہنچیں۔ ہم میں سے کوئی ایک عورت بھی ایسی نہ بچی جس پر سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیش نہ کیے گئے ہوں۔ اور جب اس نے سنا ہو اور اسے یہ بتایا گیا ہو کہ آپ وہ یتیم ہیں تو اس نے آپ کو لینے سے انکار نہ کر دیا ہو۔ یہ ہیں سیدہ حلیمہ جو یہ بیان کر رہی ہیں کہ مکہ مکرمہ ہی جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنم بھومی ہے وہ اور ان کا خاوند انتہائی نیک لوگوں کی طرح مشرف بہ اسلام ہو گئے جیسا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سارے اعزاء و اقرباء جو بوقتِ ولادت وہاں موجود تھے خلافِ عادت باتیں دیکھ کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ یہ اس قصہ کی ایک کڑی ہے۔ ویسے تو اس کی کئی کڑیاں ہیں جو ذہنوں میں اس کی پختگی و صداقت کو مستحکم بناتی ہیں۔ اور پھر تاریخ میں بھی ابن قیم کا یہ دعویٰ کہ **لا خلاف فی انہ ولد بمکۃ المکرمۃ** "اس میں کچھ اختلاف نہیں کہ آپ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے"۔ بجا و حق ہے۔

حالانکہ اس بات کا انہیں اچھی طرح علم تھا کہ اس میں اختلاف پایا جاتا ہے مگر ان کے نزدیک یہ ایک ایسا اختلاف ہے جس کی کوئی قیمت ہی نہیں اور نہ ہی اسے کوئی اہمیت دی جا سکتی ہے۔ جیسا کہ اس بارے میں آپ نے سب کچھ دیکھ لیا ہے۔

مکہ معظمہ میں آپ کا مکان ولادت

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں کس جگہ آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ بہتر یہ ہے کہ ہم جناب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان ولادت کے بارے میں جو خاص طور اہم اقوال وارد ہوئے ہیں ان سے ابتداء کریں تاکہ اپنے سابقہ مقالہ میں ہم نے جو دلائل دیئے ہیں اور جو اقوال پیش کیے ہیں ان کی صحت و درستگی عیاں ہو جائے۔ ابن سید الناس محمد بن محمد الیعمری اپنی کتاب "عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر" (ص ۲۶، ۳۳) میں لکھتے ہیں کہ آپ اس گھر میں پیدا ہوئے جو اب حجاج کے بھائی محمد بن یوسف کا گھر کہلاتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ آپ کی ولادت بنی ہاشم کی گھاٹیوں میں ہوئی۔

الحافظ بن مغلطای اپنی کتاب "الاشارة الی سیرة المصطفی و تاریخ من بعده من الخلفاء" (ص: ۶۸۹ ـ ۷۴۳) میں لکھتے ہیں کہ آپ مکہ معظمہ میں اس گھر میں پیدا ہوئے جو بعد میں حجاج کے بھائی محمد بن یوسف کا گھر بنا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ گھاٹی میں پیدا ہوئے اور کہا گیا ہے کہ ردم میں یا عسفان میں پیدا ہوئے۔

امام سہیلی نے اپنی کتاب میں جو "روض الانف" کے نام سے معروف ہے کہا ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھاٹی میں پیدا ہوئے" اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ اس گھر میں پیدا ہوئے جو صفا کے قریب واقع تھا۔ ابن ہشام نے ذکر کیا ہے کہ آپ اس گھر میں پیدا ہوئے جو صفا کے قرب و جوار میں واقع تھا اور بعد میں حجاج کے بھائی محمد بن یوسف کی ملکیت میں رہا۔ عبداللہ بن جراد سے روایت کیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا "آپ صلی اللہ علیہ وسلم ردم میں پیدا ہوئے"۔ ان تمام اقوال کا جائزہ لینے کی

کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میری جو خواہش ہے وہ یہ ہے کہ قاری یہاں اس حقیقت کا ملاحظہ کرے کہ ہر وہ قول جس کا ہم نے ذکر کیا ہے یا نہیں کیا بیرون مکہ جناب کی پیدائش کا پتہ دیتا ہے۔ مثلاً عسفان یا ابواء وغیرہ۔ اس کا صیغہ تمریض یعنی قیل کے ساتھ لایا جانا اس پر قلت اعتماد کی طرف مشیر ہے۔ جب کہ دیگر اقوال جو اس صیغہ کے ساتھ نہیں آئے وہ سارے کے سارے مکہ مکرمہ میں ہی جناب کی ولادت باسعادت ہونے پر متفق ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ابن القیم اپنی کتاب "زاد المعاد" میں لکھتے ہیں "اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عین وسط مکہ میں پیدا ہوئے" وہ باوجود آپ کی جائے ولادت کے بارے مورخین کے مابین اختلاف کے اس طرف کوئی توجہ نہیں دیتے کیونکہ یہ ایک ایسا اختلاف ہے جو لائق اعتنا اور قابل قدر ہی نہیں۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ابن حزم اپنی ایک یقینی اور قطعی روایت میں کہتے ہیں: "**ولد صلی اللہ علیہ وسلم فی مکہ المکرمۃ** (آپ کی ولادت مکہ مکرمہ میں ہوئی) اس بارے لائق اعتبار اور وزنی اقوال سارے کے سارے مکہ مکرمہ میں ہی آپ کی ولادت باسعادت کے وقوع پذیر ہونے پر زور دیتے ہیں۔ اگر آپ اس پر اس کا بھی اضافہ کریں جو قرآنی ارشادات سے سمجھا جاتا ہے تو آپ کو یقین ہو جائے گا کہ وہ قول جو مکہ سے باہر آپ کی ولادت کی خبر دیتا ہے قول مردود ہے۔

ایک اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ کی سرزمین کے حصوں میں سے کس حصہ اور کس جگہ آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ کیا اس گھر میں جو حجاج کے بھائی محمد بن یوسف کا گھر کہلاتا تھا یا ردم میں یا گھاٹی میں اور پھر کون سی گھاٹی میں؟ تو اس بارے میں ہمیں قدیم ترین مورخین کی آراء معلوم کرنا چاہئیں۔ جہاں تک ہمارے علم کی رسائی ہے سب سے قدیم شخص جس نے مکہ کی تاریخ کے موضوع پر اپنا قلم اٹھایا محمد بن عمر الواقدی متوفی ۲۰۷ھ ہیں۔ ان کے بعد علی بن محمد المدائنی متوفی ۲۲۵ آتے ہیں۔ ان کے بعد ابوالولید الازرقی کا نمبر آتا ہے۔ (متوفی ۲۵۶ھ) پھر ان کے

زمانہ سے قریب زمانہ والے عمر بن شبہ متوفی ۲۶۲ھ ہیں۔ بعد ازاں محمد بن اسحاق الفاکہی متوفی ۲۸۰ھ کا ظہور ہوتا ہے۔

قابل افسوس امر یہ ہے کہ ان مورخین کے وہ آثار جنہیں لوگوں کے مابین متداول اور شہرت یافتہ ہونے کی خصوصیت حاصل تھی ان میں سے سوائے ابوالولید الازرقی کی کتاب المسمی "اخبار مکہ" کے کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ ایسے ہی ابواسحاق الفاکہی کی کتاب کا ایک نسخہ یورپ کی ایک لائبریری میں موجود ہے۔ یہ امر مسلم ہے کہ تاریخ مکہ کے موضوع پر عمدہ کتاب ازرقی کی "اخبار مکہ" ہی ہے جو تیسری صدی ہجری کے نصف سے قبل تالیف کی گئی اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ کتاب ان تمام کتب کی بہ نسبت جو اس وقت ہمارے ہاتھوں میں موجود ہیں اپنے سے سابقہ زمانوں کے ساتھ رابطہ رکھتی ہے اور اس پر طرہ یہ کہ اس کے مولف بھی مکی ہیں۔ بلاشبہ اہل مکہ اپنی گھاٹیوں کو دوسروں کی بہ نسبت زیادہ جاننے والے تھے۔ جیسا کہ ناقدین و مورخین کا یہ دعویٰ ہے کہ اس کی معلومات آج تک تاریخ کی جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں ان سب سے زیادہ دقیق اور ثقہ ہیں۔ البتہ ان حقائق سے یہ عاری ہے جو اس وقت تک پردہ غیب میں ہیں۔ جب تک کہ اللہ جب چاہیں انہیں ظاہر نہ فرما دیں۔ ازرقی اپنی کتاب "تاریخ مکہ" میں ایک طویل گفتگو کے بعد جس میں استاذ احمد السباعی نے قدرے وضاحت کر کے اضافہ کیا ہے کہتے ہیں:

"جب ہم اپنی شاہرہ کی طرف جو قشاشیہ میں ہے مکہ کے بالائی حصہ کی طرف رخ کرتے ہوئے نکلیں تو ہمارے سامنے ایک بازار آ جاتا ہے۔ جس کو سوق الفاکہۃ (میوہ منڈی) کہتے ہیں۔ پھر سوق الرطب (کھجوروں کا بازار) پھر کچھ منازل آتی ہیں جو بنی عامر کی تھیں۔ اور سوق الیل کے پاس (رات کا بازار) ایک گھر آتا ہے جو "مال اللہ" کے نام سے معروف تھا۔ گھر کے قریب یوسف کی گھاٹی بل کھاتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ یہ وہی گھاٹی ہے جس کو آج کل ہم "علی کی گھاٹی" کے نام سے یاد کرتے ہیں اور اسی میں حضرت عبدالمطلب بن ہاشم کے گھر واقع تھے اور دیگر گھر حضرت

ابوطالب اور عباس بن عبدالمطلب کے تھے۔ ان مذکورہ بالا حقائق کے پیش نظر ولادت باسعادت مکہ مکرمہ میں ہی اپنے وقوع پذیر ہونے کی تصدیق کرتی ہے۔ تو بلاشبہ یہ گھر ان مذکورہ بالا گھروں میں ہی منحصر ہے۔ جو حضرت عبدالمطلب بن ہاشم کا گھر' ابوطالب اور عباس کے گھر تھے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان گھرانوں میں سے کس گھر میں ولادت ہوئی۔ اس کے جواب کے لیے اب ایک بار پھر ہم ازرقی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ وہ قریش کے گھرانوں (یا جنہیں رباع قریش کا نام دیا جاتا ہے) اور ان کے خلفاء کے گھروں کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان سب میں سے پہلی رباع (منازل) عبدالمطلب بن ہاشم کی اولاد کی تھیں۔ ابوالولید نے کہا وہ گھر جو بعد میں سلیم بن الازرق کا رہا اور یہ بنی مرحب کے گھر کے ایک پہلو میں واقع تھا اسماعیل بن ابراہیم الحجرۃ کی ملکیت میں آگیا اور یہ حویطب بن عبدالعزیٰ کے گھر کے سامنے واقع تھا اور ابراہیم بن محمد بن طلحہ بن عبداللہ کے گھر کے آخر تک جاتا تھا۔ حضرت عبدالمطلب کے بیٹے حارث کی یہی پہلی ملکیت تھی اور یہ وہی گھر ہے جس کو ابن ابی الفرج البصری نے خرید لیا تھا۔ اس کے بعد آنے والی مملوکہ جگہ شعب ابی یوسف ہے جس کو اب "شعب علی" کا نام دیا جاتا ہے اور اسی ابن یوسف کے گھر کا کچھ حصہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکان ولادت ہے۔ جناب نبی کریم کا مکان ولادت اور اس کا آس پاس آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کی ملکیت تھا۔ وہ مملوکہ جگہ جو اس کے بعد تھی وہ حضرت عباس بن حضرت عبدالمطلب کی تھی۔ اور یہی خالصہ کا گھر تھا جو خیزران کی لونڈی تھیں۔ اس کے بعد مقوم بن عبدالمطلب کی ملکیت تھی اور یہی طلوب کا گھر تھا جو زبیدہ کی لونڈی تھیں۔ اس کے بعد ابولہب کی ملکیت تھی اور یہی ابویزید اللھبی کا گھر تھا۔ اس جگہ یہ ان کی آخری ملک تھی۔ ازرقی سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں:

حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کا ایک گھر صفا مروہ کے درمیان بھی تھا جو موسیٰ بن عیسیٰ کی اولاد کے قبضہ میں ہے اور حضرت عباس کا گھر وہ گھر تھا جس پر بیل بوٹے بنے ہوئے تھے۔ اسی کے پاس جھنڈا تھا جہاں سے مروہ سے آنے والا صفا تک دوڑ لگاتا تھا اور یہ بھی ان کا خیال ہے کہ یہ گھر منارہ کے پاس حناطین کے قرب و جوار میں واقع تھا۔ خلیفہ مہدی نے جب ۱۶۷ھ کے آخر میں مسجد حرام کی توسیع کی تو یہ حصہ اس میں داخل کر دیا گیا۔ اس وقت ہمارے سامنے حارث بن عبدالمطلب کا گھر ہے جو بعد میں خرید لیا گیا۔ اس کے قریب ہی وہ شعب ہے جس کو آج کل "شعب علی" کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس کے قریب ابن یوسف کے گھر کا کچھ حصہ ہے جو حضرت ابوطالب کا گھر تھا۔ پھر اس کے بعد وہ گھر ہے جو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کا تھا۔ اس کے ساتھ ہی عباس بن عبدالمطلب کا گھر تھا۔ پھر مقوم بن عبدالمطلب پھر ابو یزید المکی کا اور یہی گھر ابولہب کی ملکیت میں تھا اور ہمارے سامنے عباس بن عبدالمطلب کا وہ گھر بھی ہے جو صفا اور مروہ کے درمیان واقع تھا۔ ہم دارالندوہ کو بھی نہیں بھولیں گے۔ ابو محمد اسحاق بن احمد بن اسحاق بن نافع الخزاعی نے کہا ہے کہ "دارالندوہ" جیسا کہ ازرقی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کعبہ شریف کے شامی رخ کی طرف مسجد حرام سے ملا ہوا تھا اور یہی قصی بن کلاب کا گھر تھا اور قریش کی ملکیت میں تھا۔ قصی کے معاملہ سے تیمن حاصل کرنے کے لئے قریش دور جاہلیت میں مشورہ کے لئے اور اپنے امور کو طے کرنے کی غرض سے اسی گھر میں جمع ہوتے تھے۔ ان کے اسی اجتماع کی وجہ سے جو اس گھر میں پایہ تکمیل کو پہنچتا تھا اس کا نام دارالندوہ رکھا گیا۔ پھر دارالندوہ اس وقت سے عمیر بن ابی مصعب بن عمیر اور عامر کو منتقل ہوا پھر ان سے معاویہ بن سفیان نے خرید لیا" اس کے بعد حضرت خدیجہ بنت خویلد کا مکان تھا۔ ازرقی کہتے ہیں کہ یہ وہ گھر تھا جس میں سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ قیام پذیر رہے۔ حضرت خدیجہ نے اپنی تمام اولاد کو اسی گھر میں جنم دیا اور اسی میں ہی آپ کی وفات ہوئی۔ ہجرت تک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم اسی گھر میں رہائش پذیر رہے۔ اس کے بعد اس کو عقیل بن ابی طالب نے لے لیا۔ (ابن عبدالبر نے اس کو "استیعاب" میں اور ابن سید الناس نے "عیون الاثر" میں روایت کیا ہے۔ 6: سیرۃ ابن ہشام" جلد ۱ ص 170 "الزرقانی" ج ۱ ص 146 "الوردی 16/ 8) یہ ہیں وہ جگہیں جہاں سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے وقوع پذیر ہونے کا عمومی طور پر گمان کیا جاتا ہے۔ اب ایک اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جناب صلی اللہ علیہ وسلم ان مذکورہ بالا گھروں میں سے کس گھر میں پیدا ہوئے؟ اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ گھر جس میں آپ کی ولادت ہوئی وہ آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کا گھر تھا اور جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں یہ وہ گھر ہے جو اولاد عبدالمطلب کی منازل کے مابین واقع تھا۔ یہ بات قرین قیاس نہیں کہ آپ کی پیدائش دارالندوہ میں ہوئی ہو۔ کیونکہ وہ آپ کے والد ماجد کا گھر تو نہیں تھا۔ بلکہ وہ تو قومی معاملات کو طے کرنے کی جگہ تھی اور یہ بات بھی قرین قیاس معلوم نہیں ہوتی کہ آپ حضرت عباسؓ کے گھر' جو صفا مروہ کے درمیان واقع تھا' میں پیدا ہوئے ہوں اور نہ ہی ام ہانی کے گھر میں اور نہ ہی خدیجہ بنت خویلد کے گھر میں جو باب عمر کے قریب واقع تھا۔ جب کہ آپ کے اپنے والد ماجد کا گھر موجود تھا تو یہ بات زیادہ مناسب اور قرین قیاس ہے کہ آپ کی ولادت اپنے باپ کے گھر واقع ہوئی ہو۔ تاریخ نے کوئی ایسی وجہ نہیں بتائی جو اس سے مانع ہو۔ بلکہ عصر حاضر میں اس وقت تو آپ کا مکان ولادت معروف و مشہور ہے اس کا آپ کی جائے ولادت ہونا تواتر سے ثابت ہے اور یہ "شعب علی" کا پہلا حصہ ہے اور یہ مکان اس مشہور لائبریری والا مکان ہے جو "مکتبہ قطان" کے نام سے جانی جاتی ہے۔ جس کو الشیخ عباس قطان نے بعینہٖ اسی جگہ قائم کیا جہاں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی اور یہ اس گھر والی جگہ ہے جو حجاج کے بھائی محمد بن یوسف کا گھر کہلاتا تھا۔ امام سہیلی کا درج ذیل قول **"ولد بالشعب و قیل بالدار التی عند الصفا"** (آپ صلی اللہ علیہ وسلم شعب میں پیدا ہوئے اور کہا گیا ہے کہ اس گھر میں جو صفا کے پاس ہے)۔ کہ اس بات کو منظم بناتا ہے اور اس کے لیے باعث تقویت ہے کیونکہ وہ گھر شعب (گھاٹی) کے

شروع میں پڑتا تھا اور صفا سے سامنے نظر آتا ہے۔ وہ سوق الیل کے حلقہ میں تھا جس کے بارے تقی الدین الفاسی نے گفتگو کی ہے جب کہ انہیں امام سہیلی کے قول سے تعجب ہوا تو انہوں نے کہا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکان ولادت سوق الیل میں تھا بلکہ اس میں سے جو اب باقی رہ گیا ہے وہ اس کے پہلے حصہ میں آتا ہے اور صفا سے قریب تھا اور یہ کچھ بعید نہیں کہ بعض نے اسے شعب بنی ہاشم کی طرف منسوب کیا ہو کیونکہ وہ گھر اس وادی کے زیریں حصہ میں تھا اور بعض نے اسے اس کے کوہ صفا کے قرب و جوار میں واقع ہونے کے باعث اس کی طرف منسوب کیا ہے۔ ساما بعد نسل لوگوں نے اس بارے میں جو معلومات حاصل کی ہیں وہ اس نظریہ کی تائید کرتی ہیں۔ تمام مخلوق کے سردار (صلوات اللہ وسلامہ علیہ) نے اس میں جنم لیا اور یہی وہ شرف ہے جس کی بنیاد پر اسے روئے زمین کی تمام جگہوں سے برتری حاصل ہے اور وہ اس پر نازاں ہے اور مدینہ منورہ کو بھی مبارک ہو کہ وہ آپ کی جائے ہجرت بنا اور اس کو اس لیے بھی مبارک ہو کہ اس کی زمین آپ کے جسم اطہر کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہے اور دنیا کے کونے کونے کے ہم سب مسلمانوں کو بھی مبارک ہو کہ ہم آپ کے اتباع کا شرف حاصل کر رہے ہیں اور آپ کی امت میں سے ہیں اور انشاء اللہ آپ کی معیت میں آپ کے حوض کوثر پر وارد ہوں گے اور آپ کے مبارک ہاتھوں سے اس حوض کا پانی پئیں گے۔ آپ کی شفاعت سے بہرہ ور ہوں گے اور آپ کے گروہ میں اٹھائے جائیں گے۔ انشاء اللہ۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

رمضان المبارک کیسے گذارتے؟

مصنف

مفتی محمد خان قادری

عالمی دعوت اسلامیہ

فصیح روڈ، اسلامیہ پارک لاہور فون: ۴۵۹۳۰۰۳

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا
سینہ مبارک چاک
کیا گیا۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ معزز قاری اس عنوان کو پڑھ کر دہشت زدہ ہو جائے گا کہ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہماری جو محبت ہے اسکا شق صدر کیساتھ کیا تعلق ہے؟ اس پر طرہ یہ کہ عظیم مبلغ شیخ شعراوی کے بقول واقعہ شق صدر ان معجزات میں شمار ہوتا ہے جن سے اسلام پر غیرت رکھنے والے حضرات انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں "کہ اسلام اپنے سارے قضایا اور مسائل میں عقل کی ہمنوائی کرتا ہے مگر شق صدر کا معجزہ ایک ایسا معجزہ ہے جو عقل سے بالا ہے۔ استاد شعراوی ایسی باتوں کو رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "مذہب کو اس طریقے سے زیر بحث نہیں لایا جاسکتا۔ تم بلاشبہ اس بات میں آزاد ہو کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ مگر جب ایک بار دلائل کی بنیاد پر ایمان لاچکے ہو تو پھر جو کچھ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم پر اس کا قبول کرنا لازم ہوگا۔ پھر اس وقت ضروری ہوگا کہ تمہاری عقل کا عمل دخل محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے نقل و روایت کی تصدیق و توثیق تک ہی محدود رہے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے یا نہیں؟ یعنی کیا یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں"۔ اسی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

1- (وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا)

2- وما ینطق عن الھوی

اس میں کوئی شک نہیں کہ شق صدر کے واقعہ کے بارے میں بہت ساری احادیث وارد ہوئی ہیں۔ اہل زمانہ نے نسلاً" بعد نسل ان کو روایت کیا ہے۔ جن سے کسی حال میں بھی انکار کی گنجائش نہیں۔ بے شک یہ معجزہ ہے اور معجزہ وہ ہوتا ہے جس کی مثل لانے سے مخلوق عاجز ہو۔ وہ لوگ بعض دفعہ اس بات کا سہارا لیتے ہیں

کہ وہ عادت جس پر دنیا کا نظام چل رہا ہے معجزہ اس سے موافقت نہیں رکھتا مگر معجزہ اگر کائنات کے قانون کے مطابق جاری ہو تو پھر وہ معجزہ رہتا ہی نہیں۔ اعجاز کا راز اس میں پوشیدہ ہے کہ معجزہ اس طریقے پر ظاہر نہ ہو جس پر عموماً عادت انسانی جاری ہوا کرتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کے فعل کے ذریعے سے اس کا نام عادت کو پھاڑنے والا رکھا جاتا ہے۔ جس نے اس میں شک کیا' اس نے کفر کیا۔ العیاذ باللہ

مگر جدید اسلامی مفکرین کے ایک گروہ نے شق صدر کے واقعہ سے سرے سے انکار کیا ہے۔ انہوں نے اس موضوع کو ایک دوسرے زاویہ نظر سے دیکھا ہے۔ انہوں نے اس معجزہ پر باعتبار اعجاز اعتراض نہیں کیا بلکہ ان کا خیال یہ ہے کہ کمال اور برتری انسان کو اسی صورت میں حاصل ہو سکتی ہے جب کہ وہ اپنی خواہشات کو پچھاڑ دے' اپنی لذتوں کو رد کر دے۔ جس شخص نے اپنی خواہش کو پچھاڑ دیا اور اپنی شہوت پر غالب آ گیا وہ اس شخص کی بہ نسبت زیادہ کامل ہے' جس کو اس کی خواہش نے زیر کر لیا ہو اور اس پر غالب آ گئی ہو۔ پس وہ لوگ جو رسول اکرم علیہ السلام کو فرشتوں پر فضیلت دیتے ہیں وہ اسی حقیقت کا سہارا لیتے ہیں۔

بے شک فرشتے خواہشات کے غلبے اور ان سے مغلوب ہو جانے سے مامون و محفوظ ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وہ رنگ ہے جس پر انہیں پیدا فرمایا ہے اور شق صدر کا واقعہ ان لوگوں کی نظر میں جناب سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرشتوں کی جماعت میں داخل کر دیتا ہے کیونکہ ان کے خیال میں شق صدر کا یہ واقعہ آپ کو مغالبۃ (یعنی ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش) اور مصارعۃ (ایک دوسرے کو پچھاڑ دینا) کے عنصر سے مبرا قرار دیتا ہے اور یہی وہ خصوصیات ہیں جن سے کمال انسانی کا اندازہ لگایا جاتا ہے اور انہی کی بنیاد پر رسل کرام (علیہم السلام) ملائکہ سے ممتاز ہیں۔ ایسی رائے رکھنے والے مفکرین میں سے ایک بہت بڑے مصنف اور مفکر ڈاکٹر خالد محمد خالد بھی ہیں' جو اپنے ایک مقالہ بعنوان "محمد علیہ سلامہ العظیم" (صلی اللہ علیہ وسلم) میں کہتے ہیں کہ جیسا کہ آپ ایک انسان پیدا

ہوئے، ایسے ہی آپ نے اپنی زندگی بھی بحیثیت ایک انسان کے بسر کی اور ہم یہ رائے نہیں رکھتے کہ فرشتے سونے کا برتن اٹھائے ہوئے آسمان سے اترے اور مسکن شیطان کو آپ کے دل مبارک سے کھینچ لیا۔ پھر اسے گلاب کے پانی سے دھو کر جیسے پہلے تھا ویسے کر دیا۔ اگر یہ بات ہوئی ہو تو پھر آپ کی عظمت فکر، عظیم الشان زہد اور غیر معمولی شخصیت کو کوئی امتیازی شان حاصل نہ ہو سکے گا (رسالہ "الہدیٰ" دیکھئے نمبر ۶، ربیع الاول ۱۳۸۰ھ میں شائع ہوا۔ اگر شق صدر سے غرض یہی ہو تو پھر تو ان کی یہ بات درست ہوگی۔ مگر اس کی غرض و غایت کو تو بہت ساری ان احادیث نے جو واقعہ شق صدر کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، واضح کر دیا ہے۔ مثلاً ابی ابن کعب سے روایت ہے:

ان ابا ہریرة كان حريصا على ان يسأل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن اشياء لا يسأله عنها غيره فقال يا رسول الله ما اول ما رأيت من امر النبوة؟ فاستوى رسول الله صلى الله عليه وسلم جالسا و قال لقد سألت يا ابا هريرة اني لفي صحراء ابن عشر سنين واشهر و اذا بكلام فوق راسي و اذا برجل يقول لرجل أهو هو قال نعم فاستقبلاني بوجوه لم أرها لخلق قط و ارواح لم اجدها من خلق قط و ثياب لم اره على احد قط۔ فاقبلا الي يمشيان حتى اخذ كل واحد منهما بعضدي لا أجد لأخذهما مسا۔ فقال احدهما لصاحبه اضجعه فاضجعاني بلا قصر و لا هصر فقال احدهما لصاحبه افلق صدره فهوى احدهما الى صدري ففلقها فيما ارى بلا دم و لا وجع فقال اخرج الغل و الحسد فأخرج شيئا كهيئة العلقة ثم

بینھما فطرحھا فقال لہ ادخل الرحمۃ و الرافۃ فاذا مثل الذی اخرج شبہ الفضۃ ثم ھز ابھام رجلی الیمنی فقال اغد وا سلم فرجعت اغدو بھارقۃ علی الصغیر و رحمۃ و علی الکبیر (اس حدیث کو امام احمد بن حنبل نے اپنی کتاب "زوائد المسند" ۵: ۱۳۹ میں روایت کیا ہے

اور شرح الشفاء میں اسے ابن حبان کی طرف منسوب کیا اور حاکم اور ضیاء نے مختارہ میں۔ اور اسے صحیح قرار دیا ہے) (الفتح الربانی ۲۰: ۱۹۵-۱۹۲ اور شرح الشفاء للملا علی قاری ۱: ۱۷۰ اور دیکھئے مجمع الزوائد ۸: ۲۲۲-۲۲۳ میں کہا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔)

حضرت ابوہریرۃ جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ان چیزوں کے بارے میں سوال کرنے پر بڑے حریص تھے جن کے بارے ان کے علاوہ صحابہ میں سے اور کوئی سوال نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ ابوہریرۃ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے معاملہ میں وہ کون سی پہلی چیز تھی جو آپ نے دیکھی۔ یہ سن کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا اے ابوہریرۃ تو نے یہ پوچھا ہے تو اب میں تجھے بتاتا ہوں۔ دس سال اور کچھ ماہ میری عمر تھی۔ میں صحرا میں تھا کہ اچانک اپنے سر کے اوپر سے میں نے گفتگو سنی۔ ایک آدمی دوسرے آدمی سے کہہ رہا تھا "کیا یہ وہی ہیں؟" اس نے جواب دیا ہاں وہی ہیں۔ وہ ایسے چہروں کے ساتھ میرے سامنے آئے جو میں نے انسانوں کے ہرگز نہیں دیکھے تھے اور ایسی خوشبو کے ساتھ جو مخلوق میں میں نے ہرگز نہیں پائی تھی اور ایسی حالت لباس ان میں تھی جو میں نے ہرگز کسی میں نہ دیکھی تھی۔ چنانچہ

وہ دونوں میری طرف چل کر آئے یہاں تک کہ ان میں سے ہر ایک نے میرے بازو کو پکڑ لیا مگر میں نے ان کے پکڑنے کو محسوس نہ کیا۔ ان میں سے ایک نے اپنے دوسرے ساتھی سے کہا ان کو لٹا دو۔ چنانچہ ان دونوں نے مجھے بغیر کوئی تکلیف دیئے یا دباؤ ڈالے لٹا دیا۔ پھر ان میں سے ایک نے اپنے دوسرے ساتھی سے کہا ان کا سینہ چاک کیجئے۔ چنانچہ ان میں سے ایک میرے سینے کی طرف جھکا اور اسے چیر دیا۔ مگر جیسا کہ میں دیکھ رہا تھا اس سے نہ تو خون نکلا اور نہ ہی کسی قسم کا درد محسوس ہوا۔ اس نے کہا اس سے کینہ اور حسد نکال دیجئے۔ چنانچہ اس نے منجمد خون کی طرح کی کوئی چیز نکالی، اسے جھٹکا اور پھینک دیا۔ کہنے والے نے اپنے ساتھی سے کہا اس میں رحمت اور شفقت داخل کر دیجئے۔ پھر جو چیز نکالی گئی تھی اس کی مثل چاندی کی طرح کی ایک چیز رکھ دی گئی۔ اس کے بعد میرے دائیں پاؤں کے انگوٹھے کو ہلایا اور کہا جائیے اور ٹھیک ہو جائیے۔ میں لوٹا تو اس حال میں کہ چھوٹے کے ساتھ بہت نرمی اور بڑے کے ساتھ مہربانی کرنے والا تھا۔

بس شق صدر سے غرض صرف یہی تھی کہ آپ کے سینہ مبارک کو شفقت اور رحمت سے بھر دیا جائے اور دل کے شفقت اور رحمت سے بھرے ہوئے ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ آدمی جس کا دل شفقت رحمت سے بھر دیا گیا ہے اس کو اپنی خواہشات پر قابو پانے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ بلکہ یہ تو خواہشات نفسانی سے نبرد آزما ہونے کا بہت بڑا سبب ہے۔

مثال کے طور پر آپ کے درج ذیل قول کو بطور نمونہ لیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لو سرقت فاطمة بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لقطعت یدھا *

"اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتیں تو میں ان کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا"۔

وہ دل جو رحمت و رافت سے پر ہو تو اس کے لیے ناممکن ہوتا ہے کہ وہ اپنے جگر کے ٹکڑے پر بھی اس قسم کی حد قائم کرے، خصوصاً جب کہ اس کے دل میں اس کا ایسا مقام ہو جو سیدۃ فاطمہؓ کا جناب سیدالاولین والآخرین (صلوات اللہ علیہ وسلامہ علیہ) کے دل مبارک میں تھا۔ اس پر مزید یہ کہ بہت ساری احادیث اس حقیقت کا پتہ دیتی ہیں کہ وہ فرشتوں نے سینہ شریف کو حکمت و ایمان سے بھر دیا اور یہ روایت پہلی حدیث کے ساتھ متعارض نہیں کیونکہ رافت و رحمت حکمت کی محتاج ہوتی ہے اس لیے کہ شفقت اور رحمت کو نامناسب جگہ پر تو نہیں رکھا جاتا۔ یعنی اس کا غیر مناسب استعمال نہیں کیا جاتا۔ اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کی اپنے نفس کے ساتھ محاذ آرائی، رحمت کی دوسرے شخص کے بہت زیادہ تھی۔ کیونکہ آپؐ رحمۃ للعالمین ہیں اور آپ کا دل مبارک رحمت سے بھرا ہوا ہے مگر اس کے باوجود آپ اس کے لیے بے قرار رہتے تھے کہ آپ اپنی پوری طاقت اور عزم اور تمام تر قوت کے ساتھ کفار سے برسرپیکار ہوں اور ان پر سخت شدت کریں۔

کفار کے ساتھ جنگ کرتے وقت کوئی دوسرا شخص اس قدر نفسانی کشمکش سے دوچار نہیں ہوتا تھا جس قدر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے۔ جن کا دل مبارک کہ رافت و رحمت سے معمور تھا۔ کیونکہ اس کے دل میں موجود درجہ رحمت اس قدر کم تھا کہ اس کو اس درجہ رحمت پر جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل مبارک میں موجزن تھا قیاس ہی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ الگ بات ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس رحمت سے مقابلہ کرتے اور خاص طور پر وہ اس وقت آپ سے مقابلہ کرتی کہ اگر فاطمہؓ چوری کر لیتیں اور آپ ان کا ہاتھ کاٹ دیتے یا جب آپ

اپنے دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنے پر مجبور ہو جاتے۔ کیونکہ وہ بھی تو انہیں عالمین کی جنس میں سے ہیں جن عالمین کی طرف اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ پھر اس پر طرہ یہ کہ آپ کا درجہ رافت و رحمت تمام کے تمام لوگوں کے درجہ رافت و رحمت پر بھاری ہے۔ وہ احادیث جو اس حقیقت کی خبر دیتی ہیں کہ وہ فرشتوں کے آپ کے سینہ مبارک کو چاک کر دینے کے بعد اسے حکمت و ایمان سے بھر دیا گیا" بہت ہی زیادہ ہیں جن میں سے چند ایک کا ہیچ ذکر کیا جاتا ہے۔

عن ابی ذر رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فرج عن سقف بیتی وانا بمکۃ فنزل جبریل ففرج صدری ثم غسلہ بماء زمزم ثم جاء بطست من ذھب ممتلئ حکمۃ و ایمانا فافرغہ فی صدری ثم اطبقہ

حضرت ابوذر غفاری سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے گھر کی چھت میں سوراخ کر دیا گیا اور میں اس وقت مکہ میں تھا۔ جبریل علیہ السلام اترے، انہوں نے میرا سینہ چاک کیا پھر زمزم کے پانی کے ساتھ اسے دھویا پھر ایک سونے کی طشت جو حکمت و ایمان سے پر تھی اس کو میرے سینہ میں انڈیل دیا اس کے بعد سینہ کو بند کر دیا۔ (حدیث متفق علیہ ہے)

و عن مالک بن صعصعۃ رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بینما انا عند البیت بین النائم و الیقظان و ذکر یعنی رجلا بین الرجلین فاُتیتُ بطست من ذھب ملآن حکمۃ و ایمانا فشق من النحر الی مراق البطن ثم غسل البطن بماء زمزم ثم ملئی حکمۃ و ایمانا

حضرت مالک بن صعصعہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دریں اثنا کہ میں ابھی اپنے گھر میں نیم خواب اور نیم بیدار آدمی کی جو کیفیتیں ہوا کرتی ہیں ان کی درمیانی کیفیت میں تھا۔ (یعنی نہ تو بالکل ہی سویا ہوا تھا اور نہ ہی مکمل طور پر بیدار تھا) کہ میرے پاس سونے کی ایک طشتری لائی گئی جو حکمت و ایمان سے بھری ہوئی تھی۔ متفق علیہ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

بخاری و مسلم کے الفاظ یوں ہیں:

وایضا قال صلی اللہ علیہ وسلم بینما أنا فی الحطیم و فی الحجر مضطجعا اذا أتانی آت فقد قال و سمعته یقول فشق ما بین ھذہ الی ھذہ ۔۔۔ الحدیث

جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں حطیم میں تھا یا فرمایا کہ میں حجر میں تھا اور پہلو کے بل لیٹا ہوا تھا کہ اتنے میں ایک آنے والا میرے پاس آیا میرا چند لمبائی میں چیر دیا۔ راوی نے کہا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "فقد" کی بجائے "فشق ما بین ھذہ الی ھذہ" فرماتے سنا۔ یہاں سے لے کر یہاں تک چیر دیجئے۔ الحدیث

بخاری و مسلم کی تیسری روایت میں اس طرح ہے:

فاتیت فانطلق بی فاتیت بطست من ذھب فیھا من ماء زمزم فشرح صدری الی کذا و کذا یعنی اسفل بطنی

میں آیا اور مجھے ساتھ لے جایا گیا میرے پاس سونے کی ایک پلیٹ لائی گئی جس میں زمزم کا پانی تھا۔ میرے سینہ کو اس جگہ

اور اس جگہ تک یعنی پیٹ کے نچلے حصہ تک کھولا گیا۔

ایک اور روایت میں بھی ایسے ہی ہے۔

فاتیت بطست من ذھب ممتلی حکمۃ و ایمانا فشق من النحر الی مراق البطن بما زمزم۔۔۔۔ (بخاری نے اس حدیث کو "کتاب بدء الخلق" ملائکہ کے ذکر کے باب میں اور باب المعراج "کتاب مناقب الانصار میں روایت کیا ہے۔ امام مسلم نے اس کو "کتاب الایمان" جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آسمانوں کی طرف معراج کے باب میں ذکر کیا ہے۔ حدیث نمبر ۲۶۴ ـ ۲۶۵ ' احمد ' ترمذی ' نسائی اور دیگر محدثین حضرات نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے) (الحدیث)

سونے کی بنی ہوئی ایک طشتری میرے پاس لائی گئی جو حکمت و ایمان سے پر تھی۔ پھر گلے کے ابتدائی حصہ سے لے کر پیٹ کے نرم حصہ تک اسے چیر دیا اور زمزم کے پانی کے ساتھ اسے دھویا گیا۔

و عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتیت فانطلقوا بی الی زمزم فشرح عن صدری ثم غسل بماء زمزم ثم انزلت (اللفظ المسلم)

حضرت انس سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں آیا بعد ازاں مجھے چاہ زمزم کے پاس لے گئے۔ میرے سینے کو کھولا اسے زمزم کے پانی کے ساتھ دھویا گیا پھر مجھے چھوڑ دیا گیا۔

یہ الفاظ مسلم کے ہیں

البرقانی نے اپنی روایت میں یوں اضافہ کیا ہے :

ثم انزلت علی طست من ذھب مملوءة حکمة و ایمانا

پھر مجھے حکمت و ایمان سے بھری ہوئی سونے کی ایک پلیٹ کے پاس لایا گیا

اور بخاری کے الفاظ اس طرح ہیں :

فلم یکلموہ حتی احتملوہ فوضعوہ عند بئر زمزم فتولاہ منھم جبریل علیہ السلام فشق جبریل ما بین نحرہ الی لبتہ حتی فرغ من صدرہ و جوفہ و غسلہ بماء زمزم حتی انقی جوفہ ثم اتی بطست من ذھب (الخ)

(الحدیث متفق علیہ)

(امام بخاری نے کتاب التوحید کلم اللہ موسیٰ علیہما کے بارے میں جو وارد ہوا ہے اس باب میں اور صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باب کتاب الانبیاء میں اس حدیث کو روایت کیا ہے امام مسلم نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آسمانوں کی طرف معراج کے باب کتاب الایمان میں اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ حدیث نمبر ۲۶۱ نیز امام ترمذی' نسائی' اور احمد وغیرہ نے اس کو روایت کیا ہے)

انہوں نے آپ کے ساتھ کلام نہ کی یہاں تک کہ آپ کو اٹھایا اور چاہ زمزم کے پاس اتار دیا ان میں سے جبریل علیہ السلام نے یہ کام اپنے ذمے لیا۔ چنانچہ انہوں نے آپ کا سینہ مبارک درمیان سے لے کر گردن کے اگلے حصہ تک چیر دیا۔ یہاں تک کہ وہ آپ کے سینے اور پیٹ مبارک سے فارغ ہو گئے۔ اسے

زمزم کے پانی سے دھو دیا اور اس قدر دھویا کہ بالکل صاف کر دیا۔ اس کے بعد سونے کی ایک پلیٹ لائی گئی۔ الخ

اس حدیث پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے۔

عن ابی بن کعب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فرج سقف بیتی و انا بمکۃ فنزل جبریل ففرج صدری ثم غسلہ بماء زمزم ثم جاء بطست من ذھب ممتلی حکمۃ و ایمانا فافرغہا فی صدری ثم اطبقہ

عبداللہ بن احمد بن حنبل نے "زوائد المسند" ۵/۱۴۳۔ ۱۴۴ میں اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ اس کے رجال صحیح والے رجال ہیں۔ جیسا کہ الہیثمی "مجمع الزوائد" ۱/۶۱۔ ۲۱ میں کہتے ہیں۔

ابی ابن کعب سے مروی ہے کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے گھر کی چھت میں سوراخ کیا گیا اور میں اس وقت مکہ میں تھا جبریل علیہ السلام اترے میرا سینہ کھولا۔ اس کے بعد اسے زمزم کے پانی سے دھویا۔ پھر سونے کی بنی ہوئی ایک طشتری لائی گئی جو حکمت و ایمان سے پر تھی پھر اسے میرے سینہ میں انڈیل دیا۔ بعد ازاں میرا سینہ بند کر دیا گیا۔

و عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ فی قول اللہ عزوجل (سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا) قال جاء جبریل علیہ السلام الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و معہ میکائیل فقال جبریل لمیکائیل علیہما السلام ائتنی بطست من ماء زمزم کیما اطہر قلبہ و اشرح لہ صدرہ قال فشق عن بطنہ فغسلہ ثلاث مرات الحدیث

(بزاز، ابو یعلیٰ، ابن جریر الطبری، محمد بن نصر المروزی، ابن حاتم اور ابن مردویہ وغیرہ حضرات نے اس حدیث کو روایت کیا ہے)

اللہ عزوجل کے قول سبحان الذی اسریٰ بعبدہ کی تفسیر میں درج ذیل حدیث مروی ہے۔ انہوں نے کہا جبرئیل علیہ السلام میکائیل کی معیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ جبرائیل علیہ السلام نے میکائیل سے کہا مجھے زمزم کے پانی سے ایک طشتری بھر کر لا دیجئے۔ تاکہ ان کے دل مبارک کو پاک کروں اور ان کے لیے ان کا سینہ کھول دوں۔ راوی کہتے ہیں کہ بعد ازاں جبرائیل نے حضور صلی اللہ علیہ سلم کے بطن کو چاک کیا اور اسے آپ زمزم سے تین مرتبہ دھویا۔

و عن خالد بن معدان عن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھم قالو یا رسول اللہ اخبرنا عن نفسک قال انا دعوۃ ابی ابراہیم و بشری عیسی بن مریم و رأت أمی حین حملت بی انہ خرج منہا نور اضاءت لہ قصور بصری من ارض الشام و استرضعت فی بنی سعد بن بکر بینما انا مع اخ لی فی بہم لنا اتانی رجلان ثبیاب بیاض معھما طست من ذھب مملوء ثلجا فاضجعانی فشقا بطنی ثم استخرجا قلبی فغسلا ثم جعلا فیہ حکمۃ و ایمانا (ابن عساکر نے اس حدیث کو اپنی کتاب "تاریخ دمشق" ۱/۳۸۹ میں ابن بدران

کی کتاب "تہذیب تاریخ دمشق الکبیر" سے روایت کیا ہے)

خالد بن معدان سے روایت ہے انہوں نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ صحابہ نے ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اپنے بارے میں کچھ بتایئے۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا "میں اپنے باپ حضرت ابراہیم کی دعا ہوں اور عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی بشارت ہوں۔ جب میری والدہ ماجدہ میرے ساتھ حاملہ ہوئیں تو انہوں نے دیکھا کہ ان سے ایک نور نکلا ہے جس سے سرزمین شام میں بصری کے محلات روشن ہو گئے ہیں۔ مجھے بنی سعد بن بکر میں دودھ پلایا گیا۔ ایک دفعہ جب کہ میں اپنے ایک رضاعی بھائی کے ساتھ اپنے مویشیوں میں تھا کہ اچانک سفید لباس میں ملبوس دو شخص میرے پاس آئے۔ ان کے ہمراہ برف سے بھری ہوئی سونے کی ایک طشتری تھی۔ انہوں نے مجھے پکڑ کے بل لٹا دیا۔ میرا پیٹ چاک کیا۔ پھر میرے دل کو نکال کر دھویا اور اسے حکمت و ایمان سے بھر دیا۔"

آپ دیکھتے ہیں کہ آپ کا سینہ مبارک چاک کرنا اسے رافت و رحمت سے بھرنے کی غرض سے تھا اور اس لیے تھا کہ اسے حکمت و ایمان کے ساتھ پر کر دیا جائے تاکہ آپ حکمت کے مطابق رافت و رحمت کو کام میں لائیں اور اس میں تصرف فرمائیں۔ خواہ ایسا تصرف آپ کی خواہش و رغبت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ ہم اس سے پہلے کافی مثالیں دے چکے ہیں۔ یہ ذہن میں رہنا چاہیے کہ شق صدر شریف اور عنصر بشریت کے مابین جس میں تمام لوگ آپ کے ساتھ شریک ہیں ذرہ بھر بھی کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ الٹا اس میں تو وہ کچھ ہے جو آپ کی مہم اور آپ کے کام

کو یہ نسبت دوسروں کے مشکل تر بنا دیتا ہے۔ خصوصاً اس وقت جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایسے شخص پر حد شرعی قائم کرنے کا ارادہ فرمایا ہو جو آپ کا محبوب ہو یا جب مشرکین کے ساتھ جنگ کرنے پر آپ مجبور ہوتے۔ حالانکہ آپ رحمۃ اللعالمین ہیں۔ دیگر لوگوں میں کوئی بھی ایسا نہیں جو رقت قلب اور رحمت میں آپ کی گرد راہ تک بھی پہنچ سکے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور نے اگر کسی دوسرے شخص پر کوئی حد قائم کرنا چاہی یا اس نے مشرکین سے لڑائی کی تو آپ کی بہ نسبت (جن کا سینہ رافت و رحمت سے معمور تھا) اس کے لیے یہ کم گراں اور کم مشکل ہوتا تھا۔ بہت سارے طرز ہائے عمل اور حالات و واقعات مقتضائے حکمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اس جذبہ رافت و رحمت کے خلاف عمل پیرا ہونے پر مجبور کر دیتے تھے۔ مثلاً کفار کے ساتھ جنگ کرتے وقت یا زید کے اپنی بیوی کو طلاق دینے کے معاملہ میں اور پھر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ کا آپ کو یہ حکم دینا کہ آپ ان کی مطلقہ سے شادی کر لیں۔ باوجود اس کے کہ اس زمانہ میں اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے شادی کرنا رسم و رواج کے خلاف تھا اور اس رسم و رواج کا یہ بوجھ جو اس زمانہ کے لوگوں پر مسلط تھا آپ کو اس کا سامنا کرنا پڑا۔

یہ معاملہ ہو یا اس قبیل کے دیگر معاملات ہوں جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ احکامات صادر ہوئے آپ نے تعمیل حکم الٰہی میں اپنے نفس سے مقابلہ کیا اور اس پر غالب رہے۔ جب کہ ایسا کرنا اور کسی کے بس کی بات نہ تھی۔ ہر قسم کے حالات اور رسوم و رواج کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنے نفس کو نیچا دکھایا جب کہ دوسرے لوگ زیر ہو گئے۔

جہاں تک آپ کے سینہ مبارک کو ایمان کے ساتھ پر کرنے کا تعلق ہے وہ اس لیے ضروری تھا کہ چونکہ آپ کو لوگوں کا رہبر و رہنما بننا تھا اور انہوں نے آپ کی اقتداء کرنا تھی لہٰذا ضروری تھا کہ آپ کا ایمان ان کی رگ و پے میں سرایت کر جائے۔ اسی سبب سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس درجہ کامل الایمان بنایا کہ اگر آپ کا

یہ ایمان تمام لوگوں میں تقسیم بھی کر دیا جائے تو وہ سارے کے سارے اس کی پنہائیوں میں سما جائیں اور آپ ان کے لیے ایک کامل و اکمل نمونہ بن کر ابھریں۔ جیسا کہ آپ تمام انسانیت کے لیے رہتی دنیا تک ہیں۔

اس بات کا بشریت کے ساتھ کوئی تعارض نہیں اور نہ ہی یہ نفوس کو پچھاڑ دینے اور ان پر غلبہ حاصل کرنے کے خلاف ہے۔ بے شک ایک مومن کو اس کا ایمان جہاد و قتال پر ابھارتا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ باوجود اس قوت ایمانی کے وہ قتل و قتال اور جنگ و جدال سے مطمئن اور خوش ہے۔ کیوں اس طرح نہ ہو جب کہ اللہ کا ارشاد ہے کتب علیکم القتال و هو کرہ لکم اسراء اور معراج کی رات جسد مبارک شق کرنے میں یہ حکمت تھی کہ آپ نے اللہ کے حضور حاضر ہونا تھا۔ قاب قوسین یا اس سے بھی کم فاصلہ اللہ کا قرب حاصل کرنا اس سے ہم کلام اور مانوس ہونا اور سرگوشی کرنا تھا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ ایک ایسی خوبی ہے جس میں آپ سارے جہانوں سے منفرد و ممتاز ہیں۔ دوسری یہ کہ اس کے لیے ایک قوت کی ضرورت ہے جو انسانی طبیعت میں نہیں پائی جاتی اور نہ ہی دنیا میں کسی کو اس کی ضرورت ہے۔ قصہ اسراء و معراج میں مذکورہ والا طریقہ سے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری اور ان کے دیدار کی جو رسم تھی اس کو اس شخص پر جو اس سے مشرف ہونے والا تھا خواہ وہ کوئی بھی تھا ایسا لازوال تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سوائے اپنے حبیب اعظم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کو یہ شرف نہیں بخشا اور نہ ہی اپنی ساری مخلوق میں سے سوائے آپ کے کسی اور کو اس کے لیے خاص کیا ہے۔ کیوں ایسا نہ ہو جب کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا و خر موسیٰ صعقا اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لیے نہیں بلایا تھا کہ آپ کو پاش پاش کر دے یا آپ کو بے ہوش کر دے بلکہ اس لیے بلایا تھا

کہ آپ کو اس شرف سے نوازے جس کے ساتھ ساری دنیا کو چھوڑ کر آپ کو خاص
کیا۔ حضوریوں اور باریابیوں کی دعوت دی تو پھر آپ کو اس ذمہ داری کی سطح پر پورا
اترنے اور اس کا بوجھ اٹھانے کے قابل بھی بنا دیا اور یہ چیز ہرگز ہرگز انسانی
خصائص اور تقاضا ہائے بشریت کے منافی نہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ آپ کی مدح میں
فرماتے ہیں **مازاغ البصر و ما طغی** (آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی)
اس بات کا بھی امکان تھا کہ آپ کی چشم مبارک فطرت انسانی کے تقاضے کے مطابق
جو آپ کے اور تمام انسانوں کے مابین مشترک ہے ٹیڑھی ہو جاتی یا حد سے گزر
جاتی۔ مگر آپ اس طبیعت و فطرت پر اس وقت غالب آگئے جسے کوئی دوسرا اس
کی قدرت نہیں رکھ سکتا تھا اور آپ نے اس کو زیر کر لیا۔ جب کہ ایسا کرنا کسی اور
فرد بشر کے بس کی بات نہ تھی۔ تب تو یہ ثابت ہوا کہ یہ نظریہ کہ آپ کے صدر
شریف کو چاک کرنے کا مطلب آپ کو اس بشریت سے نکالنا تھا جس میں آپ دیگر
انسانوں کے ساتھ شریک ہیں۔ کسی ٹھوس اور صحیح بنیاد پر قائم نہیں۔ اس پر حق یہ
کہ احادیث کثیر اس موضوع میں وارد ہوئی ہیں جن میں سے ہم چند ایک کا یہاں ذکر
کرتے ہیں۔

شق صدر

و عن عائشہ رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکف ہو وخدیجۃ شہرا بحراء فوافق ذلک شہر رمضان فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسمع السلام علیک قالت فظننت انہ فجاءۃ الجن فقال ابشروا فان السلام خیر ثم رأی یوما اخر جبریل علیہ السلام علی الشمس جناح لہ بالمشرق و جناح لہ بالمغرب فہبت منہ قالت فانطلق یرید

اھلہ فاتانا بینہ و بین الباب قال فکلمنی حتی استأنست بہ ثم وعدنی موعدا قال فجئت لموعدہ و احتبس علیّ جبریل فلما اراد ان یرجع اذا ھو بہ و میکائیل صلی اللہ علیہما فھبط جبریل الی الارض و بقی میکائیل بین السماء و الارض قال فاخذ نی جبریل فلصقنی بحلاوة القفا شق عن بطنی فاخرج منہ ماشاء اللہ ثم غسلہ فی طست من ذھب ثم اعاد فیہ ثم کفانی کما یکفی الاناء ثم ختم فی ظھری حتی وجدت مس الخاتم (ابوداؤد الطیالسی نے اس حدیث کو اپنی مسند ۲: ۸۶ (حدیث نمبر ۲۳۱۸) میں روایت کیا ہے جیسا کہ منحۃ المعبود میں مذکور ہے۔ حارث نے اپنی مسند میں اس کو روایت کیا ہے جیسا کہ فتح الباری ۱: ۴۶۰ میں منقول ہے۔ ابونعیم نے اپنی دلائل النبوۃ ۱۷۵ میں اور بیہقی نے اپنی دلائل النبوۃ ۱: ۳۹۸ میں اس کو نقل کیا ہے۔ (حدیث)

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ نے ایک ماہ اعتکاف کیا۔ حسن اتفاق سے یہ اعتکاف ماہ رمضان میں وقوع پذیر ہوا۔ جناب رسول کریم غار سے باہر نکلے تو کسی کہنے والے کو سنا وہ کہہ رہا تھا "السلام علیک" حضرت خدیجہ کہتی ہیں کہ میں نے گمان کیا کہ شاید اچانک آپ کے پاس کوئی جن آگیا ہے مگر آپ نے فرمایا اے خدیجہ خوش ہو جاؤ بے شک سلام میں بھلائی ہے۔ پھر کسی اور دن آپ نے جبرائیل علیہ السلام کو سورج کے اوپر دیکھا۔ ان کا ایک پر مشرق میں تھا اور دوسرا مغرب میں۔ حضرت خدیجہ

ان سے ڈر گئیں۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ آپ چل پڑے۔
گھر جانے کا ارادہ تھا۔ جبریل علیہ السلام آپ کے اور آپ کے
دولت کدہ کے دروازے کے مابین حائل ہو گئے۔ آپ صلی اللہ
علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ انہوں نے میرے ساتھ کلام بھی کیا حتی
کہ میں ان کے ساتھ مانوس ہو گیا۔ پھر میرے ساتھ ملاقات کا
وعدہ کر کے چلے گئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں ملاقات کے لیے
طے شدہ وقت پر پہنچ گیا وہ بھی آ گئے۔ انہوں نے مجھے روکا
مگر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس جانے کا ارادہ فرمایا
تو آپ کیا دیکھتے ہیں کہ جبرائیل و میکائیل کے ساتھ ہیں۔
جبرائیل علیہ السلام زمین کی طرف نازل ہوئے۔ میکائیل زمین و
آسمان کے درمیان ہی رہے۔ آپ نے فرمایا کہ جبرائیل نے مجھے
پکڑ کر کمر کے بل لٹا دیا۔ میرے پیٹ کو چاک کیا اور جو کچھ اللہ
تعالیٰ نے چاہا میرے پیٹ سے نکال باہر کیا۔ پھر اسے سونے کی
طشتری میں دھو کر پھر جسم میں رکھ دیا۔ پھر مجھے اپنے اوپر الٹا
جیسے ایک برتن کو اوندھا کیا جاتا ہے۔ اس سب کارروائی کے
بعد میری پشت پر مہر لگا دی جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے دل کو
بھی محسوس کیا۔

ثابت البنانی سے روایت ہے انہوں نے انس ابن مالک سے روایت کی:

ان رسول اتاہ جبریل علیہ السلام و ھو یلعب مع
غلمان فاخذہ فصرعہ فشق عن قلبہ فاستخرج القلب
فاستخرج منہ علقہ فقال ھذا حظ الشیطان منک ثم
غسلہ فی طست من ذھب بماء زمزم ثم لأمہ ثم اعادہ

فی مکانہ و جاء الغلمان یسعون إلی أُمہ (یعنی ظئرہ) فقالوا ان محمداً صلی اللہ علیہ وسلم قد قتل

(کتاب الایمان" "باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی السموات حدیث نمبر ۲۶۱" مسند امام احمد) ۳' ۱۲۱' ۱۴۹' ۲۸۸ ج- ان دونوں حضرات کے ہاں حدیث کے آخر میں یوں ہے "میں اس سلائی کا نشان اپنے سینے میں دیکھتا تھا)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اس وقت آپ لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ انہوں نے آپ کو پکڑا اور زمین پر گرا دیا۔ آپ کا دل مبارک نکال کر چاک کیا' اس میں سے جما ہوا خون نکال باہر کیا اور کہا یہ آپ سے شیطان کا حصہ تھا پھر دل کو سونے کی ایک پلیٹ میں رکھ کر زمزم کے پانی سے اسے دھویا۔ پھر اسے دوبارہ جوڑا اور اپنی جگہ میں رکھ دیا۔ یہ منظر دیکھ کر لڑکے آپ کی والدہ (یعنی حضرت حلیمہ) کی طرف دوڑتے گئے اور کہنے لگے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (معاذ اللہ) قتل کر دیے گئے ہیں۔

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے

حضرت حلیمہ سعدیہ اپنی ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی والدہ ماجدہ سے حاصل کرنے اور دودھ پلانے کے بارے میں بیان کرتی ہیں۔ اس کا مکمل بیان حدیث میں یوں ہے:

قالت فبینما ھو یلعب و اخوہ یوما خلف البیوت یرعیان بھمالنا اذ جاءنا اخوہ یشتد فقال لی ولأبیہ أدرکا اخی القرشی قد جاءہ رجلان فاضجعاہ فشقا بطنہ فخرجنا نحوہ یشتد فانتھینا الیہ و ھو قائم منتقع

لونہ' فاعتنقہ ابوہ' و اعتنقتہ ثم قلنا مابک ای بنی قال اتانی رجلان علیھما ثیاب بیض فاضجعانی ثم شقا بطنی فواللہ ما ادری ما صنعا قالت فاحتملناہ فرجعنا بہ الی البیت (اس حدیث کو ابو یعلیٰ اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔ ان دونوں کے رجال ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد ۸' ۲۲۰۔ ۲۲۱) الحدیث

حلیمہؓ کہتی ہیں کہ آپ اور آپ کے بھائی گھر کے پچھواڑے میں کھیل رہے تھے اور ہمارے مویشی چرا رہے تھے کہ اچانک ان کا رضاعی بھائی ہماری طرف دوڑتا ہوا آیا اور مجھ سے اور اپنے باپ سے کہنے لگا میرے قریشی بھائی کی مدد کو پہنچئے۔ ان کے پاس دو آدمی آئے ہیں۔ انہوں نے آتے ہی ان کو لٹا دیا ہے اور ان کا پیٹ چاک کر دیا ہے۔ حضرت حلیمہؓ کہتی ہیں کہ ہم گھبرا کر ان کی طرف دوڑتے ہوئے گئے۔ جب ان کے پاس پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ کھڑے ہیں اور ان کا رنگ متغیر ہو چکا ہے۔ ان کے باپ نے ان کو گلے سے لگا لیا۔ پھر میں بھی ان سے [illegible] کیا ہوا۔ [illegible] میرے پاس دو آدمی آئے جنہوں نے سفید رنگ کے کپڑے زیب تن کیے ہوئے تھے۔ انہوں نے آتے ہی مجھے لٹا دیا۔ میرا پیٹ چاک کیا۔ بخدا مجھے معلوم نہیں کہ پھر انہوں نے کیا کیا۔ حضرت حلیمہ کہتی ہیں ہم نے ان کو اٹھا لیا اور گھر واپس آ گئے۔

اس کے علاوہ اس بارے میں اور بھی بہت ساری احادیث ہیں۔ اگر میں ان کو تفصیل سے بیان کروں تو بحث طویل ہو جائے گی۔ مجھے یقین ہے کہ جو کچھ میں نے بیان

کیا ہے وہ کافی و وافی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ نے فتح الباری (۷: ۲۰۴) میں اس شخص کے رد کے باب میں، جس نے معراج کی رات سینہ مبارک چاک کرنے سے انکار کیا تھا فرمایا کہ اس میں انکار کی کوئی گنجائش نہیں اور یہ امر مسلم ہے کہ اس موضوع میں لگاتار اور پے در پے روایات وارد ہوئی ہیں۔

شیخ الاسلام احمد ابن عبدالرحیم جو ولی اللہ الدہلوی کے لقب سے معروف ہیں، اپنی یگانہ روزگار کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں لکھتے ہیں "فرشتے ظاہر ہوئے، آپ کے دل مبارک کو چاک کیا، اس کو ایمان و حکمت سے بھر دیا اور یہ سارا واقعہ عالم مثال اور عالم شہادت کے درمیان پیش آیا" (مذکورہ بالا عبارت ابوالحسن الندوی کی کتاب السیرۃ النبویۃ سے نقل کی گئی ہے) (دار الشروق) اسی سبب سے دل کا چاک کرنا ہلاکت کا باعث نہ بنا۔ چنانچہ آپ کے سینہ مبارک میں دھاگے کی طرح اس شق کا نشان ہمیشہ باقی رہا اور ایسے ہی ہر اس چیز کا حال ہوتا ہے جس میں عالم مثال اور عالم شہادت کا اشتراک اور امتزاج ہو جائے۔ ابن اسحاق نے کہا کہ مجھ سے جہم ابن ابی جہم نے جو حارث ابن حاطب الجمحی بن عبداللہ کا غلام تھا بیان کیا اس نے جعفر بن ابی طالب یا ان سے جنہوں نے ان سے یہ حدیث بیان کی، روایت کیا اور کہا کہ حلیمہ بنت ابی ذوہب السعدیہ جناب صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ، جنہوں نے آپ کو دودھ پلایا، بیان کرتی ہیں کہ ہم جب آپ کو لے کر اپنے گھر واپس لوٹے، آپ ہمارے ان کو اپنے گھر لے آنے کے کئی ماہ بعد اپنے رضاعی بھائی کے ہمراہ ہمارے گھروں کے پچھواڑے ہمارے مویشیوں میں موجود تھے کہ اچانک ان کا بھائی دوڑتا ہوا آیا اور مجھ سے اور ان کے باپ سے کہنے لگا کہ میرے اس قریشی بھائی کو دو آدمیوں نے جو سفید کپڑوں میں ملبوس ہیں پکڑ لیا ہے اور ان کو پہلو کے بل لٹا کر ان کا پیٹ چاک کر دیا ہے اور ان کے اندر کی چیز نکال دی ہے۔ حلیمہؓ کہتی ہیں کہ یہ ماجرا سن کر میں اور ان کا باپ اور بھائی باہر نکلے۔ ہم نے ان کو اس حال میں پایا کہ وہ کھڑے تھے اور ان کا چہرہ مبارک کا رنگ اترا ہوا تھا۔ چنانچہ باری باری میں نے بھی اور ان کے باپ

نے بھی ان کو سینے سے چمٹایا اور ان سے پوچھا اے بیٹے کیا ہوا۔ فرمایا میرے پاس دو آدمی آئے جنہوں نے سفید لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ انہوں نے مجھے لٹا دیا اور میرے پیٹ کو چاک کیا۔ پھر اس میں کوئی چیز تلاش کرنے لگے۔ مجھے پتہ نہیں کہ وہ کیا چیز تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہم انہیں اپنے خیمے کی طرف واپس لائے۔

ابن اسحاق نے کہا ثور بن یزید نے اہل علم میں سے کسی شخص کی روایت سے یہ حدیث مجھے بیان کی ہے اور میرا خیال ہے کہ وہ شخص خالد بن معدان الکلاعی ہی ہیں جو کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں سے چند نے جناب سے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول ہمیں اپنے بارے میں کچھ بتائیے۔" فرمایا میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں اور جب میری والدہ ماجدہ میرے ساتھ حاملہ ہوئیں تو انہوں نے دیکھا کہ ایک نور ان کے بطن مبارک سے نکلا ہے جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے ہیں۔ میں نے بنی سعد بن بکر میں دودھ پیا۔ ایک دن میں ان کے گھروں کے پچھواڑے اپنے بھائی کے ساتھ تھا۔ ہم لوگ مویشی چرا رہے تھے کہ اچانک میرے پاس دو آدمی سفید لباس میں ملبوس ایک سونے کی طشتری لے کر آئے جو برف سے بھری ہوئی تھی انہوں نے مجھے پکڑا میرے بطن کو چاک کیا اور میرے دل کو باہر نکالا اسے بھی چاک کیا اور اس سے سیاہ رنگ کا جما ہوا خون نکال کر باہر کیا۔ پھر میرے دل کو اور پیٹ کو اس برف کے ساتھ اس قدر دھویا کہ ان کو بالکل صاف کر دیا"۔

ان راویان احادیث میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس پر عیب لگایا جا سکے یا اس کے بارے میں کسی قسم کی ملاوٹ' جھوٹ یا اختلاق کا علم ہو سکا ہو جو اس کی طرف سے روایت کردہ حدیث کے انکار کا سبب بن سکے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ قصہ شق صدر، صحیح ہے بخاری و مسلم میں صحیح متن کے ساتھ وارد ہوا ہے اور معروف ضابطہ یہ ہے کہ متن کے ہوتے ہوئے اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے ان لوگوں سے تعجب ہے جو اس واقعہ سے انکار کرتے ہیں جس کے وقوع کے بارے میں متواتر حدیثیں وارد

ہوئی ہیں جن میں سے ہر ایک دوسری کے لیے باعث تقویت ہے۔ اور یہ کسی قسم کے تردد یا اشتباہ کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑتیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ سارے کے سارے دلائل اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ آپ کے سینہ مبارک کو دو فرشتوں نے چاک کیا اور اس میں سے وہ جما ہوا خون جو شیطان کا حصہ تھا نکال دیا اور اس کو ایسے ہی شفقت اور رحمت سے بھر دیا جیسے کہ اسے حکمت سے پر کیا تھا۔ اور اسی حکمت کے بل بوتے پر آپ شفقت و رحمت کا صحیح استعمال فرماتے تھے۔ اسی طرح اس کو ایمان سے بھی بھر دیا تاکہ آپ تمام مومنین کے لیے کامل نمونہ بنیں۔ جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ (شق صدر) کے عمل میں کوئی بھی ایسی بات نہیں جو آپ کی بشریت کے مخالف ثابت ہو یہ تو وہی کچھ ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس قول سے اخذ کیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی تشریف آوری کے عظیم احسان و انعام کو یاد دلاتے ہوئے فرمایا:

لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم
حریص علیکم بالمومنین رءوف رحیم

"بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر
تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے
والے مسلمانوں پر کمال مہربان"۔

اسی سبب سے آپ کی محبت ہم پر واجب ہوئی ہے کہ آپ ہمارے ساتھ بہت زیادہ شفقت کرنے والے اور ہم پر رحم کرنے والے ہیں۔ اور اس لیے کہ آپ مسلمانوں کے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ ان کا "مشقت میں پڑنا" اور ان پر ظلم آپ پر گراں ہے تو پھر اگر ہم اس سے محبت نہ رکھیں جس کا ہمارے ساتھ یہ حال ہو تو پھر اور کس سے محبت رکھیں گے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

و ھل یکون حمیدا ان یجلد لنا   و انا بخلہ الحق بخال

"کیا یہ بات ہمیں زیب دیتی ہے کہ ہمارے لیے دست شفقت دراز کیا جائے اور ہم ادائیگی حق میں بخل سے کام لیں"۔

جیسا کہ کہتے ہیں کہ بیشہ بات سے بات نکلتی ہے تو ہمیں بھی چاہیئے کہ ہم بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر معجزات کے ذکر سے برکت حاصل کریں اور ان معجزات کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ پر انعام کیا ہے اس کا کچھ علم ہمیں بھی حاصل ہو جائے اور جو ہم پر احسان کیا ہے اور جس کی بدولت آپ کی محبت و اطاعت ہم پر فرض ہے اس کا کچھ کھوج لگائیں۔

آپ کی محبت اللہ تعالیٰ کی ہی محبت ہے اور آپ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی ہی اطاعت ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ومن اطاع الرسول فقد اطاع اللہ النبی اولی بالمومنین من انفسہم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤوف رحیم

"اے محبوب فرما دو کہ لوگو اگر تم اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا اور اللہ تعالیٰ کے بعد جس نے آپ کو سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے آپ سے بڑھ کر ہماری محبت کا اور کون حقدار ہو سکتا ہے"۔ اللھم صل وسلم وبارک علیہ

دیگر معجزات

بہت سارے مسائل جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو پیش کریں تو ہم انہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کے منافی پاتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ عز و جل کی طرف سے ہیں۔ مثلاً آپ نے ایک دن ایک چھوٹے سے پیالے سے ایک بڑے لشکر کو پانی پلا دیا۔ وہ پانی آپ کی انگلیوں مبارک سے

پھوٹا تھا۔ اس پانی سے تمام اہل لشکر سیراب ہو گئے تو کیا یہ صحیح واقعہ نہیں اور کیا احادیث کی کتابوں میں وارد نہیں ہوا۔ ایسے ہی ایک صاع (پیمانہ تقریباً ۵ سیر) سے ایک بہت بڑی تعداد کو کھانا کھلا دینے کا مسئلہ ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ کھانا کھانے والے لوگ تقریباً تین سو کے لگ بھگ تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک سو تیس کے قریب تھے۔ بخاری شریف میں ایسے ہی وارد ہوا ہے تو پھر کیا اس سے محض اس بنیاد پر انکار کر دیا کہ یہ آپ کی بشریت کے منافی ہے۔ ممکن ہے ایسے ہی چاند کے اس دن ٹکڑے ہونے کا واقعہ جس دن قریش نے آپ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ ان کے لیے چاند کو دو ٹکڑے کر دیں۔ آپ نے انگلی سے اشارہ کیا چاند دو ٹکڑے ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت اتاری:

اقتربت الساعة وانشق القمر و ان یروا ایة یعرضوا ویقولوا سحر مستمر

سیاق آیت سے صاف واضح ہے کہ یہ واقعہ اسی دنیا میں پیش آیا اور اس بارے میں جو احادیث آئی ہیں وہ بھی صحیح ہیں اور ان کو شیخین نے روایت کیا ہے۔ اس سے زیادہ کی طلب ہو تو "دلائل النبوۃ" کا مطالعہ کریں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مکہ والوں نے ایک دفعہ آپ سے سوال کیا کہ آپ انہیں کوئی نشانی دکھائیں تو آپ نے ان کو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھائے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے الفاظ امام بخاری کے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ہم مقام منیٰ میں رسول اکرم کے ساتھ تھے کہ اچانک چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ کے پیچھے چلا گیا اور ایک آپ کے سامنے آ گیا۔ تو جناب رسول اللہ نے ہم سے فرمایا "گواہ رہو" (متفق علیہ و اللفظ للبخاری) حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ چاند جناب رسول اللہ کے زمانہ مبارک میں دو ٹکڑے ہو گیا تھا۔ (متفق علیہ) اس کے علاوہ درخت کے تنے والی ایک حدیث بھی آئی ہے۔ آپ نے کچھ عرصہ کھجور کے ایک

درخت کے تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرمایا۔ بعد ازاں جب منبر تیار ہو گیا تو آپ نے اس کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ دینا چھوڑ دیا اچانک اس تنے سے شوق اور درد و الم بھری ایک آواز آنے لگی۔ چنانچہ ہر آدمی نے جو اس وقت وہاں موجود تھا اس آواز کو سنا۔ پھر ہم جناب رسول اللہ کے اپنے آگے کی مانند اپنی پشت کے پیچھے بھی مکمل طور پر دیکھنے کے بارے میں کیا کہیں گے۔ اگر اس معاملہ میں بھی ہم محض اپنی عقل سے فیصلہ دیں تو کیا یہ بھی آپ کی بشریت کے منافی بات نہیں ہے۔ حالانکہ یہ ایک ثابت اور ثابت شدہ واقعہ ہے۔ اس ضمن میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے درج ذیل حدیث آئی ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

هل ترون قبلتي هاهنا فو الله ما يخفى على خشوعكم ولا ركوعكم اني لاراكم من وراء ظهري

"کیا تم میرے قبلہ تک دیکھتے ہو یعنی تم تو صرف میری سجدہ گاہ تک دیکھتے ہو بخدا مجھ پر تو تمہارا خشوع اور تمہارا رکوع بھی مخفی نہیں ہے میں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی تمہیں دیکھتا ہوں"۔

یہ حدیث متفق علیہ ہے الفاظ مسلم کے ہیں۔

امام مسلم کے ہاں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت یوں آئی ہے:

انه قال صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم انصرف فقال الا تحسن صلاتك الا ينظر المصلي اذا صلى كيف يصلي فانما يصلي لنفسه

"انہوں نے کہا کہ ظہر کی جنگ کے دن جناب رسول اللہ نے ہمیں نماز پڑھائی پھر مجھ سے فرمایا کہ تو اپنی نماز کیوں اچھے طریقے سے ادا نہیں کرتا کیا نمازی نماز ادا کرتے وقت یہ نہیں دیکھتا کہ وہ کیسے نماز ادا کر رہا ہے حالانکہ وہ تو محض اپنے بھلے کے لیے نماز پڑھتا ہے"۔

وعن انس بن مالك قال صلى بنا النبي صلى الله عليه

وسلم ثم رقی المنبر فقال فی الصلاۃ و فی الرکوع انی لأ راکم من ورائی کما اراکم (متفق علیہ و اللفظ للبخاری)

اور بخاری کی دوسری روایت میں یوں ہے:

فوالذی نفسی بیدہ انی لأ راکم من خلفی کما أراکم من بین یدی قال النووی رحمۃ اللہ تعالی فی شرحہ و لصحیح مسلم قال العلماء معناہ ان اللہ تعالی خلق لہ ادراکا فی قفاہ یبصر بہ من ورائہ و قد انخرقت العادۃ لہ صلی اللہ علیہ وسلم باکثر من ھذا و لیس یمنع ھذا من عقل و لا شرع بل ورد الشرع بظاہرہ فوجب القول بہ و قال القاضی عیاض قال احمد بن حنبل رحمہ اللہ و جمہور العلماء ھذہ الرؤیۃ رؤیۃ بالعین حقیقۃ (عظیم

قدرہ و رفعۃ ذکرہ عند ربہ عزوجل "ڈاکٹر خلیل ابراہیم ملا خاطر)

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جناب نبی اکرم نے ہمیں نماز پڑھائی پھر آپ منبر پر جلوہ افروز ہوئے نماز اور رکوع کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تمہیں اپنے پیچھے سے بھی ایسے ہی دیکھتا ہوں جیسے اپنے آگے سے"۔

نسائی کی ایک اور روایت میں ہے:

فوالذی نفسی بیدہ و انی لا راکم من خلفی کما اراکم من بین یدی

"قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے بے شک میں تمہیں اپنے پیچھے سے بھی ایسے ہی دیکھتا ہوں جیسا کہ اپنے آگے سے"

امام نووی اور امام احمد کی رائے

امام نووی نے صحیح مسلم کی شرح کے دوران کہا ہے کہ علماء کے قول کے مطابق اس کا معنی و مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی گدی مبارک میں ایک طرح کا ادراک پیدا فرما دیا تھا۔ جس کے ذریعے آپ اپنے پیچھے بھی دیکھتے تھے۔

قاضی عیاض نے کہا کہ امام احمد بن حنبل اور جمہور علماء نے کہا ہے کہ یہ دیکھنا حقیقۃً آنکھوں کے ساتھ دیکھنا تھا۔ پھر اسراء اور معراج جو آپ کے علاوہ کسی نبی کو بھی عطا نہیں ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس میں آپ کو تمام انبیاء علیہم السلام کی امامت سے سرفراز فرمایا اور جو کچھ معراج میں آپ نے اپنے رب کی عظیم الشان نشانیوں کا مشاہدہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف حاصل کیا اور وہ تیزی جس تیزی کے ساتھ آپ نے اپنا سفر معراج طے فرمایا اور وہ راستہ جس راستہ سے آپ آسمانوں پر بلند ہوئے اور آپ کو آسمانوں کی سیر کروائی گئی یہ ساری چیزیں آپ کی بشریت کے ساتھ موافقت نہیں رکھتیں۔ اس کی بہ نسبت کئی گنا زیادہ خلاف عادت باتوں کا آپ سے ظہور ہوا۔ اس لیے ان سے نہ تو عقل مانع ہے اور نہ ہی شریعت اس کے ظاہر پر حکم لگاتی ہے بلکہ اس کے اقرار کو واجب قرار دیتی ہے۔

آپ کے معجزات و خوارق آپ کی بشریت کے منافی نہیں

تب تو ہماری وسعت میں نہیں کہ ہم ہر اس واقعہ میں جس میں ہم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کو ثابت کرنا چاہتے ہیں (کیونکہ ہم سب کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ بشر ہیں) اس معیار بشریت کو قائم رکھ سکیں بے شک اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ایک انسان رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں مگر ہماری رائے میں آپ کا بطور بشریت میں ہونا آپ کے ان معجزات جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ممتاز فرمایا ہے یا وہ خصائص جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مشرف فرمایا ہے انکار کو لازم نہیں گردانتا اور یہ وہ خصوصیات ہیں کہ جب ان کو انسانی خصائص و عادات کے ترازو

میں دیکھ کر تولا جائے تو یہ خلاف عادت ثابت ہوتی ہیں اور بے شک آپ کے معجزات تو منفرد اور ممتاز تھے حتی کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات سے بھی انبیاء سابقین کے معجزات عارضی اور حسی تھے جو کوئی ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا تھا ان کا ادراک کر لیتا تھا مگر جب ان کا وقت گزر جاتا تو وہ زائل ہو جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس قسم کے معجزات اور دیگر بہت ساری خلاف عادت باتیں عطا کی گئیں۔ مثلاً چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا' آپ کی انگشت ہائے مبارک سے پانی کا پھوٹ نکلنا' تھوڑے سے کھانے کا زیادہ ہو جانا' پانی کا بہا دینا' درختوں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کلام کرنا' کھجور کے تنے سے غم بھری آواز کا آنا' جمادات اور حیوانات کا آپ کو سلام کرنا' بیماروں کو شفا عطا کرنا' آپ کی دعا قبول ہونا' تھوڑے سے پانی کے ساتھ لشکر کی ایک بہت بڑی تعداد کو سیراب کر دینا (عظیم قدرہ و رفعۃ مکانتہ صلی اللہ علیہ وسلم عند رب عز و جل علا شانہ) اور اس کے علاوہ بہت سارے معجزات ہیں جن میں بعض قطعیت کے درجے کو پہنچے ہوئے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے درج ذیل حدیث مروی ہے کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فضلت علی الانبیاء بست و نصرت بالرعب

میں چھ اشیاء کے ذریعے تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دیا گیا ہوں اور رعب و دبدبہ کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے۔

وعن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعطیت خمسا لم یعطھن احد و زاد البخاری من الانبیاء قبلی و نصرت بالرعب بین یدی مسیرۃ شھر متفق علیہ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئیں ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں"۔

امام بخاری نے اس میں یوں اضافہ کیا ہے: **من الانبیاء قبلی و نصرت بالرعب من یدی مسیرۃ شهر** (اپنے سے پہلے انبیاء پر پانچ چیزوں کے لحاظ سے مجھے فضیلت دی گئی ہے اور ایک ماہ کی مسافت سے رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے)۔

ابو الحسن الندوی نے اپنی کتاب "السیرۃ النبویۃ" میں ذکر کیا ہے:

"اور ایسے ہی حلیمہ نے کہا" پہلی بار وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر چلی گئیں پھر ان کا دل آپ کی طرف مائل ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ان کے دل میں ڈال دی۔ انہوں نے آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ سے لے لیا اور آپ کو اپنی قیام گاہ کی طرف لے گئیں تو انہیں ان کی برکت کا احساس ہوا۔ اب اس کے بعد ان کے گھر میں ہر چیز کی حالت وہ نہ رہی جو پہلے تھی۔ انہیں اپنے شیر' اپنے جانوروں کے دودھ' اپنی بوڑھی اونٹنی' اور گدھی تک میں برکت کے آثار نظر آنے لگے اور ہر ایک یہی کہنے لگا کہ اے حلیمہ تو نے تو ایک مبارک انسان حاصل کیا ہے۔ اس پر ان کی سہیلیاں ان کے ساتھ حسد کرنے لگیں۔ دو فرشتے آئے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی سعد میں تھے۔ انہوں نے آپ کے پیٹ مبارک کو چاک کیا اور آپ کے دل مبارک سے سیاہ رنگ والا جما ہوا خون نکال کر اسے باہر پھینک دیا اور اس جگہ کو بالکل صاف کر دیا۔ دوبارہ دل اپنی جگہ میں رکھا۔ چنانچہ وہ ایسا ہی ہو گیا جیسا کہ پہلے تھا"۔

یہ قصہ بتمام و کمال کتب سیرت میں منقول ہے۔ امام مسلم نے اس قصہ کو اپنی صحیح میں کتاب الایمان کے "باب الاسرا برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" میں حضرت انس بن مالک کی روایت سے نقل کیا ہے۔

پہلے اور آخری نبی

ان چیزوں میں سے جو لائق اعتناء ہیں ایک یہ ہے کہ پیدائش کے لحاظ سے آپ

تمام انبیاء علیہم السلام میں پہلے ہیں اگرچہ بعثت کے لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آخر میں تشریف لائے۔ آپ کی بعثت میں تاخیر اس لیے ہوئی کہ چونکہ سنت الٰہیہ کے مطابق انسانیت ابھی تک اس قابل ہی نہیں ہوئی تھی کہ وہ آپ کی اس رسالت شاملہ و عامہ اور سابقہ تمام رسالتوں کی خاتم رسالت کو سہار سکے۔ چنانچہ نتیجۃً اللہ تعالیٰ نے آپ کی بعثت کو اسوقت تک مؤخر کر دیا جب تک کہ انسانیت اس قابل نہ ہو جائے کہ اس رسالت عظیمہ کو سمجھ سکے اور وہ اس وقت تک اس کو سمجھنے کے قابل نہ تھی جب تک کہ وہ ترقی اور پختگی فہم کے ایک خاص درجے تک نہ پہنچ جاتی جو اس کے لیے مطلوب تھا۔ صحیح احادیث میں وارد ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نبی لکھ دیے گئے تھے جب کہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی تک اپنے خمیر میں گندھے ہوئے تھے۔ عرباض بن ساری سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں اللہ تعالیٰ کے ہاں خاتم النبیین تھا۔ حالانکہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی تک اپنی مٹی میں گندھے ہوئے تھے"۔ اس حدیث کو احمد بن حنبل، حاکم اور ابن حبان وغیرہم نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی نے اسے صحیح مانا ہے اور ثبت کیا ہے۔ (مسند احمد، المستدرک)

عن میسرة الفجر رضی اللہ عنہ قال قلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متی کنت نبیا و فی لفظ متی کتبت نبیا قال و آدم بین الروح و الجسد رواہ احمد باسناد صحیح

"میسرۃ الفجر سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نبی کب بنے اور ایک عبارت میں یوں ہے کہ آپ نبی کب لکھے گئے۔ فرمایا اس وقت جب کہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کی درمیانی منزلیں طے کر رہے تھے"۔

اس حدیث کو امام احمد اور حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ نیز ان کے علاوہ دیگر محدثین نے بھی اس کی صحت کا اقرار کیا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کب نبی لکھے گئے۔ فرمایا اس وقت جب کہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (امام احمد نے اس حدیث کو صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے)۔ ان احادیث کے طریق کے علاوہ دوسرے طرق سے بھی روایات تواتر احادیث موجود ہیں۔

یہ صحیح اور واضح احادیث ہیں جو یہ بیان کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نبی بنائے گئے جب کہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی تک اپنی مٹی مبارک میں گندھے ہوئے تھے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی اس کائنات میں تصرف فرمانے والے ہیں جو جانتے ہیں اس کو بھی جو کچھ ہو چکا ہے اور جو قیامت تک ہونے والا ہے۔ حدیث میں آیا ہے خلق اللہ القلم فقال لہ اکتب اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا اس سے کہا لکھ

یہ حکم عام ہے مگر یہ احادیث ایسی ہیں کہ ان میں جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو خصوصیت حاصل ہے اور ان میں اس بات کی وضاحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نبوت لکھ دی گئی تھی جب کہ ابھی حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ابھی اپنے خمیر میں گندھے ہوئے تھے۔

اس کے بعد سورہ آل عمران کی یہ آیت مبارکہ بھی اس حقیقت کی وضاحت کر رہی ہے:

و اذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما آتیتکم من کتاب و حکمۃ ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ قال ءاقررتم و اخذتم علی ذلکم اصری قالوا اقررنا قال فاشھدوا وانا معکم من الشاہدین

"اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں سے عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور بہ ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا۔ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہ ہوں"

اگر ان احادیث صحیحہ کی تصدیق نہ کی جائے جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ تمام انبیاء علیہم السلام سے پہلے نبی تھے بلکہ اس وقت سے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام ابھی اپنی مٹی میں گندھے ہوئے تھے تو پھر اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام سے کس طرح یہ عہد لے لیا کہ وہ حضرات جب ان کے پاس رسول آئے تو اس پر ایمان لائیں اور اس کی مدد کریں اور کس بنیاد پر یہ عہد لیا گیا؟ یہ حقیقت کسی محقق پر مخفی نہیں کہ قرآن کریم میں جو آیات وارد ہوئی ہیں وہ آپ کی نبوت کے صدق اور تورات و انجیل میں اس کے ثبوت پر دال ہیں۔ جیسا کہ قرآن فرمایا ہے:

الذین یتبعون الرسول النبی الأمی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ و الإنجیل یأمرھم بالمعروف و ینھاھم عن المنکر و یحل لھم الطیبات و یحرم علیھم الخبائث و یضع عنھم اصرھم و الاغلال التی کانت علیھم فالذین آمنوا بہ و عزروہ و نصروہ و اتبعوا النور الذی أنزل معہ أولئک ھم المفلحون

کتب سابقہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت

- احمد نے عطا ابن یسار کے حوالے سے روایت کیا اور فرمایا:

لقیت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فقلت اخبرنی عن صفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی التورۃ فقال أجل و اللہ إنہ لموصوف فی التوراۃ بصفتہ فی القران یا ایہا النبی انا ارسلنک شاھدا و مبشرا و نذیرا و حرزا للأمیین انت عبدی و رسولی سمیتک المتوکل لا فظ و لا غلیظ و لا صخاب فی الاسواق و لا یدفع بالسیئۃ السیئۃ و لکن یعفوا و یغفر و لن یقبضہ اللہ حتی یقیم الملۃ العوجاء بان یقولوا لا الہ الا اللہ یفتح بہ اعینا عمیا و اذانا صما و قلوبا غلفا

میں عبداللہ بن عمرو بن العاص سے ملا۔ میں نے عرض کی حضرت مجھے جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان صفات کے بارے میں کچھ بتایئے جو تورات میں مذکور ہیں۔ فرمایا ہاں' کیوں نہیں۔ میں ضرور بتاؤں گا۔ بخدا تورات میں بھی آپ کی وہی صفات ذکر ہوئی ہیں جن صفات کے ساتھ آپؐ کے موصوف ہونے کا قرآن کریم میں بیان ہے۔ امثال کے طور پہ یہاں تورات کی ایک عبارت نقل کی جاتی ہے وہ عبارت یوں ہے:

"اے خبر دینے والے بے شک ہم نے آپ کو اپنی امت پر گواہی دینے والا' انہیں جنت کی خوشخبری سنانے والا' جہنم سے ڈرانے والا اور امیوں کی پناہ گاہ بنا کر بھیجا ہے۔ آپ میرے بندے اور رسول ہیں۔ میں نے تمہارا نام متوکل رکھا ہے وہ نہ تو سخت مزاج اور درشت خو ہے اور نہ ہی بازاروں میں شور و شغب کرنے والا ہے نہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتا بلکہ [illegible] کر

برعکس عفو و درگزر سے کام لیتا ہے اور بخش دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس وقت تک ان کو دنیا سے نہیں اٹھائے گا جب تک کہ کج رو ملت راہ راست پر نہ آ جائے اور وہ یہ اقرار نہ کر لیں کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں اور ان کے ذریعے سے اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور ان دلوں پر جن پر پردے پڑے ہوئے ہیں کھول نہ دے"۔

امام بخاری نے بھی عبداللہ اور بیہقی کے ابن سلام سے بالکل اسی مضمون کی ایک حدیث روایت کی ہے ایک اور روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں: **حتی یقیم الملتہ العوجا** ابن اسحاق نے کعب احبار کی روایت سے اسی کی ہم معنی حدیث روایت کی ہے اور بیہقی نے بھی حضرت عائشہ سے مختصراً روایت کی ہے اور وہب ابن منبہ نے ذکر کیا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے زبور میں حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف یہ وحی فرمائی تھی:

یا داود انہ سیاتی من بعد ک نبی اسمہ احمد و محمد صادقا سیدا لا اغضب علیہ ابدا و لا یغضبنی ابدا وقد غفرت لہ قبل ان یعصینی ما تقدم من ذنبہ و ما تاخر و امتہ مرحومتہ اعطیتھم من النوافل مثل ما اعطیت الانبیاء و فرضت علیھم الفرائض التی افترضت علی الانبیاء و الرسل حتی یاتونی یوم القیامتہ و نورھم نور الانبیاء الی ان قال یا داودانی فضلت محمداً و امتہ علی الامم کلھا کذا فی البدایتہ

ج ۲، ص ۳۳۹

"اے داؤد علیہ السلام عنقریب تیرے بعد ایک نبی تشریف لائے گا جن کا نام احمد و محمد ہوگا۔ وہ سچا ہوگا، سردار ہوگا میں اس پر کبھی بھی ناراض نہیں ہوں گا اور وہ بھی مجھے کبھی ناراض نہیں کرے

گا۔ اور پیشتر اس کے کہ وہ میری نافرمانی کرے میں نے اس کے اگلے پچھلے گناہ ( ) معاف کر دیے ہیں اور اس کی امت پر رحم کیا گیا ہے۔ میں نے ان کو اتنے نوافل عطا کیے ہیں جس قدر تمام انبیاء علیہم السلام کو عطا فرمائے تھے اور ان پر اس قدر فرائض فرض کیے ہیں جس قدر تمام انبیاء اور رسل علیہم السلام پر لازم کیے تھے۔ حتیٰ کہ وہ قیامت کے دن میرے پاس اس حال میں آئیں گے کہ ان کا نور انبیاء علیہم السلام کا سا نور ہوگا اور پھر یہاں تک فرمایا "بے شک میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت دی ہے"۔

ابونعیم نے حلیہ (ج ۲ ص ۳۸۶) میں سعید بن ابی ہلال کے حوالہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت کعب سے کہا مجھے جناب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے اوصاف بتایئے۔ فرمایا میں انہیں کتاب اللہ میں یوں پاتا ہوں:

ان احمد و امته حمادون يحمدون الله عز و جل على كل خير و شر يكبرون على كل شرف و يسبحون الله في كل منزل لهم اذانهم في جو السماء لهم دوي في صلاتهم كدوي النحل على الصخر يصفون في الصلاة كصفوف الملائكة و يصفون في القتال كصفوفهم في الصلاة اذا غزوا في سبيل الله كانت الملائكة بين ايديهم و من خلفهم برماح شداد اذا حضروا الصف في سبيل الله كان الله عليهم مظلا و اشار بيده كما تظل النسور على وكورها لا يتاخرون زحفا ابدا" و اخرجه ايضا باسناد آخر عن كعب

بنحوه و فیہو امتہ الحمادون یحمدون اللہ علی کل حال و یکبرونہ علی کل شرف رعاۃ الشمس یصلون الصلوات الخمس لوقتہن و لو علی کناستہ یا تزرون علی اوساطہم و یوضئون اطرافہم و اخرج ایضا باسناد اخر عن کعب مطولا

"بے شک احمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت ہر برائی و بھلائی کے موقع پر اللہ عزوجل کی حمد بیان کریں گے' ہر اونچی جگہ پر اللہ تعالی کی بڑائی اور عظمت بیان کریں گے اور ہر جائے قیام میں اللہ تعالی کی تسبیح کریں گے۔ ان کی پکار فضائے آسمانی میں بلند ہو گی' نمازوں میں ان کی بھنبھناہٹ ایسے ہو گی جیسے شہد کی مکھی کی چٹان پر ہوتی ہے۔ وہ نمازوں میں ایسی صفیں باندھیں گے جیسے فرشتوں کی صفیں ہوتی ہیں اور لڑائی میں ایسی ہی صفیں بنائیں گے جیسے نماز میں ان کی صفیں ہوں گی۔ جب وہ اللہ تعالی کے راستے میں جہاد کریں گے تو فرشتے تیز اور سخت نیزے لے کر ان کے آگے پیچھے ہوں گے جب اللہ تعالی کے راستے میں صف بندی کی صورت میں حاضر ہوں گے تو اللہ تعالی کی رحمت ان پر سایہ فگن ہو گی پھر اپنے دست مبارک سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ایسے جیسے گدھیں اپنے گھونسلوں کے اوپر سایہ کیے رہتی ہیں۔ وہ میدان جنگ میں لشکر سے کبھی بھی پیچھے نہیں ہٹیں گے"۔

کعب کے حوالہ سے اور دیگر واسطوں سے بھی انہوں نے ایسی ہی ایک حدیث نقل کی ہے۔ جس میں یوں آیا ہے:

"آپ کی امت بہت زیادہ حمد بیان کرنے والی ہو گی۔ ہر حال میں وہ اللہ تعالی کی حمد و ثنا بجا لائیں گے اور ہر بلندی پر اللہ تعالی کی بڑائی بیان کریں گے۔ سورج کی نگہداشت

کرنے والے اور اس پر نظر رکھنے والے ہوں گے۔ پانچ نمازوں کو ان کے مستحب اوقات میں ادا کریں گے۔ خواہ کوڑا کرکٹ کے ڈھیر پر بھی کیوں نہ ادا کرنا پڑیں۔ اپنے جسموں کے درمیانی حصوں میں ازاربند باندھیں گے' اپنے ہاتھ پاؤں دھوئیں گے اور سروں کا مسح کریں گے۔ انہوں نے دوسرے واسطوں سے بھی کعب کے حوالہ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں آپ کے لیے نبوت لکھ دی گئی تھی۔ حتیٰ کہ حضرت آدم علیہ سلام کی آفرینش سے بھی پہلے۔ اسلام پر غیرت رکھنے والے بعض محدثین نے اس سے انکار کیا ہے کہ سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آفرینش حضرت آدم علیہ السلام سے بھی پہلے ہو اور ان لوگوں میں سے ایک عظیم اسلامی مفکر اور طبع زاد کاتب ڈاکٹر خالد محمد خالد بھی ہیں۔ شق صدر کے موضوع پر ان کے ایک بیش قیمت مقالہ میں یہ بات گزر چکی ہے۔ جس کی طرف ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں۔ آپ نے اس کو جان لیا ہوگا کہ یہ بات جو اسلام پر غیرت کھانے کی وجہ سے ان کی طرف سے معرض وجود میں آئی ہے کسی حال میں بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس موضوع میں لگاتار احادیث وارد ہوئی ہیں۔ جن میں سے بعض بعض کے لیے باعث تقویت ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اسلام عقل کا ساتھ دیتا ہے۔ مگر وہ معاملات اور خصوصیات جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے باوجود آپ کی بشریت کے آپ کو خاص کیا ہے۔ ان میں قدرت الٰہیہ کارفرما ہے۔ جو عقل کے پیمانوں کے سامنے نہیں جھکتی اور نہ ہی اس کے تابع ہے۔

عالم دو ہیں۔ ایک عالم غیب ہے اور دوسرا عالم شہادت۔ عقل کا میدان بس عالم شہادت ہی ہے۔ یعنی وہ عالم جس کو محسوس کیا' اور چھوا جاسکتا ہے۔ عالم محسوسات اور عالم شہادت کے بارے علماء نے جو کچھ ثابت کیا ہے یا اس کے بارے صراحت کہا ہے کہ اس میں اور اسلام میں آپس میں کوئی تناقض نہیں۔

جہاں تک عالم ملکوت یعنی عالم غیب کا تعلق ہے تو وہ تو عقل سے غائب ہے۔ اس کے بارے اللہ تعالیٰ نے اپنے سچے رسولوں کی زبانی یا پاک کتابوں کے ذریعے سے خبر دی

ہے۔ عالم غیب میں عقل کی طرف سے کوئی بھی دخل اندازی محض ظن کی حیثیت رکھتی ہے اور ظن تو حق کے معاملے میں کچھ سود مند نہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں ہی کی تعریف فرمائی ہے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور انہیں کو ہی متقی بتایا ہے جیسا کہ سورہ بقرہ کی ابتداء میں وارد ہوا ہے کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے عقل کی حدود کو پہچانا اور اس کو انہیں حدود کا پابند کیا۔ اسی کو حکمت کہتے ہیں اور جس کو حکمت عطا کی گئی اسے بہت زیادہ بھلائیاں عطا کی گئیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھون نے اپنے آپ کو پہچان لیا اور بولے سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے اپنی قدر پہچان لی۔ بعد ازاں یہ روشن و تاباں سیرت محمدیہ علی صاحبہا السلام کے فانوس کی شعائیں ہدایت نبوی کے انوار کی چمک دمک ریاض مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشہ چینی اور معطر سیرت کی تابانیاں ہیں۔ جسے میں نے چاہا کہ اپنی اولاد کے سامنے پیش کروں تاکہ یہ انہیں ایک ایسی روشنی کا کام دے جو ان کے سامنے ان کا راستہ روشن بنا دے اور ان کے نور سے ان کا ہر رہ گزر چمک اٹھے اور ایک اعلیٰ و ارفع نمونہ اور ہر مثال مجسم صورت میں ان کے سامنے پیش کر دے جس کی گرد راہ تک بھی کوئی نمونہ زندگی اور کوئی مثال اعلیٰ نہیں پہنچ پاتی۔ کیونکہ بلاریب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تمام انسانیت کے لیے ایک اعلیٰ و ارفع مثال و نمونہ ہے۔ صرف اس امت مرحومہ کے لیے نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے رب تعالیٰ کے اذن سے تمام انسانیت کی صراط مستقیم کی طرف رہبری کرنے والے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وانک لتهدی الی صراط مستقیم (الشوریٰ:۵۲)

"بے شک تم سیدھی راہ بتاتے ہو"۔

جوں جوں ہم اپنی اولاد کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، آپ کی شریعت کے دامن کو مضبوطی سے تھامنا اور اپنی اس تربیت ربانی سے آپ کا تسلی حاصل کرنا، جس کا اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے خاص اہتمام فرمایا تھا اور آپ کی بڑی عمدہ تربیت و تادیب کی

تھی (جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے ادبنی ربی فاحسن تادیبی) سکھاتے جائیں گے تو توں ہم زیادہ سے زیادہ اسلام کے حقیقی اور اصلی منبعوں' اس کے شیریں چشموں اور اسکی شریعت سمحاء (آسان اور سہل) کے قریب تر ہوتے چلے جائیں گے۔ کیونکہ ہر مسئلہ محبت سے ہی شروع ہوتا ہے اور محبت سے ہی تقویت پاتا ہے اور اسی محبت کے سہارے ہی اس کی نشوونما ہوتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ یہ اپنے عروج پر پہنچ جاتا ہے اور آخرکار ایمان کامل کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ اسی ضمن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **لا یومن احدکم حتی یکون اللہ و رسولہ احب الیہ مما سواھما** تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل الایمان نہیں ہو سکتا جب تک اللہ تعالی اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسے ہر چیز سے زیادہ محبوب نہ ہوں اس محبت کی صداقت اس شریعت کے نفاذ سے ہی عیاں ہوتی ہے جو اس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور آپ کی منعکس ہوئی سیرت میں عملی صورت میں موجود تھی۔ وہ سیرت و شخصیت جو باقی رہنے والے قانون ربانی کی عملی تفسیر تھی۔ جس کو اللہ تعالی نے مخلوق کے نفع کے لیے آپ کی قلب مبارک پر اتارا تاکہ آپ اسے کھول کر لوگوں سے بیان کردیں۔ آپ نے اس کو اپنے اخلاق و عمل میں عملاً پیش کیا۔ اور اس کے ذریعے آپ اخلاق انسانی کی آخری حدود کو پہنچے۔

آپ اس لائق ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ رب تعالی جس نے آپ کی تربیت فرمائی اور اس میں بڑی عمدگی اختیار کی آپ کو اس تعریف کا مستحق گردانتے ہوئے درج ذیل ایسے ہی تعریفی کلمات کے ساتھ آپ کو مخاطب کرے جن کی صدا ملاء اعلی میں گونج رہی ہو اور کائنات کی پہنائیوں اور گوشے گوشے میں سنی جا رہی ہو۔ جو اس ربانی خلق "**وانک لعلی خلق عظیم**" کی واضح دلیل ہے۔ ہاں ہاں یہ خلق اللہ سبحانہ و تعالی کے میزان میں اتنا عظیم ہے کہ جس کی غایت تک مخلوق کے سارے کے سارے اندازے اور خیالات پہنچنے سے قاصر ہیں۔ اس میں کچھ تعجب کی بات نہیں کہ آپ کا خلق قرآن کریم ہو جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے بارے میں بیان کیا

جب اس عظمت کے اسرار کا احاطہ کرنے سے عقلیں عاجز ہیں تو ہمارے یہ کتنا لائق اور مناسب حال ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز ہائے عمل کو نمونہ بنائیں تاکہ ان کی روشنی میں چلیں اور اپنی اولاد کی بھی اسی کے مطابق پرورش کریں تاکہ ہمارے حق میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول مبارک پورا ہو **"لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ"**

کوئی بھی طرز عمل اور موقف جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس شخص کے ساتھ اختیار فرمایا جس کے ساتھ آپ محبت کرتے تھے یا اس شخص کے ساتھ جس کو آپ ناپسند فرماتے تھے یا اپنی ذات کے ساتھ یا اپنے گھر والوں کے ساتھ قریب و بعید کے ساتھ، جنگ میں، صلح میں، سختی میں، آسانی میں، چھپے، ظاہر اس پر قرآنی تعلیمات کی چھاپ لگی ہوتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے تشریف لائے کہ انسانیت کو سکھا دیں کہ وہ کیسے اللہ تعالیٰ کے راستے اور طریقے کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالے تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عزت و تکریم کی سزاوار قرار پائے۔ جہاں تک میری اس کتاب کا تعلق ہے تو یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند طرز ہائے عمل کا ایک سرسری سا مطالعہ ہے۔ اور امید تو ہے کہ ہم اپنی اولاد کے نفوس میں ان طرز ہائے عمل کا پودا لگانے میں کامیاب ہو جائیں گے اور ان کو ان کے دلوں میں از روئے محبت گہرائیوں تک لے جائیں اور لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ان کو بطور مثالوں کے پیش کریں۔ ایسی مثالیں اور نمونے جن کے سامنے مشرق و مغرب اور تمام تر تاریخ کی روشنی مدھم پڑ جاتی ہے اور سارے کے سارے مبادیات (بنیادی اصول و قواعد) ان کے سامنے حقیر اور گھٹیا نظر آنے لگ جاتے ہیں اور ساری کی ساری قیادتیں ان کے آگے ہیچ معلوم ہوتی ہیں۔ ہمارے بیٹوں اور ہماری اولاد کو سوائے خلق عظیم نادر روزگار ثبوت کامل و اکمل نمونوں اور بطور ہدیہ عطا کردہ رحمت (صلوات اللہ علیہا و سلامہ) کے دیگر کسی چیز سے مبہوت و متحیر نہیں ہونا چاہیے۔

اب ہم اس خلق عظیم سے یہاں ایک یا دو مثالیں بیان کریں گے۔

اپنی اولاد سے کہو کہ بے شک تم نے جنگوں اور فتوحات کا مطالعہ کیا ہے۔ انقلابات اور نتائج انقلابات تم نے دیکھے اور آزمائے ہیں۔ بغاوتوں اور انقلابات کو پہچانا ہے اور یہ ہنگامے جہاں سے پیدا ہوتے ہیں اور جو ان کے اسباب ہیں ان سے تمہیں شناسائی ہے تو کیا پھر ان مواقف (طرزہائے عمل) میں سے کوئی ایک موقف بھی تم نے ایسا دیکھا ہے جو اس موقف کی گرد راہ تک بھی پہنچتا ہو جو سید الاولین الآخرین نے اختیار فرمایا تھا۔ مکہ والوں نے آپ کو جتنا عذاب دیا، آپ سے جنگ کی، آپ کو تکلیفیں پہنچائیں مگر اس سب کچھ کے باوجود جب آپ بحیثیت ایک فاتح اور بحیثیت ایک کامیاب و کامران انسان کے ان کی طرف واپس آئے تو کیا اس عظیم اور فتح مبین نے آپ کو مغرور بنا دیا تھا؟ اور کیا اس اقتدار و کرسی نے آپ کو اس پر اکسایا تھا کہ آپ ان سے بدلہ لیں۔ (یہ قاعدہ و قانون ہے کہ ہمیشہ ظلم کی ابتدا کرنے والا زیادہ ظالم ہوا کرتا ہے) آپ نے ان لوگوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا جنہوں نے محض اعلان حق پر آپ کو اور آپ کے پیروکاروں کو عبرتناک عذابوں میں مبتلا کیا اور آپ کے ساتھ اور آپ کے ماننے والوں کے ساتھ طرح طرح کی کارستانیاں کیں۔ مگر اس کے جواب میں آپ کا جو طرز عمل ان کے ساتھ تھا اور فتح مکہ کے موقع پر جو کچھ آپ نے ان سے فرمایا وہ تاریخ کے سینہ میں تا ابد الآباد درخشاں و تابندہ رہے گا اور وہ اعلان یہ تھا اذھبوا فانتم الطلقاء (جاؤ تم آزاد ہو)

یہ وہ عظیم طرز عمل ہے جسے تمام دنیا حیرت سے "ایک عظیم و جلیل اور حیران کن طرز عمل گردانتے ہوئے اس کے سامنے سرنگوں ہے۔ اے اللہ کے محبوب بے شک آپ خلق عظیم کے مالک ہیں۔

جبرائیل علیہ السلام پہاڑوں کے نگران فرشتہ کو لے کر اس وقت آپ کے پاس حاضر ہوتے ہیں جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے ہاتھوں طرح طرح کی سختیں جھیل رہے ہوتے ہیں۔ پہاڑوں کا فرشتہ محض اس بات کا منتظر ہے کہ سید الخلق کا اشارہ ہو اور وہ طائف کے دونوں پہاڑ اٹھا کر ان پر ڈال دے۔ تاکہ اس کا انتقام لینے کے لیے جو

انہوں نے آپ صلوات اللہ سلامہ اور آپ کے صحابہ کرام کے ساتھ کیا تھا۔

اگر آپ کی بجائے مخلوق میں سے کوئی بھی اور شخص ہوتا اور اس کو ایسی مشقت کا سامنا ہوا ہوتا جو آپ کو ہوا تو وہ یقیناً اسی فرشتہ سے وہ فرمائش کرنے میں ذرہ بھر بھی تامل نہ کرتا جس فرمائش کی پیشکش جبریل علیہ السلام سید الاولین والاخرین سے کر چکے تھے۔ تو پھر کیا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کے انتقام کے بارے ایک لحظہ کے لیے بھی سوچا؟ اور کیا ان لوگوں سے جنہوں نے آپ کو اپنی جان' اپنے اہل و عیال اور اپنے پیروکاروں کے حق میں طرح طرح کی تکالیف پہنچائی تھیں اور آپ کی اس دعوت کے راستے میں جو لوگوں کو کفر کی اندھیریوں سے نور اسلام کی طرف نکالنے والی تھی پتھر بن کر کھڑے ہو گئے تھے تو کیا ان سے چھٹکارا کی کوئی آپ نے کسی قسم کی کوئی خوشی منائی تھی؟ ہرگز نہیں' ہرگز نہیں۔ آپ خلق عظیم کے مالک تھے اور پہاڑوں کے فرشتہ کو آپ نے جو جواب دیا وہ تمام انسانیت پر آپ کے خلق کی عظمت کو واضح کر دیتا ہے۔ اور وہ جواب یہ تھا:

بل أرجو ان یخرج اللہ من اصلابھم من یعبد اللہ وحدہ
ولا یشرک بہ شیئا

"بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی پشتوں سے وہ نسلیں پیدا کریں گے جو ایک خدا تعالیٰ کی عبادت کریں گے اور کسی کو بھی اس کا شریک نہ ٹھہرائیں گے (صلی اللہ وسلم و بارک علیک یاسیدی یا رسول اللہ)"۔

اے وہ رحمت جو تمام جہانوں کو بطور ہدیہ عطا کی گئی ہو تجھ پر صلوۃ وسلام اور اللہ تعالیٰ کی برکتیں ہوں۔ اسی سبب سے آپ تمام اولاد آدم کے سردار بنے اور روز محشر لواء محمود' حوض مورود اور شفاعت کبریٰ کے مالک ہوں گے۔ انشاء اللہ۔

اے والدین اور اے اولاد کی پرورش کرنے والو

اپنی اولاد کو یہی سیرت سکھاؤ' ان کو یہی طریقہ ہائے زندگی اور اسی خلق عظیم سے روشناس کراؤ۔

ان کو یہ بات سکھاؤ کہ ہمارے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت ایک باپ کے کیسے تھے؟ ایسے باپ کہ جن کی مثل کوئی باپ نہیں۔ انہیں یہ بتایئے کہ بحیثیت ایک لیڈر آپ کیسے تھے؟ ایسے قائد اور ایسے زعیم کہ جن کی کوئی نظیر نہیں۔ انہیں سکھایئے کہ بحیثیت ایک حاکم آپ کیسے تھے؟ ایسے کہ حکام میں سے کوئی بھی حاکم ان کی گرد راہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ انہیں سکھایئے کہ بحیثیت ایک مربی کے آپ کی مثل کوئی مربی نہیں اور نہ ہی رسولوں میں سے آپ جیسا کوئی رسول ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے یگانہ روزگار اور نادر پہلوؤں سے انہیں روشناس کراؤ۔ جن سے سیرت محمدیہ علی صاحبہا السلام مالا مال نظر آتی ہے اور تاریخ کے صفحات بلکہ ساری کی ساری انسانی تاریخ جس دن سے اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا فرمایا ہے اس سے لے کر اس دن تک جس دن یہ زمین و آسمان کسی اور صورت و شکل میں نمودار ہوں گے' فخر کرتے رہیں گے۔ یہ آپ کی سیرت طیبہ کے نادر و روزگار اخلاقی پہلو اس لیے منصہ شہود پر آئے کہ ان کے صدقے اخلاق کی اعلیٰ و ارفع باتیں تکمیل پذیر ہوں۔

انہیں سکھایئے کہ ایک خلیفہ کامل کی حیثیت میں آپ کیسے انسان تھے۔ وہ خلیفہ کامل کہ جن کی خاطر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو پیدا کر کے اپنا خلیفہ بنا دیا۔

ہماری بہت ساری اولاد ایسی ہے جو مغرب کی چمکتی دمکتی اور پرکشش جالوں میں پھنس چکی ہے۔ جس نے ان کو اپنی زیبائشوں اور آرائشوں سے مبہوت کر دیا ہے۔ اس کی قیادتوں نے ان کے دلوں کو متفرق و منتشر کر دیا ہے۔ ان کے طور طریقوں نے ان کے

شعور و وجدان کو تتر بتر کر دیا ہے۔ اے گروہ آباء اور اے جماعت مربین اس کی اور کوئی وجہ نہیں۔ اس کا سبب صرف اور صرف یہ ہے کہ ہم نے ان کے دلوں میں سیرت محمدیہ علی صاحبہ السلام کی ہیبت اور جلال کو راسخ نہیں بنایا اور اس سیرت مبارکہ میں جو جو اعلیٰ نمونے اور بنیادی نقطہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں ان پر ان کی نظریں نہیں ٹکتیں۔ اور یہ نمونے اور بنیادی اصول ایسے ہیں کہ گوش تاریخ نے کبھی بھی ان جیسے خوش کن اور پیارے نمونوں اور اصولوں کے بارے میں سنا ہی نہیں اور آفاق کون و مکان اور اقصائے عالم کبھی بھی ان جیسوں سے معطر ہی نہیں ہوئے۔ جو جمال و کمال' جلال و حسن' احاطہ و شمولیت' تربیت و تنظیم کے لحاظ سے ان کی گرد راہ تک بھی پہنچ سکیں۔

ہمارا نوجوان اس خزانے کا شدت سے محتاج ہے۔ جس خزانے کو ہم نے اپنے ہاتھوں سے دفن کر دیا ہے اور اس کی دولت کی قدر نہیں کی اور اس فردوس کی اسے احتیاج ہے جس کو ہم ضائع کر بیٹھے ہیں اور اس کی قیمت کا اندازہ نہیں لگا سکے اور اس بدر کامل کی احتیاج میں ہیں۔ جس کے نور کے آگے ہم حائل رہے اور اس کی انتہائی روشن و تاباں چمک دمک کے سامنے ایک کثیف بادل آ گیا جس نے اس کی ضیاء پاشیوں میں رکاوٹ ڈال دی۔ تو جب یہ صورت حال ہو تو ہمارے ضائع شدہ نوجوان کیسے اس طرح آئیں اور کیسے اپنی تمام تر توجہ اس طرف مبذول کریں۔

ایک مقولہ ہے کہ آدمی جس چیز کو نہیں جانتا اس کا دشمن ہوا کرتا ہے۔ ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنی اولاد کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کے اہل بیت الطاہرین المطہرین اور آپ کے ہدایت یافتہ صحابہ کرام کی محبت کا درس دیں اور ان پر یہ واضح کریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت آپ کے اتباع سے ہی نصیب ہوا کرتی ہے اور بدعت نوازی سے چھن جاتی ہے۔ اگر محض زبان سے محبت کا دعویٰ ہو اور شعور پر بھی محبت کی جنونی کیفیت طاری ہو بھی تو بھی کوئی فائدہ نہیں۔ جب تک اس محبت کے ساتھ ساتھ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع' آپ کی لائی ہوئی ہدایت پر عمل پیرا ہونا اور روز مرہ کی حقیقی زندگی میں آپ کے طریقہ کا نفاذ ہو۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

اے اللہ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے اہل بیت اطہار اور آپ کے
صحابہ کرام کی اچھی محبت عطا اور ان کی محبت سے بھی ہمیں نواز جو قیامت تک اچھے
طریقے سے ان کی پیروی کرنے والے ہوں گے۔ ہمیں آپ کی سچی محبت پر قائم رکھ یہاں
تک کہ ہم اس حال میں آپ سے ملاقات کریں کہ آپ ہم سے راضی ہوں اور آپ
اپنے مبارک اور شریف ہاتھوں سے ہمیں اپنے حوض سے پانی پلائیں اور یہ پانی ہمیں
ان لوگوں کے ساتھ پلا نصیب ہو جن پر انبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین
میں سے اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے۔

**و صلی اللہ علی اشرف المرسلین سید الاولین و
الاخرین سیدنا محمد بن عبداللہ النبی الأمی الهادی
الی الصراط المستقیم صراط اللہ الذی لہ ما فی
السموات و ما فی الارض**

اللہ تعالیٰ کی طرف سے درود ہو اس پر جو تمام رسولوں سے افضل و
اشرف ہے۔ اگلوں، پچھلوں کا سردار ہے وہ ہمارے سردار
حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو نبی امی ہیں۔ جو
سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرنے والے ہیں۔ جو اس اللہ
تعالیٰ کا راستہ ہے جس کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے
اور جو کچھ زمینوں میں۔ **واخر دعوانا ان الحمد للہ رب**